ادیب اعظم کی خدمات کا دوسو بارہواں نمبر

حقایق القرآن

مصنفہ

ادیب اعظم مولانا الحاج سید ظفر حسن صاحب

مرکز احیاء آثار
maablib.org
MAAB 1431

ناشر

شمیم بک ڈپو۔ ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸

بار اول ۱۰۰۰
قیمت ۱۵ روپیہ۔

ادیب اعظم کی خدمات کا دوسو دسواں نمبر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق القرآن

المعروف بہ

"تفسیر الآیات"

جس میں

۱- ایک سو آیات قرآنی کی تفسیر ہے جو اہلِ بیت کی شان میں نازل ہوئیں۔

۲- ۷۳- احادیث ہیں جو حضرت علیؑ کے متعلق رسولؐ نے بیان کیں۔

۳- دوسو خصائص علویہ ہیں

۴- نہج البلاغہ کے چند خطبات کا اقتباس مع ترجمہ و توضیح

maablib.org

مصنفہ
حضرت ادیب اعظم الحاج مولانا سید ظفر حسن صاحب قبلہ امروہوی

ناشر
شمیم بک ڈپو ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸
(خوشنویس: فیض احمد جنجوعہ)

شکریہ

میری سابقہ تصنیف "رموز القرآن" کی افادیت کے پیش نظر میرے محترم جناب محمد عباس مرزا صاحب سابق ڈی۔ آئی۔ جی آف لاہور نے ایک ہزار روپیہ کی رقم عطا فرمائی تھی۔ چونکہ کتاب مذکور کی کتابت ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے اس میں شکریہ ادا کرنے کا موقع نہ رہا میں موصوف کی مذہب نوازی اور اپنی ناچیز خدمت کی قدر دانی کا تہ دل سے شکر گزار ہوں اور ان کی ترقی و سلامتی کے لئے بارگاہ باری میں دست بدعا ہوں۔ آپ عشرہ آخر اربعین میں حسینیہ ہال لاہور میں مجالس منعقد کرتے ہیں۔ جن میں بحمد للہ میں تیرہ سال سے فضائل و مصائب اہلبیت بیان کرتا چلا آرہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی توفیقات کو زیادہ کرے تاکہ وہ اسی گرم جوشی اور خلوص سے یہ دینی خدمت انجام دیتے رہیں

احقر الزمن : سید ظفر حسن

maablib.org

انتساب

اپنے جگر پاروں کے نام :-

۱- سیّد تمیم الحسن نقوی ایم اے ایل ایل بی سینیئر ایگزیکٹو آفیسر یونائیٹڈ بنک

۲- سیّد نسیم الحسن نقوی بی ایس سی انجنیئر سپرنٹنڈنٹ الیکٹرک پاور ہاؤس دلیٹ وہارت

۳- الحاج ڈاکٹر سیّد ندیم الحسن نقوی بی اے - ایم - بی - بی - ایس

۴- سیّد قسیم الحسن نقوی بی اے انجنیئر - پرنسپل پولی ٹیکنک کالج کراچی

۵- سیّد شبیہہ الحسن ایم اے ایل ایل بی سینیئر آفیسر یونائیٹڈ بنک کراچی

۶- ڈاکٹر سیّد توصیف الحسن نقوی پی ایچ ڈی لیکچرار علی گڑھ یونیورسٹی انڈیا -

۷- مولوی سیّد تہذیب الحسن نقوی فاضل علوم مشرقیہ انڈیا

سیّد عرفان حسن ایم اے بی ایڈ - ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ اسکول کراچی (داماد)

maablib.org

فہرست مضامین

maablib.org

پیش لفظ

اپنی پیرانہ سالی (۸۵ سال) کی بنا پر ۱۹۷۴ء میں رموز القرآن لکھنے کے بعد میرا ارادہ مزید کوئی
کتاب تصنیف کرنے کا نہ تھا مگر جو تصنیف و تالیف کی چکی میں ۵۰ سال پس رہا ہو جس نے ہر وقت کے لیے
ایک کام اور ہر کام کے لیے ایک وقت معین کرنے کی عادت ڈالی ہو۔ وہ اس طبیعت ثانیہ سے
بچ کر چین سے کیسے بیٹھ سکتا تھا۔ اس کے لیے بیکاری ہزار بیماریوں کی ایک بیماری تھی۔ دوسرے
میرے لڑکوں کی خواہش ہوئی کہ رموز القرآن کے بعد ایک ایسی کتاب ضرور ہونی چاہیے جس میں مندرجہ
کتاب ہذا مضامین پر ایسی عام فہم عبارت میں روشنی ڈالی جائے کہ معمولی لکھا پڑھا آدمی بھی فائدہ
حاصل کر سکے ایسی کوئی کتاب اب تک نہیں لکھی گئی اور لوگ اس کے متلاشی ہیں۔ اگرچہ یہ کام میرے
ہارے تھکے دماغ کے لیے جوئے شیر کی لگد کوبی میں آیا ہوا سسکیاں بھر رہا ہے۔ بہت دشوار
تھا اور ہمت جواب دے رہی تھی۔ مگر جن صاحبزادوں کی بچپن سے اب تک ناز برداریاں
کرتا چلا آرہا تھا اور ان کی خواہشیں پورا کرنے کا عادی بن چکا تھا۔ ان کو اب آخر میں کیا دل شکستہ کرتا۔
تسبیح ہاتھ میں پکڑی اور استخارہ کیا۔ اپنے معبود کا حکم پاتے ہی قلمدان میں رکھا ہوا قلم پھر اٹھا لیا
اللہ کی مدد شامل حال ہوئی اور کتاب اپنے آخری صفحہ تک پہنچ گئی۔ خدا کرے طبع ہونے کے بعد مقبول
خاص و عام ہو اور روز جزا اللہ میری اس محنت کا اجر دے۔ غالباً اس کتاب کے لکھنے پر آمادگی میرے
لیے فرشتہ رحمت بن گئی۔ دو سال سے جو سر کی رگوں میں بجلی کی سی چمک پیدا ہو کر شدید درد کا باعث
ہوتی تھی جس قدر کتاب لکھتا گیا وہ کم ہوتی چلی گئی۔ ابھی کتاب ختم نہ ہوئی تھی کہ اس آزار سے
میرا پیچھا چھوٹ گیا۔ للہ الحمد ولہ الشکر۔ یہ کتاب میں نے صرف اپنے فرقہ کی آگاہی کے
لیے لکھی۔ میرا مقصد اسلام کے کسی فرقہ کی دل آزاری نہیں۔ صرف حقائق پر روشنی ڈالنا ہے۔ لہٰذا
وہی حضرات ملاحظہ فرمائیں جن کو میرے فرقہ سے تعلق ہے۔

احقر المومنین۔ سید ظفر حسن

قرآن کریم کے متعلق چند ضروری باتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اور اپنی مخلوق پر حجت تمام کرنے کے لئے اپنے انبیاء و مرسلین کو بھیجا اور اپنے احکام کی تبلیغ کرانے کے لئے کتابیں اور صحیفے نازل کئے جو سب مل کر ۱۱۴ ہوتے ہیں۔ صحیفوں میں صحف ابراہیم و موسیٰ زیادہ مشہور ہیں۔ کتابیں چار ہیں۔ توریت، زبور، انجیل اور قرآن کریم۔

زبور مناجات اور دعاؤں کی کتاب ہے جیسے ہمارے یہاں صحیفہ کاملہ ہے جب حضرت داؤد بلحن خاص زبور پڑھتے تھے تو چرندے پرندے سب ان کے گرد جمع ہو جاتے تھے اور نہایت محویت کے عالم میں سنتے تھے۔

توریت یہ کتاب جناب موسیٰؑ کو طور پر جا کر ملی جو پتھر کی الواح پر لکھی ہوئی تھی مشہور روایت یہ ہے کہ چالیس الواح تھیں اس میں شریعت موسوی کے تمام احکام تھے جب تک موسیٰ کے بعد اولاد ہارون کے پاس رہی تصرفات سے محفوظ رہی لیکن جب سے اس کے محافظ اَحبار یعنی علمائے یہود ہوئے اس میں تصرفات ہونے شروع ہو گئے حسب تصریح قرآنی وہ امراء سے پیسے لیکر اس کے الفاظ اور مفہوم سب کچھ بدل دیتے تھے۔

یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَناً قَلِیْلاً (تھوڑے سے مال کے لالچ میں آیات الٰہی کو بیچ ڈالتے تھے) آخر نتیجہ یہ ہوا کہ یہ کتاب منسوخ ہو گئی۔

انجیل کی صورت یہ تھی کہ جناب عیسیٰؑ پر جو کچھ وحی ہوتی تھی وہ اپنے حواریوں کو لکھا دیتے تھے تو وہ اس کو حفظ بھی کر لیتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کے رفع کے بعد انجیل کو ان

گے چار حواریوں نے کتاب کی صورت میں جمع کیا۔ یہ چار لوقا، مرقس، متی اور یوحنا تھے انہی کے نام سے چار انجیلیں عیسائیوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ جو مصیبت توریت پر نازل ہوئی تھی وہی انجیل پر نازل ہوئی۔ دنیا پرست پادریوں نے اور کاہنوں نے ہوس مال وزر میں اس میں بھی من مانے تصرفات کر کے کتاب خدا کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ ایسی لایعنی باتیں اس میں داخل کر دیں جن کو کسی طرح کلام الٰہی نہیں کہا جا سکتا۔ آخر خدا نے اسے بھی منسوخ کر دیا۔

چوتھی کتاب قرآن کریم ہے جو مذکورہ بالا کتابوں کا ناسخ ہے اس کے بعد اب کوئی اور کتاب خدا کی طرف سے بندوں کی ہدایت کے لیے نہیں آئے گی اسی کا قانون قیامت تک جاری رہے گا۔

قرآن مجید ایک بار ہی توریت کی طرح کتابی صورت میں نازل نہیں ہوا۔ بلکہ ۲۳ سال کی مدت میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر آیات آیات اور سورہ سورہ ہو کر نازل ہوتا رہا۔ تیرہ سال تک مکہ معظمہ اور دس سال مدینہ منورہ میں چنانچہ اس میں مکی و مدنی دو نو قسم کے سورے پائے جاتے ہیں۔

جس زمانہ میں سرکار دو عالم مبعوث برسالت ہوئے۔ عرب میں شاعری کا بڑا چرچا تھا اور عربوں کو اپنی فصاحت و بلاغت اور قادر الکلامی پر بڑا ناز تھا۔ ان کی قادر الکلامی کے ڈنکے بج رہے تھے۔ اور فوقیت و برتری کے بلند بانگ دعاوی اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ وہ اپنے مقابلے میں دنیا کی تمام اقوام کو عجم یعنی گونگا سمجھتے تھے اس میں کچھ حقیقت بھی تھی۔ بدو عربوں کی زبان ٹکسالی عربی سمجھی جاتی تھی۔ شہروں کے لوگ ان کی زبان حاصل کرنے کے لئے اپنی اولاد کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے۔

شاعری کا مذاق اس قدر عام تھا کہ جوان اور بوڑھوں سے گزر کر عورتوں اور

وں تک پہنچ گیا تھا۔ مضمون آفرینی میں تو ایرانیوں کا کیا مقابلہ کرتے پاسنگ کے برابر بھی نہ تھے۔ ہاں بلحاظ الفاظ بلحاظ فصاحت و بلاغت و اسلوب بیان ان کا کلام ایک ایسا ناقابل تسخیر طلسم تھا جس میں دوسرے کا داخلہ ممکن نہ تھا۔

عکاظ میں جو سالانہ میلہ ہوتا تھا تمام عرب سمٹ کر وہاں آجاتے تھے۔ ہر قبیلہ کے شاعر اپنا کلام پیش کرتے تھے۔ زوردار مقابلے ہوتے تھے۔ بات بگڑ جانے پر تلوار بھی چل جاتی تھی۔ یہ قصیدے ریشمی پارچوں پر لکھے جاتے تھے اور بطور ایک دستاویزی سند کے سینت سینت کر بڑی حفاظت سے رکھے جاتے تھے۔

اگر کسی قبیلہ میں کسی شاعر کو امتیازی شان حاصل ہوتی اور قبائیلوں میں اس کے اشعار کا چرچا ہوتا تو اس شاعر کے پاس تمام قبائل عرب کی طرف سے مبارکبادیں آتیں حسین دوشیزائیں اس سے شادی کی خواستگار ہوتیں۔

نامور شعرا کی سحر نگاری کا یہ عالم تھا کہ قبیلوں کے خیالات کا دھارا بات کہتے مشرق سے مغرب کی طرف پلٹ دیتا۔

ایک عورت کی تین لڑکیاں تھیں۔ ناکتخدا اس کو بر کی تلاش تھی۔ چونکہ صورت کی زیادہ اچھی نہ تھیں۔ کہیں سے پیغام آتے ہی نہ تھے۔ ماں نے ایک شاعر کی توجہ دلائی۔ اس نے عکاظ کے میلہ میں چند اشعار ان لڑکیوں کی تعریف میں پڑھ کر سنائے۔ پھر کیا تھا پیغاموں کا تانتا لگ گیا۔ انتہا یہ ہے کہ وزیر مملکت نے بھی اپنے کو پیش کیا۔ ان کے سات قصیدے جو سبعہ معلقہ کہلاتے ہیں۔ اس دعویٰ کے ساتھ خانہ کعبہ پر لٹکائے گئے تھے کہ دنیا میں ہے کوئی ماں کا لال کہ ان کی مثل لکھ سکے۔ برسوں لٹکے رہے مگر اس طلسم ہوش ربا کا ایک گوشہ بھی کسی سے نہ ٹوٹا۔

مغرور عرب کے اس فرعونی دعوے کی سب سے پہلے جس نے ناک رگڑی وہ

قرآن کریم تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ نے اس کی آیات لوگوں کو پڑھ کر سنائیں تو سننے والوں نے بڑی ناک بھوں چڑھائی کسی نے کہا جادو ہے۔ کسی نے کہا شاعری ہے۔ کسی نے کہا ہے کیا پہلے لوگوں کے قصے ہیں۔ لیکن قرآن نے جب یہ دعویٰ ان کے سامنے پیش کیا کہ تم سب فصحائے عرب مل کر اس کا جواب لکھو بلکہ دس سورے ہی ایسے لکھ لاؤ۔ بلکہ صرف ایک سورہ ہی لے آؤ تو ان کے ہوش اڑ گئے۔ بعض کج فہموں نے مذاق اڑایا کہ یہ کونسی بڑی بات ہے جس میں تحدی کی جا رہی ہے ہم بہت آسانی سے ایسا کلام پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن جب مل جل کر لکھنے بیٹھے تو سورہ کیا ایک آیت کا جواب بھی نہ بن پڑا اور آخر مجبور ہو کر یہ کہنا پڑا کہ یہ کلام بشر نہیں ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کو باطل ثابت کرنے میں مشرکین نے کتنی لڑائیاں لڑیں۔ ہزارہا آدمی اپنا کٹوا دیا۔ اگر قرآن کے ایک سورہ کا جواب لکھ لاتے تو اس کی ضرورت کیوں پیش آتی، دعویٰ نبوت خود بخود باطل قرار پاتا۔

قرآن مجید کا یہ دعویٰ جیسا کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں تھا آج بھی ہے اور قیامت تک رہے گا۔ لیکن آج تک یہ دعویٰ جھٹلایا نہیں جا سکا۔ آخر کچھ تو اس دعویٰ کی رگوں میں یقین کا خون تھا۔

تمام انبیاء کرام کے معجزات وقتی تھے ختم ہو گئے لیکن قرآن مجید حضور سرکار دو عالمؐ کا ایک ایسا دوامی معجزہ ہے جو تا قیام قیامت باقی رہے گا۔ کوئی کتاب معجزانہ شان سے نازل نہیں ہوئی سوائے قرآن کے۔ مشرکین عرب کا یہ کہنا کہ قرآن محمدؐ کی من گھڑت کتاب ہے ایک مجنونانہ بڑ ہی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایسا کلام اگر طاقت بشری کے دائرہ میں داخل ہے تو عرب اس جیسا لکھ کیوں نہیں لاتے۔

یہ خصوصیت بھی قرآن کریم ہی سے مخصوص ہے کہ وہ تمام علوم کا مرکز ہے مگر آ ہے

کسی علم کی کتاب خصوصیت سے نہیں کہا جا سکتا۔

ا:۔ اس میں فقہی مسائل ہیں مگر وہ فقہ کی کتاب نہیں کہی جاتی۔

ب:۔ اس میں اخلاقی مضامین ہیں مگر وہ اخلاق کی کتاب نہیں۔

ج:۔ اس میں طبی نسخے ہیں مگر وہ طب کی کتاب نہیں۔

د:۔ اس میں علم نجوم ہے مگر وہ نجوم کی کتاب نہیں۔

ہ:۔ اس میں علم ہیئت ہے مگر ہیئت کی کتاب نہیں۔

و:۔ اس میں فلسفہ ہے مگر فلسفہ کی کتاب نہیں۔

ز:۔ اس میں تاریخ ہے مگر تاریخ کی کتاب نہیں۔

یہ خصوصیت بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن سے زیادہ تحفظ کسی کتاب کا دنیا میں آج تک نہیں ہوا۔ اس کا ایک ایک حرف اس کا ایک ایک اعراب ایک ایک مد اور تشدید شمار میں آیا ہوا ہے۔ اس کے رکوع، سجود اور منزلیں سب گنی ہوئی ہیں۔ کسی آسمانی کتاب کی اتنی تفسیریں نہیں لکھی گئیں جتنی قرآن کی لکھی گئی ہیں۔

خطاطی کے لحاظ سے کوئی کتاب اتنی خوش خط اور مطلا و تذہب اور قلم کاری کے لحاظ سے اتنی خوش نما اور دیدہ زیب نہیں جتنا قرآن مجید لکھا گیا ہے۔

قرآن کا یہ دعویٰ ہے کہ اس کے اندر ہر شے کا بیان ہے:۔

تبیاناً لکل شیئٍ۔ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ (کتاب مبین کے اندر ہر خشک و تر کا ذکر ہے)، وَمَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ہم نے اس کتاب میں کسی چیز کو بغیر ذکر کئے نہیں چھوڑا۔

اس دعویٰ کے بعد اب کسی دوسری کتاب کے آنے کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے فلاح دنیا اور نجات آخرت کے لئے جتنی باتیں ضروری ہیں وہ سب قرآن مجید کے

کے اندر پائی جاتی ہیں۔

۱- اخلاقی تعلیم اس قدر مکمل ہے کہ اب اس میں ایک نقطہ لگانے کی گنجائش نہیں۔ نفسِ انسانی کے لئے جتنے فضائل و رذائل ہو سکتے ہیں۔ ان سب کا ذکر کہیں مفصلاً اور کہیں مجملاً آیات قرآنی میں موجود ہے۔

۲- بطریق حلال کسبِ معاش کے تمام وسائل کا اس میں احصا ہے۔

۳- تجارت اور خرید و فروخت اور صنعت و حرفت کے فائدے بتا دیئے گئے ہیں

۴- معاملات بین باہمی۔ از قسم صلۂ رحم، حقوق ہمسایہ، حقوق زن و شو، تربیتِ اولاد، اطاعت والدین، اطاعت اولی الامر، آداب معاشرت، مجالست وغیرہ میں سے کونسی چیز ہے جو چھوڑ دی گئی ہے۔

۵- تعزیرات پر پوری روشنی ڈالی گئی ہے۔

۶- میراث کے مسائل مفصل بیان کر دیے گئے ہیں۔

۷- عبادتوں کا ذکر ہے۔

۸- نفوس کو پاکیزہ بنانے کے طریقے موجود ہیں۔

۹- جمع و خرچ کے فائدے بتلائے گئے ہیں۔

۱۰- رہنے سہنے کے طریقے، کھانے پینے کے آداب، رفتار و گفتار کے قاعدے تدبیر منزل اور معاشرتی آداب پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۱- سلطنت کے آئین، رعایا کی حقوق شناسی، ان میں امن قائم رکھنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔

۱۲- سرمایہ داری، تملک، زکوٰۃ، خمس، مناکحت، طلاق سب کا بیان ہے۔

۱۳- تمدنی و معاشرتی معاملات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۱۴- تجارت و سفر کے فوائد بتائے گئے ہیں

۱۵ - ہر قسم کی عبادت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۱۶ - انسانی عادات وخصائل سے آگاہ کیا گیا ہے۔

۱۷ - مضر و نافع چیزوں سے روشناس کیا گیا ہے

۱۸ - قیامت کے عذاب سے ڈرا کر نکوکار بننے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

۱۹ - فساد و خونریزی سے روکا گیا ہے۔

۲۰ - زہد و تقویٰ کی تاکید کی گئی ہے۔

۲۱ - کائنات کی تمام مخلوقات کا اجمالاً یا تفصیلاً ذکر ہے۔

۲۲ - جزا و سزا کا مفصل بیان ہے۔

۲۳ - عبرت حاصل کرنے کے لئے قصص وحکایات کا بیان ہے۔

۲۴ - مرنے کے بعد کیا ہوگا - برزخ کا حال، قیامت کا منظر، عرصۂ محشر کا بیان - بعث ونشر کا تذکرہ وغیرہ وغیرہ۔

غور کیجئے جس کتاب میں انسانیت کو صحیح خطوط پر چلانے کے لئے تمام اسباب فراہم کر دیئے گئے ہوں اس کے بعد کسی اور کتاب کی کیا ضرورت باقی رہتی ہے

نزول قرآن کی تین صورتیں تھیں جن کو وحی کہا جاتا ہے۔

(۱) قلب رسول پر آیات قرآنی کا نزول (۲) فرشتہ کے ذریعہ سے احکام الٰہی پہنچنا (۳) خواب میں یا پس دیوار سے کوئی آواز سننا۔

وحی کا وزن اس قدر ہوتا تھا کہ وقت نزولِ وحی جسم اقدس پسینہ پسینہ ہو جاتا تھا وحی کی آواز نبی کے سوا کوئی دوسرا نہیں سن سکتا اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ ہاں آئمہ علیہ السلام جو معصوم تھے سن لیتے تھے جیسے امام حسن علیہ السلام کے متعلق یہ ثابت ہے۔

قرآن مجید میں مختلف قسم کی آیات ہیں:- محکم، متشابہ، مفصل، مجمل،

عام خاص، ناسخ ۔ منسوخ ، مقید وغیر مقید ان میں سے کچھ سفر میں نازل ہوئیں کچھ حضر میں ۔کچھ واجب سے متعلق ہیں کچھ مندوب ہے ، کچھ حرام سے کچھ حلال سے بعض کسی کی مذمت میں ہیں بعض تعریف میں ۔سب سے زیادہ حضرت علی کی تعریف میں نازل ہوئیں جن کا شمار ہمارے علماء نے تین سو سے زائد بتایا ہے ۔

محکم :- وہ آیات ہیں جن کا مطلب آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے ۔ جیسے اقیموا الصلوٰۃ (نماز پڑھو)

متشابہ :- وہ آیات ہیں جن کے ظاہری معنی کچھ اور ہیں اور باطنی کچھ اور ۔ ظاہری معنی سے بچنے کے لئے کوئی تاویل کی جاتی ہے مثلاً بنیناھا بایدٍ (ہم نے اس کو اپنے ہاتھوں سے بنایا ۔ یہ ظاہری ترجمہ ہے لیکن یہ محتاج تاویل ہے کیونکہ اللہ ہاتھ والا نہیں ۔چونکہ ہاتھ سے وہ سب کام لیے جاتے ہیں جن میں قوت درکار ہوتی ہے لہٰذا تاویل ہوگی قوت یعنی ہم نے اپنی قوت سے اس کو بنایا ۔

تفسیر میں شان نزول کا بیان ہوتا ہے ۔کس کے متعلق ہے کب نازل ہوئی ۔ اس کی توضیح کی جاتی ہے اس کے معانی ومفہوم کو بیان کیا جاتا ہے ۔حقائق ومعارف سے آگاہ کیا جاتا ہے ۔ تاویل یہ ہے کہ ظاہری معنی سے عدول کر کے کوئی دوسرے معنی پیدا کیے جائیں ۔

تاویل کا صحیح علم یا خدا کے پاس ہے یا ان لوگوں کے پاس ہے جن کو راسخون فی العلم کہتے ہیں ۔ وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ (اللہ اور راسخون فی العلم کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں جانتا) کسی آیت کی تاویل وہی کرنی چاہیئے جو اللہ ورسول کی بتائی ہوئی ہو ۔ اپنی طبیعت سے بنا کر گھڑ لینا گمراہی ہے اس بے احتیاطی نے اسلام کو تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم کر دیا ۔

راسخون فی العلم ہمارے آئمہ ہیں ۔

قرآن کریم کا پورا پورا علم یا رسول کو تھا یا حضرت علی کو جن کی شان میں ہے مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَاب (جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے) قرآن جن کے گھر میں اترا تھا وہی اس کی حقیقت کو سب سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔

صرف قرآن ہدایت کے لئے کافی نہیں کیونکہ اس سے علم لیا جا سکتا ہے عمل نہیں کیونکہ وہ نہیں بتاتا کہ فلاں حکم کی عملی صورت کیا ہے۔ نماز کیسے پڑھو۔ زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے۔ حج کے مناسک کیسے بجالاؤ لہٰذا ضرورت تھی کہ اس کے ساتھ کوئی عملی صورت بتانے والا بھی ہو۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے حدیث ثقلین میں بتا دیا کہ قرآن کے ساتھ میں اپنے اہل بیت کو کرتا ہوں ان دونو سے تمسک رکھو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔

سوائے قرآن کریم کسی کتاب کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا کہ بغیر طہارت کے اس کی عبارت کو مس نہ کیا جائے۔ بحالتِ جنابت و حیض اس کا پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا ہو سات آیتوں سے زیادہ پڑھنے کی اجازت نہ دی گئی ہو۔

قرآن موافق تنزیل جمع نہیں ہوا ورنہ پہلے مکی سورے ہوتے پھر مدنی۔ موجودہ قرآن میں ایسا نہیں۔ کہیں مکی ہیں کہیں مدنی۔ اس طرح آیات بھی بکھری ہوئی ہیں مطابق تنزیل سب سے پہلے حضرت علی علیہ السلام نے جمع کیا تھا مگر سیاسی مصالح کی بنا پر حکومت نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ موجودہ قرآن حضرت عثمان کے زمانہ میں جمع کیا گیا تھا۔

قرآن جب نازل ہوتا تھا تو اس کو کچھ لوگ یاد کر لیتے تھے۔ صحابہ میں کثیر تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو حافظین قرآن تھے۔ لیکن جنگ یمامہ میں جب تقریباً چار سو حافظین قرآن شہید کر دیئے گئے۔ تب یہ اندیشہ ہوا کہ اگر یہ گروہ ختم ہو جائے گا تو پھر قرآن

کس سے لیا جائے گا اس خیال کے تحت حضرت عثمان نے قرآن کو جمع کرنے کا حکم دیا۔

پہلے قرآن خط کوفی میں لکھا جاتا تھا۔ جس کے حروف پر نہ نقطے ہوتے تھے نہ زیر زبر۔ اس کے بعد خط نسخ میں لکھا گیا اور عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں حاکم کوفہ حجاج بن یوسف کے زیر اہتمام اعراب لگائے گئے تاکہ لوگ غلط پڑھنے سے محفوظ رہیں۔ منزلوں اور رکوع و سجود کا تعین بھی اسی وقت کیا گیا۔

قرآن کریم میں بعض سوروں سے اوّل حروف مقطعات ہیں جیسے الم۔ الر۔ حمٓعسق وغیرہ۔ ان کو حروفِ مقطعات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ ان کو الگ الگ پڑھا جاتا ہے یعنی الف۔ لام۔ میم۔ الف لام را۔ یہ حروف خدا اور رسول ؐ کے درمیان راز کی باتیں ہیں۔ جن کو دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ یہ کل ۷۸ حروف ہیں اگر ان میں سے مکرر حروف نکال دیئے جائیں تو چودہ حرف باقی رہتے ہیں۔

ص ر ا ط ع ل ی ح ق ن م س ک ہ

اگرچہ ان سے بہت سی عبارتیں بن سکتی ہیں لیکن وہ سب بے معنی بنتی ہیں۔ بامعنی عبارت صرف ایک بنتی ہے۔ صراط علی حق نمسکہ (علی کا راستہ حق ہے ہم اس سے تمسک کرتے ہیں)

قرآن کے تمام سورتوں سے پہلے بسم اللہ پڑھنی چاہیئے کیونکہ یہ جزو سورہ ہے سوائے سورۃ برائت کے کہ اس پر بسم اللہ نہیں ہے۔

قرآن میں سب سے زیادہ مذمت منافقوں کی گئی ہے یہاں تک کہ ایک پورا سورہ ہی ان کے متعلق ہے۔

قرآن پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے مگر ان پر عمل کا حکم نہیں دیتا ۔ کیونکہ یہ کتابیں منسوخ ہو چکی ہیں اور ان کے شرعی احکام بھی اب واجب العمل نہیں ۔ کیونکہ اب شریعت محمدی پر عمل قیامت تک کیا جائے گا ۔

عہد رسالت میں کاغذ کا فقدان تھا ۔ روم سے بنا ہوا کاغذ تھوڑا تھوڑا آتا تھا چونکہ وہ کفار و مشرکین کا بنایا ہوا ہوتا تھا ۔ اس لئے کچھ تو اس خیال سے کہ کفار کی تجارت کو فروغ نہ ہو اور کچھ اس خیال سے کہ نجاست کا احتمال تھا ۔ کچھ اس بنا پر کہ مہنگا تھا ۔ قرآن کریم کاغذ پر نہیں لکھا جاتا تھا ۔ بلکہ لکڑی کے تختوں پر ، درختوں کی چھال پر ، پتوں پر ، اونٹ کی ہڈیوں پر لکھ لیتے تھے اور بے ترتیبی کی صورت میں رہتا تھا ۔

قرآن مجید لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے اعجازی شان رکھتا ہے ۔ یعنی الفاظ میں انتہا درجہ کی فصاحت و بلاغت ہے اور معنوی اعتبار سے تمام مضامین کو اس خوبی سے بیان کیا گیا ہے کہ اس سے بہتر یا اس کے برابر کوئی صورت ذہن میں نہیں آتی ۔ الفاظ میں تحدی اگر عرب کے مقابل تھی تو معنوی اعتبار سے تمام دنیا والوں سے تحدی ہے ۔ اتنی بڑی کتاب میں کہیں تضاد نہیں ۔ کہیں کذب بیانی نہیں ۔ کہیں مبالغہ آرائی نہیں ۔ کہیں فطرت انسانی کے خلاف کوئی چیز نہیں ۔ انسانی تصانیف میں یہ ہمواری اور یہ خوبی کہیں نہیں پائی جاتی

maablib.org

حدیث قُدسی اور قرآن میں یہ فرق ہے کہ قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں خدا کی طرف ہیں ۔ حدیث قدسی میں مفہوم خدا کی طرف سے ہوتا ہے اور الفاظ فرشتہ کی طرف سے حدیث غیر قدسی میں مفہوم کا القا قلب رسول ؐ پر ہوتا ہے اور اس کو آنحضرت ؐ ادا اپنے الفاظ میں کرتے ہیں

قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس میں کوئی ایک جملہ یا ایک لفظ اپنی طرف سے نہیں بڑھا

سکتا۔ اگر کوئی بے دین ایسا کرے تو صاف پتہ چل جاتا ہے کہ مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگا ہوا ہے۔ قرآن کی ہر آیت عام تحریروں سے بالکل جداگانہ نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت رسول خدا اور حضرت علیؑ کا کلام بھی اس سے میل نہیں کھاتا لہٰذا زیادتی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں کمی وبیشی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ اس کا کوئی حکم کسی زمانہ میں قابل ترمیم و تنسیخ نہیں ہو سکتا ایسا کرنے والا دین اسلام سے خارج سمجھا جائے گا۔

قرآن میں جہاں آیت کی گول نشانی ہے ۵ وہاں بات پوری ختم ہو جاتی ہے جہاں لا ہے اس کے معنی ہیں کہ ابھی کلام ختم نہیں ہوا۔ آگے چل رہا ہے جہاں وقف ہے وہاں ذرا ٹھہرنا چاہیئے اس طرح اور بھی کچھ نشانات ہیں ان کو رموز القرآن کہتے ہیں

قرآن کریم شب قدر میں لوح محفوظ پر قلم قدرت سے لکھا گیا تھا جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ۔ اس کے بعد وہاں سے تھوڑا تھوڑا رسول خدا پر نازل ہوتا رہا۔

قرآن میں جو پیشگوئیاں ہیں ان میں سے بعض پوری ہو چکی ہیں اور بعض پوری ہونے کے لئے باقی ہیں۔ قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی یہ بھی ایک دلیل ہے۔

قرآن کریم میں سب سے زیادہ آیات محمدؐ و آل محمد کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ یہاں تک کہ اہل بیت علیہم السلام کی تعریف میں علمائے اسلام نے تین سو آیات بیان کی ہیں۔ ہم نے ان میں سے صرف ۱۰۳ آیات کا ذکر اس کتاب میں کیا ہے یہ وہ ہیں

جن سے استدلال میں زیادہ کام لیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تفسیر القرآن

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن ۵ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن

وَاٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ مِنْ یَوْمِنَا ھٰذَا اِلٰی یَوْمِ الدِّیْن

(۱) صراطِ مستقیم سے کیا مراد ہے

سورہ فاتحہ: اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْن ۵

(یا اللہ) ہم کو سیدھے راستے پر ثابت قدم رکھ۔ ان لوگوں کے راستہ پر جن پر تو نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں ان لوگوں کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب نازل ہوا ہے اور نہ ان لوگوں کا جو گمراہ ہو چکے ہیں۔

اِھْدِنَا کا ترجمہ جن لوگوں نے یہ کیا ہے "ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے"، انہوں نے غلطی کی ہے اگر ہم سیدھے راستہ پر نہیں تو ہماری نماز قبول کیسے ہوگی۔ جب تک عابد کا قدم صحیح راستہ پر نہ ہو اس کی کوئی عبادت قبول نہیں ہو سکتی۔ ہر نمازی کو پہلے یہ معلوم کرنا چاہیئے کہ صراط مستقیم کیا ہے؟

یہ تو ظاہر ہے کہ صراط مستقیم وہی ہے جس پر رسول قائم تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :- یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اے سید و سردار قسم ہے قرآن حکیم کی بیشک تم مرسلین میں سے ہو اور صراط مستقیم پر ہو۔ لہٰذا معلوم کرنا چاہیئے کہ رسول کے بعد اس صراط پر چلنے والے کون تھے تاکہ ہم انہی کی پیروی کریں یہ آیت بتاتی ہے کہ اس راستہ پر چلنے والے وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے اپنی نعمت نازل کی ہے اس سے مراد دنیاوی نعمت نہیں ہے۔ کیونکہ دنیوی نعمتوں والے تو اکثر صراط مستقیم سے ہٹے ہوتے ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جن کو روحانی فضائل و کمالات حاصل ہیں جو خدا کے مقرب بندے ہیں۔ قرآن ان کا تعارف یوں کراتا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ اُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ
مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۝

(جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے نعمتیں نازل کی ہیں یعنی انبیاء، صدیق، شہداء اور صالحین)

لہٰذا ان میں سے کسی ایک کا راستہ معلوم کر کے اس پر چلنا چاہیئے۔ صفوف انبیاء میں کسی ایک کا بھی ایسا گھر نظر نہیں آتا جس میں یہ چاروں صنفیں موجود ہوں اور ایک ساتھ موجود ہوں۔ سوائے بیت رسالت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ کے اس گھر میں صرف نبی ہی نہیں بلکہ سید الانبیاء ہیں۔ صدیق نہیں افضل الصدیقین حضرت علی ہیں اور سید الشہداء حضرت حمزہ اور امام حسین علیہ السلام ہیں اور صالحین میں صالح المومنین حضرت علی اور امام حسن و امام حسین اور دیگر آئمہ ہیں۔ پس جب منعم علیہم کی تمام قسمیں موجود ہیں تو اس گھر سے بہتر ہدایت کرنے والے اور کہاں ملیں گے۔ اسی لئے حضورؐ نے قرآن کے ساتھ اپنے اہل بیت کو کیا تاکہ احکام قرآنی پر صحیح طریقہ سے عمل کر کے دکھاتے رہیں اور صراط مستقیم سے لوگوں کے قدم نہ ہٹنے دیں۔ چونکہ ہم بحمد اللہ اہلبیت کے

راستہ پر ہیں۔ لہٰذا ہماری دعا نماز میں یہ ہوتی ہے کہ ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھ یہ نہیں کہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔

۲۔ ذٰلِکَ الْکِتَاب سے کیا مراد ہے

پ ا الم:- ذَالِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ
ع ا :- (یہ وہ کتاب ہے جس میں شک نہیں) عرفاً زبان میں قریب کی چیز کو اشارہ کرنے کے لئے ھٰذَا آتا ہے اور اگر دور ہو تو ذٰلِكَ آتا ہے۔ ذٰلک کے اشارہ سے معلوم ہوا کہ مشارٌ الیہ دور ہے اور کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جو لوحِ محفوظ پر مرقوم ہے یا وہ کتاب مراد ہے جو قلم قدرت سے سینۂ رسول پر لکھی گئی ہے۔ قرآن کے متعلق ھٰذَا کا لفظ آیا ہے۔

مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ

(یہ قرآن اللہ کے سوا کسی کی طرف سے افترا نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق ہے جو پیش نظر ہیں اور تفصیل ہیں اس کتاب کی جس میں شک نہیں لہٰذا معلوم ہوا قرآن اور کتاب کے مفہوم جدا جدا ہیں)

۳۔ قرآن کن کے لئے سرتاپا ہدایت ہے

پ ا الم ع ا:- هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (قرآن سرتاپا ہدایت ہے ان متقیوں کے لئے جو غیب پر ایمان لائے ہوئے ہیں)

یوں تو قرآن ہر صاحب فہم انسان کے لئے باعث ہدایت ہے لیکن پوری پوری ہدایت ہے ان متقی لوگوں کے لئے جن کی سب سے پہلی صفت یہ ہے کہ وہ غیب پر ایمان لانے والے ہوں۔

غیب پر ایمان لانا ایمان کی پختگی کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ جو چیز سامنے نہ ہو اس پر یقین کم آتا ہے اور جب ایمان لانے والا ایمان لاتا ہے تو پوری تحقیق کے بعد ایمان لاتا ہے اور دلائل و براہین سے اس کے وجود کو تسلیم کرتا ہے۔ پس قرآن کریم پوری ہدایت اس کے لئے ہوگا جو غائب چیزوں پر ایمان لائے۔ سب سے پہلے غائب ذات خدا ہے اس کے بعد فرشتے۔ جنت دوزخ قیامت۔ حشر و نشر برزخ ہیں جو سب غائب ہیں اور ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ انہی غائبین میں قائم آل محمد کی ذات بھی ہے جو بمصلحت ایزدی ہماری نظروں سے غائب ہیں اور اہل بیت رسالت میں سے ہیں اور اس گروہ میں سے ہیں جن کو رسول نے قرآن کے ساتھ کہا ہے جس پر حدیث ثقلین گواہ ہے پس جو ان پر ایمان نہ لائے گا وہ قرآن سے کیسے ہدایت پا سکتا ہے کیونکہ قرآن میں عملی صورت نہیں، اور جب عمل ہی صحیح نہ ہوگا تو پوری ہدایت کیسے ہوگی۔

رسولؐ نے ایک حدیث میں اس مطلب کو یوں واضح کیا ہے۔

مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ مَاتَ مِیْتَۃً جَاہِلِیَّۃً

(جو اس حالت میں مر گیا کہ اس نے اپنے امام زمانہ کو نہ پہچانا تو وہ کفر کی موت مرا)

چونکہ حسب فرمودہ رسول بارھویں امام علیہ السلام غائب ہیں للہٰذا ان پر ایمان لانا ضروری ہے ورنہ ان تمام احادیث سے انکار کرنا پڑے گا جن سے وجود امام غائب ثابت ہے۔ قرآن کو امام زمانہ مراد لینا کوتاہ اندیشی ہے کیونکہ قرآن تو ہر زمانہ والوں کیلئے ہادی ہے اور حدیث میں ہے امام زمانہ (اپنے زمانہ کا امام) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کا علیحدہ ایک امام ہوگا۔ اس حدیث شریف کی موید قرآن کی یہ آیت ہے :-

اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (اے رسول تم تو لوگوں کو عذاب خدا سے ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہوتا ہے) یہ ہادی اس زمانہ والوں کے لئے امام غائب ہے اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے ورنہ ایک غائب پر ایمان نہ لانے پر قرآن سے پوری ہدایت حاصل نہ ہوگی۔

جو لوگ امام غائب کو نہیں مانتے اور ان پر ایمان لانا ضروری نہیں جانتے وہ ذرا بتائیں حسب فرمودہ باری ہر شب قدر میں فرشتے اور روح فرشتہ باذن الٰہی ہر امر کو لے کر رات سے صبح تک زمین پر آتے رہتے ہیں تو یہ کس کے پاس آتے ہیں اور وہ کیا باتیں ہیں جو اس کے پاس پہنچاتے ہیں۔ ضرور کوئی صاحب امر اس دنیا میں موجود ہے جس کے پاس وہ آتے ہیں۔ غیر معصوم کے قریب تو فرشتہ پھٹکے گا بھی نہیں۔

۴۔ آدم اور خلافت الٰہیہ

پ ۱۔ البقرہ ع ۴ (اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً) آیت ۲۹ ۔ (جب خدا نے ملائکہ سے کہا میں روئے زمین پر خلیفہ بنانے والا ہوں)

یہ بات ملائکہ سے مشورہ طلب نہ تھی کیونکہ اس بے نیاز ذات کو نہ کسی مشیر کی ضرورت ہے نہ کسی وزیر کی بلکہ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ان کے دل میں اس خلافت کے متعلق جو خواہش ہے وہ ظاہر ہوجائے اور میں ان کو یہ بتادوں کہ تم میں اس کی اہلیت نہیں اس آیت میں بہت سی باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً : جملہ اسمیہ ہے جو دوام اثبات پر دلالت کرتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خلیفہ سازی ہمیشہ مجھ ہی سے متعلق ہوگی۔ میرے سوا کسی کو خلیفہ بنانے کا حق نہ ہوگا۔

۲۔ ملائکہ کا اس پر اجماع تھا کہ وہ خلافت ارضی کے آدم سے زیادہ مستحق ہیں۔

اس لئے کہ وہ ازروئے تسبیح و تقدیس آدم سے بہتر ہیں لیکن باوجودیکہ وہ سب معصوم تھے ان کا اجماع بارگاہ باری میں قابل قبول نہ ہوا۔ غیر معصوم لوگوں کے اجماع کا کیا ذکر

۳۔ ملائکہ نے اپنے دعویٰ کے ساتھ یہ دلیل پیش کی تھی۔

نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ

یعنی ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں اور آدم تو ابھی ہی گئے دن کے وہ کیا اور ان کی ہستی کیا۔ ہمارے سامنے پیدا ہوئے ہیں ان کی کوئی فضیلت ایسی نہیں کہ استحقاق خلافت پیدا کرے لیکن ان کی یہ منطق کمزور تھی وہ سمجھے ہی نہیں کہ خلیفہ خدا میں کن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ انہیں اس کے متعلق کوئی تجربہ ہی نہ تھا۔ اس عہدہ کی آواز سب سے پہلے ان کے کان میں پڑی تھی وہ خلافت کو غالباً سلطنت ارضی سمجھ کر للچا گئے تھے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو سمجھانے کے لئے اور ان کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ آدم کو تمام اسما تعلیم کر دیئے اور ان اسما کے مسمیات کو سامنے لا کر ملائکہ سے کہا اچھا ذرا یہ بتاؤ یہ جو مسمیات تمہارے سامنے ہیں ان میں سے کون نام کس کا ہے اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں اول یہ کہ خلیفہ خدا کو خدا کا دیا ہوا علم ہوتا ہے یعنی وہبی خدا کے سوا وہ کسی دوسرے سے تعلیم نہیں پاتا۔ دوسرے کچھ پیکر ملائکہ کے علاوہ عالم قدس میں ایسے موجود تھے جن کے نام ملائکہ سے پوچھے جا رہے تھے۔ ھُم کی ضمیر بتاتی ہے وہ ذوی العقول میں سے تھے۔

اگرچہ ملائکہ کا علم بھی وہبی تھا مگر تھا محدود صورت میں بس جتنا سکھا دیا تھا اتنا ہی جانتے تھے:۔ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا (ہمارے پاس تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے سکھا دیا ہے)

آدم نے مسمیات کے نام بتا کر میدان مار لیا۔ اس تہ میں جو راز تھا وہ یہ کہ ملائکہ میں علم تو تھا مگر قوت استنباط نہ تھی۔ یعنی وہ مقدمات کو ترتیب دے کر نتیجہ نہیں نکال

سکتے تھے اور آدم اور ان کی اولاد میں یہ جوہر خدا نے ودیعت فرما دیا تھا۔ لہٰذا فوراً آدم نے بتا دیا اس مسمی کا نام محمد ہے اس کا علی، اس کا فاطمہ، اس کا حسن، اس کا حسین ورنہ دوسرے کسی کا وجود وہاں پایا ہی نہ جاتا تھا۔ یعنی نور اولین تھے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے میں اور علی ایک نور سے پیدا ہوئے خلقت آدم سے نو ہزار برس پہلے۔

اتنی بات مان لیجیے کہ جو کوئی خدا کے سوا کسی اور سے تعلیم حاصل کرنے والا ہو وہ خلیفہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا علم ناقص ہو گا۔

آدم کے مقابلہ میں ملائکہ نے جو شکست کھائی وہ صرف علم کی کمی کی وجہ سے کھائی لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ خلیفہ خدا میں اپنے وقت کے تمام لوگوں سے زیادہ علم ہونا چاہئیے

۵۔ اس واقعہ سے یہ بھی پتہ چلا کہ جن لوگوں میں قوت استنباط کمزور ہو وہ خلافت الٰہیہ کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی مقدمات کا فیصلہ استنباط کی کمزوری کی وجہ سے نہیں کر سکتا اور بار بار اس کا فیصلہ دوسرے سے معلوم کرتا ہے تو وہ خلافت الٰہیہ کا اہل نہیں ہو سکتا۔

ملائکہ کو حکم دیا گیا کہ آدم کو سجدۂ تعظیمی کریں۔ کیوں؟ بلحاظ مادی وجسمانی تو کوئی فضیلت نظر نہیں آتی۔ آدم مٹی کے پیکر تھے اور ملائکہ مخلوق نورانی۔ آدم نے ابھی تسبیح الٰہی شروع بھی نہ کی تھی اور ملائکہ ہزار ہا سال سے تسبیح الٰہی کر رہے تھے۔ بظاہر تو آدم کو یہ حکم دیا جاتا کہ ملائکہ کو سجدہ کرو لیکن ہوا اس کے برعکس۔ آخر اس میں راز کیا ہے؟

بات یہ ہے کہ مقابلہ بشریت و ملکوتیت میں نہیں تھا بلکہ روح نبوتی اور روح ملکوتی میں تھا۔ چنانچہ جب تک آدم ہیکل بشری میں رہے سجدہ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ جب ان کے اندر ایک روح خاص داخل کی گئی۔ تب سجدہ کا حکم ہوا۔

فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ ٥

(جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کر لوں اور اس کے اندر روح خاص کو داخل کر دوں تو تم سب

اس کے سامنے سجدہ میں گر پڑنا) معلوم ہوا اس روح کے اندر کچھ ایسے کمالات تھے جو ملائکہ میں نہیں پائے جاتے تھے۔

ملائکہ اگرچہ تسبیح و تقدیس میں زیادہ تھے لیکن اگر وہ ایسا نہ کرتے تو کیا کرتے کیونکہ تسبیح و تقدیس سے روکنے والی ان کے اندر کوئی چیز تھی ہی نہیں نہ تو قوت شہوانی تھی کہ دل میں ایک دو نہیں ہزار دل خواہشیں ڈنک ماریں اور اپنے کو پورا کرانے کے لئے ہٹ مارتی رہتیں اور ان سے مغلوب ہو کر تسبیح کو چھوڑ کر ہزار دھندوں میں پھنس جاتے نہ تو قوت غضبی تھی کہ جب اس کے شعلے بھڑکتے تو لڑتے مرتے اور فتنہ و فساد کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے۔ یہاں تو وہ عصمت بی بی از بے چادری،، والا مضمون تھا۔

اب رہے آدم تو ان کا تو دل ہی کچھ اور قسم کا بنایا گیا تھا اس میں خواہشات کے نشتر بھی چبھے ہوئے تھے اور غیض و غضب کے شعلے بھی بھڑک رہے تھے جب ان کے سیلاب اٹھتے تو سب تسبیح و تقدیس بالائے طاق ہو جاتی۔ مگر اس روح ہوئی کو داخل کر کے قدرت نے ایسا کنٹرول ان پر کرایا کہ دونوں قوتیں نفس آدم کے ڈنڈے تلے آگئیں اور ان میں سے کوئی شتر بے لگام بن کر نہ رہی اب کیا طاقت تھی کہ نفس امارہ احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا۔ نہ تو قوت شہوی کو جو خدا کی پیدا کردہ چیز تھی معطل محض بنانے کی اجازت تھی نہ قوت غضبی کو جو عطیہ الٰہی تھی۔ پھانسی پر چڑھانے کا حکم تھا بلکہ دونوں نقطۂ اعتدال پر رکھ کر زندگی کی دشوار گزار منزلیں مرضی الٰہی کے تحت طے کرنا تھیں یہ تھے آدم اور وہ تھے ملائکہ۔ اب بتائیے فاضل کون تھا مفضول کون۔

اب تو یہ بات سامنے آگئی کہ خلیفۃ الارض کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ وہ صراط مستقیم سے کسی وقت بال برابر نہیں ہٹ سکتا اور ہر حالت میں وہی کرتا ہے جو مرضی الٰہی ہوتی ہے۔ وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ (تم وہی

چاہتے ہو جو اللہ چاہتا ہے) اور یہ سب اس لئے ہوتا ہے کہ وہ مکتب مِن لدُن کا پڑھا ہوا ہوتا ہے۔ یعنی اس کو تعلیم دینے والا براہ راست اللہ ہوتا ہے یہ اہتمام اس لئے مدِ نظر رکھا گیا کہ کسی عمل میں غلطی واقع نہ ہو۔

خلیفہ خدا کی پہچان یہ ہے کہ اس کی عقل نہ جذبات لایعنی سے مغلوب ہوتی ہے اور نہ ماحول کے گندے اثرات سے۔ اس خصوصیت کی بنا پر وہ آن واحد کے لئے شرک باللہ کی نجاست میں ملوث نہیں ہوتا۔ جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے مَا اَشرکتُ باللہِ طرفۃَ عینٍ اَبداً (میں نے آن واحد کے لئے بھی شرک نہیں کیا) شرک باللہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ مشرک سایہ لطف ربانی سے ہٹ کر آغوش اغوائے شیطانی میں چلا گیا ہے۔

یہ بات بھی صاف ہو جانی چاہیئے کہ جن اسما کی تعلیم آدم کو دی گئی تھی وہ کیا تھے لوگ کہتے ہیں روئے زمین پر جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں ان سب کے نام بتائے گئے تھے تاکہ آدم زمین پر جا کر کسی کے نام سے بے خبر نہ رہیں۔ دوستو! یہ بات تو ہمارے کانوں کو لگتی نہیں غالباً آپ بھی اس کو پسند نہ کریں گے۔

قبل از وقت سب کے نام بتانے سے فائدہ؟ کیا روئے زمین کی جتنی چیزوں کے نام مختلف لغات کے تحت ہماری زبانوں پر ہیں کیا یہ سب خدا کے تجویز کردہ ہیں؟ یہ تو بندوں کے رکھے ہوئے ہیں جو ہر زبان میں مختلف ہیں۔

اچھا ذرا دیر کو مان لیجئے کہ یہ سب اللہ ہی کے بتائے ہوئے ہیں تو جو مسمیات پیش کئے گئے تھے وہ دنیا کی تمام مخلوقات کے ہوں گے اور خدا نے بتایا ہو گا اے آدم یہ سب سے اونچا موٹا بھاری بھرکم جانور ہاتھی کہلاتا ہے اس کے نام کو یاد رکھنا — "داشتہ آید بکار" یہ نوٹ المباطاقت ور جانور خوف ناک صورت جانور جس کی گردن پر لمبے لمبے بال ہیں اور مونچھوں کے بال سوئے کی طرح سخت ہیں۔ شیر کہلاتا ہے۔ یہ جنگل کا

بادشاہ ہے یاد رکھنا بھول نہ جانا ورنہ وہاں اس کا نام اولاد کو بتانے میں بڑی دقت ہوگی۔ یہ ننھا منا جانور چیونٹی کہلاتا ہے۔ یہ گبر ملا ہے اس پرندہ کا نام اُلّو ہے۔ اس کا نام کبوتر۔ آدم کا حافظہ ضرور گھبرایا ہوگا کہ میری تھیلی میں اتنی گنجائش کہاں۔ ان باتوں پر ہنسی کیوں نہ آئے جب تمام مخلوق جمادات، نباتات، حیوانات جمع ہوئے ہوں گے تو مزہ آگیا ہوگا۔ قیامت کا منظر سامنے ہوگا۔

ہم مان تو لیتے کیونکہ بڑے بڑے آدمیوں کی کہی بات ہے لیکن کیا کریں اپنے معبود کا یہ قول کسی طرح تسلیم نہیں کرنے دیتا۔ ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ پھر ان ناموں کے مسمیات یعنی نام والوں کو ملائکہ پر پیش کیا) عرضھم میں ھُمْ ضمیر عربی زبان میں ذوی العقول کے لئے آتی ہے اور غیر ذوی العقول کے لئے ھَا کی ضمیر استعمال ہوتی ہے۔ پس اس ضمیر کے لانے پر یہ معلوم ہوا کہ جن پیکروں کو پیش کیا گیا وہ ذوی العقول تھے یعنی از قسم انسان تھے۔

لیکن یہ تھے کون؟ آدم بیچارے تو لاولد ہی تھے پھر یہ مخلوق کہاں سے آگئی؟ اس وقت لے دے کے تین ہی قسم کی مخلوق تھی۔ ملائکہ، شیطان اور آدم تو جن کو پیش کیا گیا ان میں سے تو وہ تھے نہیں وہ تو کوئی چوتھی مخلوق تھی۔ اسے تلاش کرو ہمارے رسول نے یہ کہہ کر اول ما خلق اللّٰہ نوری اس گتھی کو سلجھا دیا۔ جس سے معلوم ہوا اس وقت کوئی نورانی مخلوق کسی پیکر خاص میں موجود تھی اور وہ کوئی بڑی ممتاز حیثیت رکھتی تھی جس کا تعارف کرانا ملائکہ اور آدم دونوں کو ضروری تھا۔ یہی تھے وہ جن کو محمد و آل محمد کہا جاتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے:۔ خلقت انا و علیٌّ من نورٍ واحدٍ قبل ان یخلق آدم بتسعۃ آلاف عامٍ (یعنی میں اور علی ایک نور سے پیدا کئے گئے ہیں خلقت آدم سے نو ہزار برس پہلے)

اب سمجھ لیجئے کہ ان حضرات کا پیش خدا کیا مرتبہ تھا۔ ان کا تعارف اس لئے بھی

ضروری تھا کہ جس خلافت کا آج آغاز ہو رہا ہے اس کا اختتام ان ذوات قدسیہ پر ہو گا
اور ان میں قیامت تک اس کا سلسلہ رہے گا۔

۵۔ شیطان کا سجدہ سے انکار

پ البقرہ رکوع ۴ :- وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی
آیت ۳۴ وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ۝

"(وہ وقت یاد کرو جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو پس
انہوں نے سجدہ کر لیا مگر شیطان نے انکار کیا اور اکڑ گیا اور کافروں
میں سے ہو گیا)

ملائکہ چونکہ نورانی مخلوق تھی اور شر و فساد سے بری۔ پھر نافرمانی سے کوسوں دور
لہٰذا ارشاد باری تعالیٰ سنتے ہی سجدہ میں گر پڑے اور فضیلت آدم کو تسلیم کر لیا لیکن
شیطان پکا جن آتشیں مخلوق کم بخت اکڑ گیا۔ تیوری پر بل پڑ گئے اور صاف انکار کر بیٹھا
یہ انکار اس قیاس پر تھا وہ آدم مٹی سے بنے ہیں اور میں آگ کی مخلوق ہوں اور آگ چونکہ
مٹی سے افضل ہے لہٰذا میں آدم سے افضل ہوں۔ پھر فاضل مفضول کو کیوں سجدہ کرے
بھلا خالق کائنات کی بارگاہ قدس و جلال میں اس کی سرکشی کیا چلتی۔ اول تو کھلی بغاوت
پھر بے ڈھنگی بات نتیجہ میں ڈانٹ گیا اور ساحت قدس سے نکال دیا گیا۔ معلوم ہوا۔
احکام الٰہیہ میں قیاس کو کوئی دخل نہیں۔ خلافت الٰہیہ پر سب سے پہلے حسد کرنے
والا شیطان تھا۔

شیطان خاصہ موحد تھا۔ توحید کو مانتا تھا۔ قیامت کو بھی مانتا تھا۔ ہاں دو
باتوں کو نہ مانتا تھا۔ ایک یہ کہ عدل الٰہی کا قائل نہ تھا کیونکہ اس کے نزدیک مٹی کو آگ پر
ترجیح دینا سرتاسر عدل الٰہی کے خلاف تھا۔ دوسرے خلافت کو نہیں مانتا تھا اس بنا پر

کافروں کے زمرہ میں داخل بھی ہوا اور دھتکارا بھی گیا۔

خدا نے فرمایا تھا۔ اَستَکبَرتَ اَم کُنتَ مِنَ العَالِین تونے تکبر کیا ہے یا تو عالی مرتبہ والوں میں سے ہوگیا ہے) معلوم ہوا ملائکہ اور شیطان کے سوا اس وقت ایک گروہ اور بھی تھا۔ جس کو خدا نے عالین فرمایا ہے اگر کوئی تیسرا گروہ نہ ہوتا تو یہ سوال بے معنی ہو جاتا۔ انہی کو پیش نظر رکھ کر اس نے کہا تھا۔ "میں سب کو بہکاؤں گا سوائے تیرے مخلص بندوں کے یقیناً وہ جانتا تھا کہ خدا کے مخلص بندے میرے بہکانے میں نہ آئیں گے ورنہ ان کا استثناء نہ کرتا۔

خدا کے وہ مخلص بندے جن پر اغوائے شیطانی کا اثر نہیں ہوتا معصوم بندے کہلاتے ہیں۔ شیطان کے واقعہ میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس نے جب روز قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت مانگی تو قدرت نے اس کی یہ درخواست نامنظور کی اور ایک مخصوص دن تک مہلت دی یعنی اِلیٰ یَومِ الوَقتِ المَعلُوم

ایسا کیوں ہوا؟ یہ وقت معلوم کونسا وقت ہے؟

یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب شیطان کا وجود دنیا میں نہ رہے اور ضلالت و گمراہی کے دروازے خلق خدا پر بند ہو جائیں۔ جب تک یہ نہ مارا جائے گا شرق سے غرب اور شمال سے جنوب تک دین اسلام کا پرچم نہیں لہرا سکتا کیونکہ سارے گناہوں کی جڑ تو یہی ہے۔

اگر اس کو روز قیامت تک مہلت دیدی جاتی تو پھر آخر دن تک دین خدا کو یہ غلبہ کیسے حاصل ہوتا۔ وقت معلوم وہ وقت ہے جب قائم آل محمد ولی عصر حضرت امام مہدی علیہ السلام ظہور فرمائیں گے اور شیطان ملعون کو قتل کریں گے ورنہ اس کے سوا اور کوئی وجہ شیطان کو قیامت تک مہلت نہ دینے کی نہیں ہو سکتی۔

ذرا اس پر بھی غور کر لیجئے۔ شیطان اولادِ آدم کو غائب رہ کر بہکاتا ہے یعنی ہمارے دلوں میں وسوسے پیدا کرتا ہے پس کیا یہ عدلِ الٰہی کے خلاف نہ ہوگا کہ ایک مُضل یعنی گمراہ کرنے والا تو غائب رہ کر ہمارے ساتھ رہے اور ہادی غائب رہ کر ہمیں ہدایت نہ کرے۔

یہ بھی سمجھ لیجئے کہ امام غائب کی ہدایت ہم کو کس طرح حاصل ہوتی ہے اگر ہمارے اور امام کے درمیان ایمانی تعلق برقرار ہے۔ اگر ہم صدقِ دل سے ان کو امام برحق سمجھتے ہیں تو ضرور ان کی ہدایت کی شعاعیں ہمارے قلوب پر پڑتی رہیں گی جیسے شیطانی وسوسے لاشعوری طور پر ہمارے دل میں آ جاتے ہیں۔ اس طرح مخفی طور پر امام کی طرف سے ہم کو ہدایت ہوتی رہتی ہے کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ہم ایک مُضل کے بہکانے کو تو قائل ہوں لیکن ایک ہادی کی ہدایت کے قائل نہ ہوں۔

۶۔ عہدہ امامت

پ۱ البقرہ ع ۱۵۔ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِن
آیت ۱۲۴:۔ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝

(خدا نے ابراہیم سے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں انہوں نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی بنائے گا فرمایا میرے عہد کو ظالم نہیں پائیں گے)

چند باتوں پر غور کیجئے۔

۱۔ خلافت آدم کی طرح یہاں بھی جملہ اسمیہ استعمال ہوا ہے وہاں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَة تھا یعنی اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خلیفہ میں خود ہمیشہ ہمیشہ بناؤں گا۔ اسی طرح امام بھی بنا دیگا۔ بندوں کا اس میں کوئی اختیار

نہ ہوگا۔ دونوں جگہ لفظ اِنَّ سے شک وشبہہ کو دور کر کے یقین کا فائدہ بھی حاصل ہے

۲۔ سرکارِ الٰہی کے عہدوں کے نام مختلف ہیں۔

نبی ۔ رسول ۔ خلیفہ ۔ امام ۔ ولی ۔ صدیق

ان میں سے اللہ تعالیٰ جو عہدہ جسے مناسب سمجھتا ہے دیدیتا ہے فرماتا ہے۔
وَاللّٰہُ یَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو
کہاں قرار دے، ہم نہیں سمجھ سکتے تھے کہ مذکورہ عہدوں میں کیا فرق ہے اور کس کے
لائق کون ہے۔ اس کی حقیقت کو وہی سمجھ سکتا ہے بعض کو اس نے کئی کئی عہدے عطا
فرمائے بعض کو صرف ایک دو عطا کئے۔

جناب ابراہیم علیہ السلام کو اپنی رحمت سے کئی عہدے عطا فرمائے۔

عبد ۔ نبی ۔ رسول ۔ خلیل ۔ امام

ان میں سب سے زیادہ صاحبِ فضیلت عہدہ امامت ہے جو حضرت ابراہیم
کو آخر میں عطا فرمایا گیا۔ صفوفِ انبیاء میں صرف دو نبی ایسے تھے جو پانچ پانچ عہدوں کے
مالک تھے اوّل جناب ابراہیمؑ دوسرے جناب محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ جن کو
بجائے خلیل حبیب بنایا گیا۔

یوں تو ہر نبی اپنی اُمّت کا امام ہوتا ہے یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ (اس
روز ہم ہر گروہ کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے) لیکن امامت ابراہیمی امامت مطلقہ
کلیہ ہے یعنی وہ تمام خلق پر امام تھے نہ کہ صرف اپنے زمانہ والوں پر۔ اس عہدہ کے بعد
حضرت کو نظام عالم دکھایا گیا تھا۔ وَکَذٰلِکَ نُرِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ
(ہم نے ابراہیم کو آسمان وزمین کا نظام دکھا دیا تاکہ ان کے یقین میں زیادتی ہو جائے)
نظام عالم کو دو ہی نبیوں نے دیکھا۔ ایک جناب ابراہیم نے زمین پر سے دوسرے
جناب رسولِ خدا نے آسمانوں پر جا کر۔ لیکن ان دونوں باتوں میں بہت زیادہ فرق ہے

جس کی توضیح کا یہ موقع نہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے کسی عہدہ کے ملتے وقت اپنی اولاد کو ملنے کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ سوائے عہدۂ امامت کے ضرور اس میں کوئی راز ہے۔ بعلم نبوت جانتے تھے کہ سب عہدے ایک نہ ایک دن ختم ہو جائیں گے۔ سوائے عہدہ امامت کے کہ یہ قیامت تک چلے گا۔ اس لئے جب خدا نے یہ خبر دی کہ تم امام بنائے جانے والے ہو تو فوراً ان کو اپنی اولاد یاد آئی۔

مِنْ ذُرِّیَّتِیْ سے مراد عام اولاد نہیں کیونکہ اولاد ابراہیمؑ میں تو مومن و کافر سب ہی تھے بلکہ وہ خاص الخاص اولاد مراد ہے جو معصوم ہوا اور ان کی طرح ان کا اسلام بلاواسطہ ہو۔ یعنی خدا ہی کے گھر سے مسلمان بنے بنائے آئے ہوں۔ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی اس درخواست کا جو جواب دیا وہ قابل توجہ ہے فرمایا:۔ لَا یَنَالُ عَھْدِ الظّٰلِمِیْنَ (میرے عہد کو ظالم نہیں پائیں گے) یہاں نہ صرف عہدہ امامت کی نفی ہے بلکہ سرکار الٰہی کے جتنے عہدے ہیں۔ نبی، رسول، خلیفہ، ولی وغیرہ۔ ان میں سے کوئی عہدہ بھی ظالم انسان کو نہیں مل سکتا۔ کیونکہ ظالم ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ ظالم اگر توبہ کرلے تو اس کا گناہ بخش دیا جاتا ہے اور وہ عہدہ الٰہی پانے کا مستحق سمجھا جاتا ہے لیکن یہ تو ایک سوچی سمجھی سی بات ہے جو کسی خاص مقصد کے تحت کہہ دی جاتی ہے۔ توبہ کے بعد بخشنا یا نہ بخشنا یہ تو خدا کے اختیار میں ہے لیکن کرنے والا جو کچھ کرچکا اس سے وہ ساقط الاعتبار تو ہو چکا اس کی عقل پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا۔ جو ایک بار ظلم کرسکتا ہے وہ دوبارہ بھی کرسکتا ہے۔ جس کی عقل پر ایک بار پردہ پڑ سکتا ہے۔ دوبارہ بھی پڑ سکتا ہے۔ اس کی کیا ضمانت ہے۔ کہ پھر نہ کریگا کیا توبہ ٹوٹ نہیں سکتی۔ کیا توبہ کرنے والے پھر وہی فعل نہیں کیا کرتے جس کے متعلق توبہ کرتے ہیں۔ ایک دو کیا بیشمار مثالیں موجود ہیں کہ توبہ کرنے والے پھر وہی کرنے لگتے

ہیں جو کل کیا تھا۔

سب سے بڑا ظلم شرک باللہ ہے جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے مشرک کی بے عقلی کا اس سے

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (شرک سب سے بڑا ظلم ہے)

بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ باوجود قدرت باری تعالیٰ کی بے شمار نشانیاں آنکھوں کے سامنے ہونے کے وہ حقیقت کو نہیں پہچان سکا باوجود اشرف المخلوقات ہونے کے ارزل مخلوقات کے سامنے سر نیاز جھکاتا اور اسے اپنی تمام حاجتوں کا ملجا و ماویٰ سمجھتا رہا۔ اس سے زیادہ بے عقلی کیا ہوگی۔

اہل انصاف بتائیں کہ ایسا خفیف العقل بلکہ یتیم العقل انسان اس قابل کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی عہدہ الٰہی اس کے سپرد کر دیا جائے۔ یعنی جس خدا کو وہ برسوں نظر میں نہیں لایا اور اس کا باغی بندہ بنا رہا۔ خدا اس سے اتنا خوش ہو جائے کہ ایک ایسی بڑی ذمہ داری کا عہدہ اس کے سپرد کر دے جس سے بے شمار خلق خدا کی ہدایت و گمراہی اور فلاح دینی و دنیوی وابستہ ہو، کچھ عقل میں آنے والی بات نہیں۔

اسلام لانے کے بعد بہت سی پابندیاں اس پر سے ضرور ختم کر دی جاتی ہیں۔ بہت سی مراعات بھی اس کو مل جاتی ہیں مگر اس میں اتنی قدوسیت تو نہیں آجاتی کہ اس کی طبیعت پھر کسی گناہ کی طرف مائل ہی نہ ہو۔ ایک زبردست ٹھوکر کھانے والا دوسری بار بھی کھا سکتا ہے۔ کیا کھانے والے بار بار ٹھوکریں کھاتے نہیں۔ اللہ تو اللہ ہی ہے دنیا کے حکمران ایسے لوگوں کو جو ان کے مخالف رہ چکے ہوں کوئی کلیدی عہدہ دیتے ہیں۔ بڑی احتیاط سے کام لیا کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا ضرور کچھ ان کی ایسی ہی اولاد سے متعلق ہو سکتی ہے جن کے دامنوں پر گناہ کی ہلکی سی چھینٹ بھی نہ ہو اور جن کے دل میں بھولے سے کبھی شرک کا خیال بھی نہ آیا ہو۔ یہی وہ ہمارے بارہ امام ہیں۔ جن کو رسولؐ نے اپنا اہل بیت کہا ہے

۷۔ اُمّت مسلمہ کون ہے۔

پ۱ البقرہ ع ۱۵ - وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ
آیت ۱۲۶ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا
مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا
وَتُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۝

(اے رسول وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم و اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے اے ہمارے رب بیشک تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب ہم دونوں باپ بیٹوں کو فعلیت اسلام پر ثابت قدم رکھنا اور ہماری اولاد کو بھی اپنا فرمانبردار بندہ بنائے رکھنا اور ہم کو اپنی عبادت کے مقام دکھا دے اور ہماری توبہ قبول کرلے تو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے)

یہ آیت بہت سے مضامین عالیہ اور نکات دقیقہ پر حاوی ہے۔

(۱) عہدہ امامت ملتے وقت جس طرح حضرت ابراہیم کو اپنی اولاد یاد آئی تھی اس طرح خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت بھی یاد آئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ کو امامت سے کوئی خاص تعلق ہے

(۲) ضرور اس دعا کا تعلق اولاد جناب اسماعیل سے ہوگا کیونکہ تعمیر کعبہ میں وہی شریک تھے اولاد جناب اسحاق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(۳) حضرت علی کا خانہ کعبہ میں پیدا ہونا اور قائم آل محمد حضرت حجت علیہ السلام کا خانہ کعبہ سے خروج کرنا یہ بتاتا ہے کہ خانہ کعبہ کے وارث و مالک اہل بیت رسول ہیں چاہے قبضہ میں وہ کسی کے رہے۔

(۴) دعائے حضرت ابراہیم یہ ہے "ہم کو اپنا مسلمان بندہ بنائے رکھنا" یعنی

ہم سے ہمیشہ وہ افعال سرزد ہوتے رہیں جو ایک مسلمان بندے کے ہونے چاہئیں۔ جن لوگوں نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ ہم کو اپنا مسلمان بندہ بنا لے انہوں نے غلطی کی ہے اگر کسی نبی یا رسول کا اسلام ہی ثابت نہ ہو تو بھلا وہ نبی کیسے ہو سکتا ہے۔ خصوصاً ابراہیم جیسا نبی جن کا اسلام بلاواسطہ تھا۔ یعنی کسی نے ان کو مسلمان بنایا نہ تھا بلکہ وہ خدا کے یہاں سے ہی مسلمان بنے ہوئے آئے تھے۔ خدا فرماتا ہے ؛-

اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (جب خدا نے کہا اسلام لاؤ انہوں نے کہا میں رب العالمین پر اسلام لے آیا)

(۵) وہ اپنی اولاد کے لئے بھی ایسا ہی اسلام چاہتے تھے جیسا اپنا یعنی کافر سے مسلمان نہ ہوں بلکہ بطن مادر سے پیدا ہی مسلمان ہوں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت علی پیدا ہی مسلمان ہوئے تھے تو یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ وہ رسول پر سب سے پہلے اسلام لائے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ آغاز اسلام نہ تھا بلکہ اعلان اسلام تھا۔ اگر وہ پہلے سے مسلمان نہ تھے یا ان کے باپ کافر تھے تو خدا نے ایک کافر بچہ کو جو خود کافر ہو، اپنے گھر میں کیوں پیدا ہونے دیا اور وہ بھی اس خواہش سے کہ دیوار کعبہ کو شق کر کے فاطمہ بنت اسد مادر امیر المومنین کو اندر بلایا۔ کسی ہاتف کی ندا یہ تھی ۔

فَادْخُلِی فِی الْبَیْتِ وَانْشَقَّ الْجِدَارُ

(گھر کے اندر داخل ہو جاؤ اور اس کے ساتھ ہی دیوار شق ہو گئی)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوطالب ہرگز کافر نہ تھے۔ ایک کافر بچہ کی اتنی خاطر و مدارات کیسے ہو سکتی تھی ذرا سوچنے کی بات ہے ۔

(۶) حضرت علی کا بار بار یہ ظاہر فرمانا کہ میں نے آن واحد کے لئے بھی شرک نہیں کیا اس کا ثبوت ہے کہ وہ کافر سے مسلمان نہیں ہوئے۔ یہی اس اُمت مسلمہ کے پہلے شخص ہیں جن کے متعلق حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی ۔

maablib.org

(۷) یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم کی دعا کا تعلق اپنی تمام اولاد سے نہیں ہو سکتا کیونکہ اولاد ابراہیم میں مومن و کافر بہت تھے بلکہ مومنوں سے زیادہ کافر تھے اور نہ ان لوگوں سے ہو سکتا ہے جو کافر سے مسلمان ہوئے کیونکہ اس صورت میں ان کا اسلام حضرت ابراہیم جیسا اسلام قرار نہیں پا سکتا حالانکہ مقصود ان کا یہی تھا کہ جیسا میرا اسلام ہے ویسا ہی میری مخصوص اولاد کا ہو ورنہ دعائے ابراہیم کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

۸۔ امّت مسلمہ میں رسول کی بعثت

پ البقرہ ع ۱۵ :۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ
آیت ۱۲۸ :۔ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(اے ہمارے رب اس امت مسلمہ میں سے ایک رسول کو مبعوث کر جو انہی میں سے ہو تاکہ ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس کو پاکیزہ بنا دے)

حضرت ابراہیم کی اس دعا کا خلاصہ یہ ہے کہ میری ذریت میں سے جو امت مسلمہ ہو ایک رسول کو انہی میں سے مبعوث کر جو انہی میں کی ایک فرد ہو۔ یعنی میری اس اولاد میں سے ہو جو بلا واسطہ اسلام لانے والے ہوں۔ رسول کی بعثت ان کی موجودگی میں ہو۔ ان آیات میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) وقت بعثت رسول ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو کافر سے مسلمان نہ ہوئے ہوں بلکہ پیدا ہی مسلمان ہوئے ہوں اور رسول ہی کے خاندان سے ہوں۔ سب سے پہلے رسول کی رسالت کی تصدیق وہی کریں یہ امر از خاص ہمارے رسول کے لئے ہے

(۲) امت کا لفظ چونکہ فرد واحد پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے خدا فرماتا ہے

کانَ اِبراھیم اُمّۃً قانتًا :- (ابراہیم خدا کی طرف سے رجوع کرنے والی ایک امت ہے) لہٰذا بعثت رسول کے وقت اگر اس امت مسلمہ کی ایک فرد بھی موجود ہوگی۔ تو ابراہیم کی دعا مقبول سمجھی جائے گی۔ چنانچہ سب سے پہلے جس نے تصدیق رسالت کی وہ علی علیہ السلام تھے جو پیدا ہی مسلمان ہوئے تھے۔ بعد میں اگرچہ بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا مگر جو بات علی کو حاصل تھی وہ کسی دوسرے کو کہاں ملی۔

(۳) جہاں تک کتاب خدا کی تلاوت کا تعلق ہے۔ آنحضرتؐ نے سب مسلمانوں کے سامنے کی لیکن تعلیم کی سب سے پہلے اپنے اہل بیت کو مضمون وحی سنایا اور تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیۂ نفس کو خصوصیت سے اپنے اہلبیت سے متعلق رکھا۔

(۴) خدا نہیں چاہتا تھا کہ رسول کی رسالت کا سب سے پہلا مصدق کوئی ایسا شخص ہو جس کے منہ سے کفر کی بو آتی ہو۔

(۵) جناب ابراہیم نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت اور بھی دعائیں کی ہیں جو قرآن میں متفرق مقامات پر ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کا تعلق اہل بیت رسول سے ہے اور وہی امت مسلمہ ہیں۔ چند دعائیں ملاحظہ ہوں۔

الف:- وَاجْنُبْنِی وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا) چنانچہ اہل بیت علیہم السلام میں سے کسی نے کبھی بت پرستی نہیں کی اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔

ب:- وَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ (لوگوں کے دل انکی طرف جھکا دے) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دے ایسی دعا ایسے ہی لوگوں کے لئے کی جا سکتی ہے جو معصوم ہوں۔ خدا نے اس دعا کو بھی قبول کیا اور آیۂ مودت رسول پر نازل ہوئی۔ قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی (اے رسول کہہ دو کہ میں تم سے کوئی اجر رسالت نہیں چاہتا مگر

یہ کہ میرے ذوی القربیٰ (اہلبیت) سے محبت کرو۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم غیر معصوموں کے لئے ایسی دعا نہیں کر سکتے تھے۔

ج :- وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ (اور ان کو پھلوں کا رزق دے) یہاں پھلوں سے مادی پھل مراد نہیں بلکہ اولاد مراد ہے یعنی وہ امت مسلمہ مقطوع النسل نہ ہو بلکہ قیامت تک ان کی نسل چلتی رہے۔

آپ ان سب دعاؤں سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ جس امت مسلمہ کے لئے یہ دعائیں کی گئی ہیں وہ کسی وقت کافر نہیں ہو سکتی۔ وہ بطن مادری سے مسلمان پیدا ہوگی۔

۹- اُمّت وسط کون ہے

پ ۲ البقرع ۱۷ - وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ
آیت ۱۴۳ :- عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

(اس طرح ہم نے تم کو بیچ کی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہوں)

اس آیت سے اوپر کی آیت میں جو تحویل قبلہ کا ذکر ہے، اس آیت کو اس سے کیا ربط ہے غور طلب بات ہے۔ کہیں کسی دوسری جگہ کی تو یہ آیت نہیں۔ مفسرین نے جو کچھ بتایا ہے اس سے تسکین نہیں ہوتی۔

چند باتوں پر غور کیجئے۔

(۱) امت وسط کے معنی کسی نے امت عادل لکھے ہیں کسی نے درمیانی امت۔ آیت کا سیاق تو یہی بتاتا ہے کہ وسط کے معنی درمیان کے ہیں یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ امت وسط تمام امت رسول پر گواہ ہے اور ان کے درمیان رہ کر ان کے اعمال کی نگران بتائی گئی ہے اور اس امت وسط کے اوپر رسول گواہ ہیں۔ یعنی وہ اس وقت وسط

کی گواہی کی صحت پر گواہی دیں گے۔

(۲) امت وسط سے مراد عام مسلمان نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ نہ تو ہر مسلمان کی گواہی قابل قبول ہو سکتی ہے۔ ان میں فاسق و فاجر جاہل و بے ایمان ہر طرح کے لوگ ہوتے ہیں اور نہ ہر مسلمان کسی کے خفیہ اعمال کا پتہ چلا سکتا ہے نہ اس کا حافظہ اتنا قوی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگوں کے اعمال کو یاد رکھ سکے اوروں کا کیا ذکر وہ خود اپنے ہی اعمال کو اول عمر سے آخر عمر تک یاد نہیں رکھ سکتا۔

(۳) رسول اور امت رسول کے درمیان تو ایسے گواہ ہونے چاہئیں۔ جن کا علم لدنی ہو سہو و نسیان سے محفوظ ہوں۔ جن کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹے ہوئے ہوں تاکہ ہر ایک کا عمل دیکھ سکیں۔ حافظہ اتنا قوی ہو کہ ہر ایک کا عمل یاد رکھیں۔ ایسے لوگ نہیں ہو سکتے سوائے خاصانِ خدا کے۔

(۴) یہ بات یوں سمجھ میں نہیں آسکتی تاوقتیکہ اس کی پوری توضیح نہ کی جائے۔ خدا فرماتا ہے:۔ کَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَھِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ شَھِیْدًا

(کیا حال ہوگا اس وقت جب ہم ہر امت کو اس کے گواہ کے ساتھ بلائیں گے اور اے رسول تم ان سب پر گواہ ہو گے)

قیامت کے دن ہر نبی اپنی اُمّت کے ساتھ عرصہ محشر میں آئے گا اور خدا کے سامنے یہ گواہی دے گا کہ میں نے تیرے تمام احکام بے کم و کاست اپنی امت کو پہنچا دیئے تھے مگر ان میں سے جو نافرمان بندے تھے انہوں نے میری بات کان دھر کر نہیں سنی اور سنی بھی تو عمل نہیں کیا اور نہایت بیباکی سے تیرے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے جب امت کے باغیوں نافرمانوں سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرے احکام پر عمل کیوں نہیں کیا تو وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی نبی آیا ہی نہ تھا۔ قرآن سے ثابت ہے کہ سوال دونو سے ہوگا۔

لَتُسْئَلُنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْھِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ہم ان سے بھی ضرور پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے تھے اور رسولوں سے ضرور باز پرس کرینگے جب انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان متنازعہ صورت واقع ہوگی تو سوچئے اس کے فیصلے کی کیا صورت ہوگی اور جھوٹ بولنے والوں پر حجت کیسے تمام ہوگی۔

اس کا فیصلہ یوں ہی ہو سکتا ہے کہ ایک تیسرا شخص بطور سرکاری گواہ کے امت کی دروغ گوئی کی قلعی کھولے اور انبیاء و مرسلین کے بیان کی تصدیق کرے اور یہ گواہ چشم دید گواہی دینے والا ہو۔ آیہ زیر بحث میں ہے کہ اے رسول ہم تم کو گواہی کے لئے بلائیں گے اور رسولوں کے بیان کی تصدیق تم سے چاہیں گے۔ چنانچہ آنحضرت بیان فرمائیں گے کہ انبیاء و مرسلین سچ فرماتے ہیں ان کی تبلیغ سے انکار کرنے والے جھوٹے فریبی اور مکار ہیں۔ چنانچہ حضرت کی گواہی کے بعد ان کو جہنم کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

(۵) یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت ص کی گواہی سماعی ہوگی یا عینی۔ سماعی گواہی معتبر نہیں ہوتی۔ رہی عینی گواہی تو اس کی صورت کیا ہوگی۔ احادیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت ص کے نور کو تمام مرسلین کے ساتھ رکھا گیا تاکہ آپ ان کی امتوں کے اعمال دیکھیں اور روز قیامت ان کی گواہی دیں۔

(۶) اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب رسول دنیا میں نہ رہے تو ان کی امت کا جس کا سلسلہ قیامت تک چلے گا، کون گواہ ہوگا۔ یہ گواہ انہی صفات کا مالک ہونا چاہئیے جو رسول میں تھیں ورنہ گواہی معتبر نہ ہوگی۔ اس کا بندوبست قدرت نے یہ کیا کہ اہل بیت رسول کو امت وسط بنایا اور اس غرض کو پورا کرنے کے لئے ہر زمانہ میں ایک امام کو جو منصوص من اللہ ہو، رکھا گیا وہی اپنے زمانہ میں شہید علی الخلق ہوگا۔ شاید وہ لوگ جن کو اہل بیت رسول سے محبت نہیں اور جن کو ان کے کمالات روحانی کی معرفت حاصل نہیں۔ ہمارے بیان کو سنکر ناک بھوں چڑھائیں اور کہیں کہ یہ سب جھوٹ ہے رافضی

تو ہر معاملہ کو اہلبیت ہی کی طرف لے جاتے ہیں چاہے تک لگے یا نہ لگے۔

ہم ان کی تسکین قلب کے لئے ایک آیت پیش کرتے ہیں۔

اعملوا فسیری اللہ عملکم ورسولہ والمؤمنون (پ التوبہ ۱۳) یعنی جو تمہارا دل چاہے کرو (تم اپنے فعل میں مختار ہو لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ تمہارے ہر عمل کو اللہ دیکھ رہا ہے اور اس کا رسول اور کچھ ایمان والے) یعنی تین تین آنکھوں کے سامنے تمہارا ہر عمل ہو رہا ہے کوئی ہمیں بتائے کہ یہ کون سے مومنین ہیں۔ جن کا دیکھنا اللہ اور رسول جیسا دیکھنا ہے۔ یہی تو وہ لوگ ہیں جن سے ہم نے روشناس کرایا ہے اگر ہماری بات سمجھ میں نہیں آتی تو پھر بتاؤ تمہارے نزدیک وہ ایمان والے کون ہیں یہ معمولی دیکھنا نہیں بلکہ بڑے غور سے دیکھنا ہے عمل کی لم کو سمجھنا بھی ہے اس کی کیفیت کو جانچنا بھی ہے یعنی ان مومنوں کو دیکھنا ہو گا۔

۱- کس نیت سے یہ عمل کیا جا رہا ہے کیا عام ایمان لانیوالے کسی کی نیت کو جان سکتے ہیں

۲- اس عمل کی کیفیت کیا ہے صحیح کر رہا ہے یا غلط۔

۳- وقت عمل دل میں کہاں تک خلوص رہا اور کہاں سے نیت بدل گئی۔

۴- وقت عمل کیسے کیسے خیالات صاحب عمل کے دل میں آئے۔

۵- عملی صورت کو اس نے کہاں سے لیا۔

غور کیجیے کیا عام لوگ ان باتوں کی گواہی دے سکتے ہیں کیا ان کا علم اس پایہ کا ہو سکتا ہے کہ وہ ہر عمل کی صحت و غلطی کو سمجھ سکیں کیا ان کی قوت استنباط اتنی قوی ہے کہ مقدمات کو ترتیب دے کر ہر عمل کا نتیجہ برآمد کر سکیں۔

کوئی عقل سے کورا اور فہم سے عاری مسلمان ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ المومنون سے مراد عام لوگ ہیں۔ عام لوگوں کا کیا ذکر یہ تو صحابہ ہوں یا تابعین یا تبع تابعین یا خلفاء یا علماء یا اولیاء کسی کے بوتے کا کام نہیں کیونکہ یہ سب معمولی بشر ہیں ان کی تمام ذہنی اور نفسانی

قوتیں عام لوگوں جیسی ہیں یہ ہرگز پوشیدہ اعمال کو نہیں دیکھ سکتے اور نہ تمام اعمال ان کے حافظہ میں محفوظ رہ سکتے ہیں جب ایسا نہیں تو پھر یہ اُمّتِ وسط بھی نہیں بن سکتے یہ امت وسط وہ لوگ ہیں جن کے متعلق امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

۱- ھُمْ مَوضِعُ سِرِّہٖ (خدا کے بھید کو محفوظ رکھنے کی جگہ ہیں) انہی بھیدوں میں سے ایک بھید رویت اعمال خلق بھی ہے عام لوگ اسے کیا سمجھیں گے۔

۲- لَجَأُ اَمْرِہٖ (اس کے احکام کے پناہ لینے کی جگہ ہیں) یعنی خدائی احکام ان پر نازل ہوتے ہیں۔ کوئی کیا سمجھے یہ کیا راز ہے۔ سورہ قدر میں ہے:-

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ

(ملائکہ اور جبرئیل شب قدر کو اپنے رب کے حکم سے ہر امر کو لے کر نازل ہوتے ہیں)

ہے کسی کے دماغ میں اتنی روشنی کہ اس فضیلت و خصوصیت کو سمجھ سکے کیا ان کے سوا کوئی دوسرا احکام الٰہی کو شب قدر میں لے سکتا ہے۔

۳- وَعَیبَۃُ عِلْمِہٖ (اس کے علم کی گٹھری ہیں)

۴- وَمَوئِلُ حِکَمِہٖ (اس کی حکمتوں کی جائے پناہ ہیں)

۵- وکُھُوفُ کُتُبِہٖ (اس کی کتابوں کے غار ہیں) جہاں ہر آسمانی کتاب کے احکام سمٹے ہوئے ہیں جس کے متعلق چاہو پوچھ لو۔

۶- جِبَالُ دِینِہٖ (اس کے دین کے پہاڑ ہیں)

ہے کوئی مائی کالال کہ ان حقائق و دقائق کو سمجھ سکے۔ پس سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسے ہی لوگوں کو اللہ نے امت وسط بنایا ہے اب غالب کا یہ کہنا غلط ہو گا۔

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق ؎ آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

کراماً کاتبین کے لکھے ہوئے چٹھے کی تصدیق کرنے والے یہی لوگ ہوں گے اور روز قیامت یہی لوگوں کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

۱۰۔ سب سے زیادہ سخت امتحان کس کا تھا؟

پ۲ البقرع ۱۹۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ
آیت ۱۵۴۔ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ
الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

(ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے اور اے رسول ایسے صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آپڑی تو وہ بیساختہ بول اٹھے ہم تو خدا ہی کے ہیں اور ہم کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے خوشخبری دیدو کہ ان لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں)

ان آیات میں چند باتوں پر غور کیجئے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے وہ کسی کو اس لئے نہیں آزماتا کہ نامعلوم بات کو معلوم کرے بلکہ اس لئے امتحان لیتا ہے کہ:۔

ا۔ جس کا امتحان لیا جائے کامیابی کے بعد اس کے مراتب میں اضافہ کیا جائے۔

ب۔ اس کے نفسانی اور روحانی فضائل کا لوگوں کو اندازہ ہو جائے۔

ج۔ مصائب میں ثابت قدم رہنے کا دوسروں پر اثر پڑے۔

د۔ ان کے عمل سے خدا کی طرف رجوع کرنے کے لئے دوسروں کو ترغیب ہو۔

۲۔ اس آیت میں پانچ امتحانوں کا ذکر ہے۔

خوف، بھوک، مالوں کی کمی، جانوں کی کمی، اولاد کی کمی۔ یہ امتحانات ایسے سخت ہیں کہ بیک وقت ان تمام میں کسی نبی یا ولی کا امتحان نہیں لیا گیا بلکہ متفرق طور سے لیا گیا۔

maablib.org

۳ - سوائے کربلا والوں کے کسی کے سامنے بیک وقت یہ پانچوں امتحان نہیں آئے اور کسی نے انتہائی اعزازی شان سے یہ امتحان ان کے سوا پاس نہیں کئے - وہ خوف کو منظر میں لائے نہیں - بھوک کی تکلیف سے گھبرائے نہیں ، مال لٹنے کی پروا نہ کی - راہ خدا میں اپنی جانیں اور اپنی اولاد قربان کرنے سے بلبلائے نہیں - خدا سے کوئی شکایت نہ کی اپنے ارادہ میں ضعف پیدا نہ ہونے دیا - ناپاک ستم شعار بے دین دشمن سے پناہ نہ مانگی - حق کا بول بالا کرنے میں کوئی کوشش اٹھا نہ رکھی -

۴ - مذکورہ بالا روح فرسا اور جاں گداز مصائب کا نہایت پرجگری اور دلیری سے مقابلہ کرتے ہوئے ایک اور ایسی سخت مصیبت کا ان کو سامنا ہوا جس میں خدا نے کبھی کسی کا امتحان نہیں لیا - کیونکہ اس کا برداشت کرنا طاقت بشری سے باہر تھا - اس لئے مذکورہ بالا امتحانات میں اس کو شامل نہیں کیا گیا وہ تھی گرمی کے سخت موسم میں تین دن کی پیاس کربلا کی جلتی بلتی زمین پر لُو کے آتش فشاں جھونکوں میں ان مظلوموں پر جو گزرتی تھی کسی کے قلم میں جان ہے کہ اس کا دلگداز مرقع کھینچ کر دکھلا سکے دوسرا کوئی ہوتا تو یزیدی فوجوں کے سامنے سر جھکا دیتا - سردار فوج کے قدموں پر گر کر پناہ کا طالب ہوتا مگر وہ اس منزل پر بھی ثابت قدم رہے اگر امتحانات کی فہرست میں پیاس بھی داخل ہوتی تو وہ بھولے سے آواز العطش بھی بلند نہ کرتے - یہ صدائیں بھی طلب آب کے لئے نہ تھیں بلکہ دشمن کی انتہائی شقاوت اور بے دینی کا اعلان تھا دنیا والوں کی توجہ اس طرف موڑنی تھی -

۵ - انبیاء علیہم السلام پر جو مصائب نازل ہوئے وہ شکل امتحان اسی وقت تک رہے جب تک ان کی قوت برداشت نے جواب نہیں دیا - جب تک صبر وضبط کا دامن ان کے ہاتھ سے چھٹتا دکھائی نہیں دیا - جہاں خدا نے دیکھا کہ امتحان میں ناکامی قریب ہونے والی ہے فوراً اس امتحان کو ختم کر دیا تاکہ اس کے برگزیدہ بندے کو ذلت کا سامنا نہ ہو - چند مثالیں ہمارے سامنے ہیں -

الف:۔ حضرت نوحؑ پر ان کی امت نے کیا کیا ظلم نہ کئے اتنے پتھر برسائے ہے کہ ان کا جسم اقدس لہو لہان ہو جاتا تھا ان کو دیوانہ کہہ کر پکارتے تھے ان کی باتیں سن کر قہقہے لگاتے تھے مگر وہ برداشت کرتے رہے اور امتحان کی منزل میں قدم ثبات کو لغزش نہ ہوئی لیکن جب ان کی زبان پر یہ کلمہ آیا۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا (اے میرے پروردگار روئے زمین پر ان کافروں کے گھر دں کو برباد کر دے) پس امتحان فوراً ختم کر دیا گیا اور کشتی نوا کر ان کو اور چند امتحان والوں کو اس ظلم سے نجات دیدی اور ظالموں کو پانی کے طوفان میں ڈبو کر رکھ دیا۔ اور اس کامیابی پر سرکار الٰہی سے یہ سند ملی۔ سَلَامٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعَالَمِیْنَ

ب:۔ حضرت ابراہیمؑ کا امتحان کیسا سخت تھا اور ان کو جلانے کے لئے وہ آگ بھڑکائی گئی تھی جس کے شعلے دور دور تک لپک رہے تھے اور کوسوں دور اڑنے والے پرندے بھن بھن کر زمین پر گر رہے تھے۔ ابراہیم صبر و ضبط سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر منجنیق میں رکھ دیا گیا۔ ابھی تک صبر اپنی پوری قوت دکھا رہا تھا۔ اب منجنیق سے جدا ہو کر آگ کی طرف جا رہے ہیں کہ جبرئیل نے راہ میں آلیا اور پوچھا اے ابراہیم تمھاری کوئی حاجت ہے۔ فرمایا ہے مگر تم سے نہیں۔ جبرئیل نے کہا پھر جس سے ہے اس سے کہو۔ یعنی اپنے بچانے کی درخواست کرو۔ فرمایا اس سے کہنے کی ضرورت نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھا کہ ابراہیم کے دل میں اس مصیبت سے بچنے کی خواہش ہے مگر زبان سے کہتے نہیں لہٰذا اسی وقت امتحان ختم کر دیا گیا اور بھڑکنے والی آگ گل و گلزار بنا دی گئی۔ یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ (اے آگ ابراہیمؑ پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا)

ج:۔ حضرت ایوبؑ بڑے صابر تھے مگر ایک موقع ایسا آیا کہ ان کے ہاتھ سے

بھی صبر کی باگ چھوٹنے لگی - جونہی یہ کلمہ ان کی زبان پر آیا - رَبِّ اِنِّی مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ (پ الانعام) (میرے پروردگار اب مجھے نقصان پہنچ گیا تو سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے) پس امتحان ختم - اسی طرح یونس ع موسےٰ ع، یوسف ع اور حضرت عیسےٰ ع وغیرہ کے امتحانات ہوئے اور ختم کر دیے گئے -

کربلا والوں نے کبھی ختم امتحان کی درخواست نہ کی - خون کے آخری قطرہ تک ان کی زبان سے جو کلمہ نکلا وہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ تھا -

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دینی خدمت کی قدر کی اور ان کو جنت کی بشارت دی اور فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی صلوات اور رحمت ہے -

---

۱۱- مکانوں میں دروازوں سے داخل ہو

پ۲ البقرہ ع۲۴ :- وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا

آیت ۱۸۹ :- وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (یہ کوئی بھلی بات نہیں کہ گھروں میں پچھواڑے سے (پھاند کے) آؤ بلکہ نیکی اس کی ہے جو پرہیزگاری کرے اور گھروں میں (آنا ہو تو) دروازوں کی طرف سے آؤ اور خدا سے ڈرتے رہو تاکہ تم مراد کو پہنچو)

ظاہری تعلیم تو اس آیت کی یہی ہے جو لکھی گئی لیکن باطنی تعلیم یہ ہے کہ علم کو اس دروازے سے حاصل کرو - ان لوگوں سے نہ لو جو تعلیم کے ذمہ دار نہیں بنائے گئے یہ تو ایسا ہی ہوگا جیسے کسی گھر میں بجائے دروازہ سے آنے کے تم پشت کی طرف سے داخل ہو جاؤ - حضرت رسول خدا ص نے اپنے علم کا دروازہ حضرت علی علیہ السلام کو بنایا ہے - اَنَا مَدِیْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا (میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں) اور یہ

بھی فرمایا۔ انا دار الحکمۃ وعلیٌّ بابہا (میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں اور یہ بھی فرمایا۔ من اتی من غیر بابہا سُمّی سارق (جو بجائے دروازہ کے پشت کی طرف سے آئے گا وہ چور کہلائے گا)

پس جب رسول خدا نے علیؑ کو علم کا دروازہ قرار دیا تو امت کو انہی سے علم لینا چاہئے کیونکہ علی سے بہتر قرآن وحدیث کا کوئی عالم امت رسول میں نظر نہیں آتا جس نے جو کچھ لیا انہی کے دَر سے لیا۔ یہ بات دوسری ہے کہ ان کے در سے لی ہوئی چیز دوسروں کی طرف منسوب کر دی جائے۔

حسن بصری کہا کرتے تھے کہ جو تفسیر علی سے نہیں لی گئی وہ قرآن کی اصلی تفسیر نہیں ابن عباس امام المفسرین کہلاتے تھے کسی نے پوچھا آپ کو یہ علم کہاں سے ملا۔ فرمایا وہیں سے جہاں سے لینے کا حکم رسول نے دیا تھا۔

۴۲۔ خدا کی مرضی لینے کے لئے اپنی جان بیچنے والا

پ۲ البقرہ ع ۲۵ :- وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ

آیت ۲۰ :- اللهِ وَاللهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ

(اور لوگوں میں خدا کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور خدا ایسے بندوں پر بڑا شفقت کرنے والا ہے)

اس آیت کی شان نزول یہ ہے کہ جب کفار مکہ نے حضرت کو قتل کرنے کے ارادے سے ایک رات آنحضرتؐ کا گھر گھیر لیا اور خدا نے اس واقعہ کی اطلاع اپنے رسول کو دیدی اور اس کے ساتھ ہجرت کا حکم بھی ملا۔ تب آپ نے حضرت علی سے فرمایا کہ

کہ کفارِ مکہ نے مجھے فرشِ خواب پر مار ڈالنے کا ارادہ کیا ہے۔ تم میری جگہ میری عبا اوڑھ کر سو رہو۔ حضرت علی نے عرض کی اگر میں سو رہوں تو آپ کو کوئی گزند تو نہ پہنچے گا۔ فرمایا، نہیں۔ عرض کی میری جان جائے یا رہے آپ کی سلامتی بہر حال مطلوب ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کی تعریف میں یہ آیت نازل کی۔

اب چند باتوں پر غور فرمایئے۔

۱۔ حضرت علی کو اپنی جگہ سونے کا حکم آنحضرتؐ نے بحکم خدا دیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ علی کا مرتبہ پیش خدا کیا تھا۔

۲۔ علی کی ذات پر رسولؐ خدا کو کتنا اعتماد تھا جانتے تھے کہ علی چاہے کیسی حالت میں ہوں گے۔ دشمن چاہے کتنا ہی تشدد کریں گے۔ علی ہرگز یہ نہ بتائیں گے کہ میں کہاں گیا ہوں۔

۳۔ اس پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ حضرت علی کیسے سچے جاں نثار تھے اور رسول کی رسالت پر کس پایہ کا یقین رکھتے تھے کہ بے چون و چرا اس خطرناک صورت میں فرشِ رسول پر سونے کے لئے آمادہ ہو گئے اگر کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور کہتا۔ آپ تو جاتے ہیں اور مجھے قتل ہونے کے لئے چھوڑے جاتے ہیں۔ اگر نہ کہتا تو اس کے دل میں یہ خیال ضرور گزرتا کہ رسول نے اپنی جان تو بچالی اور مجھے مصیبت میں پھانس گئے۔ توبہ توبہ علی کے دل میں یہ خیال آ ہی نہیں سکتا تھا۔

۴۔ علی کی جگہ دوسرا ہوتا تو تمام رات اُسے خوف کی وجہ سے نیند نہ آتی۔ دل برابر دھڑکتا رہتا اور بار بار اُٹھ اُٹھ کر دیکھتا کہ دشمن آ تو نہیں رہا۔ مادرِ گیتی نے علی جیسا بہادر کہاں پیدا کیا ہے کہ جو رات سب سے زیادہ خوفناک تھی اس رات کو سب سے زیادہ چین سے سوئے۔ چنانچہ کسی نے آپ سے پوچھا تھا کہ کسی رات تو آپ پیر پھیلا کر گہری نیند سوئے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا تھا۔ ہاں اپنی زندگی میں

ایک رات میں بھی چین سے سویا ہوں اور وہ ہجرت کی رات تھی۔

۵۔ یہ جان بیچنے کا سودا تھا۔یعنی علی نے آج کی رات اپنے نفس کو مرضی الٰہی حاصل کرنے کے لئے خدا کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔چونکہ خدا نے نفس علی کو خرید لیا تھا لہٰذا اس کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کیا۔یعنی جبریل و میکال دو فرشتوں کو ان کی حفاظت کے لئے معیّن کیا۔

۶۔ علی نے جانشینی کا آج پہلا کام انجام دیا۔یعنی رسول کے جانے کے بعد ان کی جگہ پر سوئے۔

۷۔ جب علی نے اپنا نفس مرضی الٰہی کے بدلے بیچ ڈالا تو اب علی کا نفس نفس اللہ بن گیا۔اللہ کو اختیار ہے علی کو جہاں چاہے لڑا دے علی کو انکار کا حق نہیں اور اللہ کی مرضی علی کی مرضی بن گئی اور علی مرضی الٰہی کو جہاں چاہیں صرف کریں۔

۸۔ آج علی نے خود اپنا نفس فروخت کرنے کے لئے بارگاہ باری میں پیش کیا۔خدا کو ایسا پسند آیا کہ اس نے یہ ارادہ کر لیا کہ اب اس گھر کے تمام نفوس ہم خود خرید اکریں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ (بیشک اللہ نے کچھ مومنین کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا)

۹۔ حضرت رسول خدا کے جانے کے بعد مشرکین بار بار دیوار پر سے سر اٹھا کر جھانکتے تھے۔چونکہ علی عبائے رسول اوڑھے سو رہے تھے وہ تمام رات یہ خیال کرتے رہے کہ محمد سو رہے ہیں اس لئے طلوع صبح کا انتظار کرتے رہے۔جب صبح ہوئی تو درانہ خانہ رسالت میں داخل ہو گئے۔حضرت علی تلوار لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔وہ علی کو دیکھ کر حیرت میں آ گئے۔کہنے لگے۔محمدؐ کہاں ہیں۔فرمایا۔کیا مجھے سونپ گئے تھے جو پوچھ رہے ہو،جہاں ہوں جا کر پکڑ لو۔

۱۰۔ وہ لوگ ضرور حضرت علی سے لڑتے مگر اس خیال سے کہ محمد ہاتھ سے نکل نہ جائیں

فوراً آنحضرتؐ کی تلاش میں روانہ ہو گئے۔

۱۱- جب حضورؐ گھر سے چلے تھے تو حضرت علیؑ سے فرما گئے تھے کہ میرے پاس کچھ لوگوں کی امانتیں ہیں۔ ان کو ان کے سپرد کر کے اور زنان بنی ہاشم کو اپنے ساتھ لے کر میرے پاس مدینہ آجانا میں تمہارا انتظار کروں گا۔ کیا یہ کوئی معمولی خدمت تھی جو حضرتؐ نے سپرد کی تھی۔ نہایت خوفناک، نہایت خطرناک۔ اب مکہ میں تھا کون۔ جانے والے سب چلے گئے تھے اور اگر دو چار تھے بھی تو بے بس بے پر جن سے کوئی مدد نہیں مل سکتی تھی۔ حضرت علیؑ نے یہ حکم بھی بدل و جان قبول کر لیا۔

شب ہجرت کی صبح نمودار ہونے کے بعد اب علیؑ تھے اور مکہ کی وہ وحشت ناک زمین جو رسولؐ کے خون کی پیاسی تھی۔ یہ جانتے ہوئے کہ علیؑ رسولؐ کے بھائی ہیں اور جان نثار بھی مشرکین کا ان کو قتل کر دینا کچھ بعید از قیاس نہ تھا مگر جو اللہ کی حفاظت میں ہو اسے کون مارے۔

۱۲- حضرت علیؑ نہایت بے خوف و ہراس، نہایت شجاعانہ انداز میں وہ امانتیں لے کر خانہ کعبہ میں پہنچے اور ندا دی کہ جس کی امانت رسولؐ کے پاس ہو مجھ سے لے لے۔ امانت رکھنے والے تو یہ سمجھتے تھے کہ محمدؐ کے ساتھ ہماری امانت بھی گئی۔ اب جو یہ آواز سنی تو بھاگے اور حضرت علیؑ سے ہر ایک نے اپنی اپنی امانت وصول کر لی۔

۱۳- کتنی ہیبت تھی شجاعت علیؑ کی کہ کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ ٹیڑھی آنکھ سے دیکھے۔ تلوار چلانا تو بڑی بات ہے ایک تنِ تنہا کو قتل کر دینا کونسی بڑی بات تھی مگر علیؑ علیؑ ہی تھے ان کی شجاعت جانی پہچانی تھی۔

۱۴- حضرت علیؑ تین روز مکہ میں رہے۔ کسی کی کیا طاقت تھی کہ آپ پر حملہ کرتا۔ ان تین دنوں میں سواری کا بندوبست کر کے آپ مدینہ روانہ ہو گئے۔ خود پیادہ چلتے تھے۔ زنان بنی ہاشم اونٹوں پر سوار تھیں۔ جناب فاطمہ زہراؑ بھی ساتھ تھیں۔ آخر قبا

میں حضرت سے جا ملے مگر اس حالت میں کہ آپ کے پیر زخمی تھے اور پنڈلیوں پر ورم تھا۔ واقعہ ختم ہوگیا اب اہل انصاف چند باتوں کا فیصلہ کریں۔

(۱) علی کی رسولؐ سے سچی محبت کا (۲) علی کا خدا پر بھرپور ایمان کا (۳) علی کی بے مثل شجاعت کا (۴) علی کی عدیم المثال جاں نثاری کا (۵) علی کے ثبات قدم کا۔

۱۳۔ طالوت کی سلطنت من اللہ تھی

پ۲ البقرہ ۳۲: ۔ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا

آیت ۲۴۷: ۔ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (بنی اسرائیل سے) ان کے نبی نے کہا کہ اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے انہوں نے کہا بھلا اس کی حکومت ہم پر کیسے ہوگی ہم سلطنت کرنے کے اس سے زیادہ مستحق ہیں وہ تو کوئی مالدار آدمی نہیں۔ نبی نے فرمایا۔ اللہ نے تم پر اس کو منتخب کرلیا ہے اور علم اور جسم کے لحاظ سے اس کو تم پر فضیلت دی ہے اور اللہ اپنا ملک جسے چاہتا ہے دیدیتا ہے وہ بڑی وسعت والا اور بڑا جاننے والا ہے)

اس آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ کیا بادشاہ کے لئے بھی منصوص من اللہ ہونا ضروری ہے؟

ہاں جو سلطنتیں تحت ظل نبوت ہوتی ہیں ان میں بادشاہ کا انتخاب بھی خدا ہی کرتا ہے

۲۔ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے یہ دعا کیوں کرائی کہ وہ ان کے لئے بادشاہ منتخب کرے

بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل جن کی ہدایت کے لئے شموئیل نبی کو بھیجا گیا تھا۔ جالوت کافر

سے ایک جنگ میں ہار چکے تھے اس نے ان کو خوب لوٹا تھا۔ اُن کے بکثرت زن و مرد اور بچوں کو قید کر کے لے گیا تھا۔ اس واقعہ سے وہ سب بلبلا رہے تھے چاہتے تھے کہ کسی قوی بادشاہ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر جالوت سے انتقام لیں۔ جب کسی کو خود انتخاب نہ کر سکے تو اپنے نبی سے درخواست کی کہ وہ خدا سے دعا کریں کہ کسی زبردست آدمی کو ان کے لئے بادشاہ بنائے۔ جب نبی نے دعا کی تو خدا نے ان پر وحی کی کہ میں نے ان پر حکومت کرنے اور ان کے دشمن سے جنگ کرنے کے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔

(۳) اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں بادشاہ بنانا خدا کے اختیار میں تھا۔ لوگ اپنے نبی کے ذریعہ سے خدائی انتخاب کا پتہ چلاتے تھے۔

(۴) ہر قوم میں کچھ ایسے شریر لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنی اغراض فاسدہ کے تحت چلتی گاڑی میں روڑے اٹکایا کرتے ہیں۔ جب نبی نے قوم کو یہ خبر سنائی تو انہوں نے ناک بھوں چڑھائی اور منہ بنا کر کہنے لگے۔ طالوت تو ایک غریب آدمی ہے اس کو ہم پر حکومت کرنے کا کیا حق ہے ہم مالدار لوگ ہیں۔ ہم میں سے کسی کو کیوں نہیں بنایا۔ خدائی انتخاب پر اور یہ زور و زبری اس کی دلیل ہے کہ ان کے دل نور ایمان سے خالی ہو چکے تھے۔

۵۔ نبی نے کہا کیا لغو باتیں کرتے ہو جب خدا نے اس کو حکومت کے لئے منتخب کر لیا تو اب تم کو چون و چرا کا کیا حق ہے۔

انہوں نے کہا اس انتخاب کی کوئی وجہ تو معلوم ہو۔ نبی نے جواب دیا۔ یہ انتخاب یوں ہی نہیں ہوا ہے بلکہ اس کی وجہ ہے اس میں دو صفتیں ایسی ہیں جو بادشاہت کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ پہلے یہ کہ وہ صاحب علم ہے دوسرے یہ کہ وہ ایک طاقتور انسان ہے۔ اپنے علم سے وہ تمہارے بگڑے کام سنوارے گا۔ تمہارے نزاعات دور کرے گا تمہاری فلاح و بہبود کے معاملات پر غور کرے گا اور اپنی طاقت کے بل پر تمہارے دشمنوں کو تم سے دفع کریگا۔ سمجھو اور خدا پر اعتراض نہ کرو۔

۴۔ اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ بادشاہ اگر خدا کا بنایا ہوا ہو تو بزدل نہیں ہوتا۔ میدان جنگ میں قدم جما کر لڑتا ہے۔ دوسرے اپنے علم سے قوم کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ دشمن پر غلبہ حاصل کرنا بغیر ان دو چیزوں کے نہیں ہو سکتا۔

۵۔ حضرت رسول خدا نے حضرت علی میں یہ دونوں اوصاف بہترین صورت میں پاکر اپنا وزیر بنالیا۔ حضرت علی نے اپنی ان دونو صفتوں سے اسلام کی وہ بہترین خدمت انجام دی کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اپنے علم سے مختلف ادیان والوں سے مناظرے کیئے اور اپنی قوم کے جاہلوں کو علم دین سے روشناس کرایا۔ اپنی قوت سے کفار و مشرکین کی ایسی سرکوبی کی کہ تمام زور ٹوٹ کر رہ گئے۔

افسوس ہے کہ یہی گراں قدر دینی خدمت ان کے لئے مصیبت بن گئی جن لوگوں کے مشرک باپ دادا یا کسی رشتہ دار کو قتل کیا تھا۔ وہ امیر المومنین کے خون کے پیاسے بن گئے اور پھر جو تکلیفیں ان سے پہنچیں ان کے بیان کے لیئے ایک دفتر درکار ہے۔

۶۔ مذکورہ بالا آیت سے یہ معلوم ہوا۔ اصطفائے ایزدی میں امیری غریبی کو کوئی دخل نہیں بلکہ صفات حسنہ کو دخل ہے اور اس کا علم صحیح طور پر خدا ہی کو ہو سکتا ہے۔ بندے کسی کے باطن کا حال کیا جانیں اس لئے ان کے انتخاب میں غلطی ہو جاتی ہے جس کو آج اچھا سمجھتے ہیں۔ کل وہی نظر سے گر جاتا ہے۔

maablib.org

۱۴۔ راسخون فی العلم کون ہیں۔

پ۳ آل عمران ع ۱۰۔ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ
آیت ۷۔ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ
اُولُوا الْاَلْبَابِ ○

(اور نہیں جانتے اس آیات متشابہات

کی تاویل مگر اللہ اور راسخون فی العلم وہ کہتے ہیں یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں)

اس سلسلے میں حسب ذیل امور پر غور کیجئے۔

۱۔ آیات محکمات کیا ہیں؟ یہ وہ ہیں جن کا مطلب صاف و صریح ہے۔ جیسے اقیموا الصلوٰۃ داتوا الزکوٰۃ (نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو)

آیات متشابہات وہ ہیں۔ جن کے ظاہری معنی کے خلاف کوئی تاویل کرنا پڑتی ہے جس کو رسول یا امام نے بیان کیا ہے مثلاً بیننا ھا بایدٍ (ہم نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنایا) چونکہ خدا صاحب جسم نہیں لہٰذا یہ معنی درست نہیں اور محتاج تاویل ہیں تاویل یہ ہوگی کہ ہم نے اس کو اپنے ید قدرت سے بنایا ہے۔ نہ کہ ظاہری جسمانی ہاتھوں سے یا جیسے فاستویٰ علی العرش پھر وہ عرش پر بیٹھ گیا چونکہ ہماری طرح اس کا بیٹھنا درست نہیں لہٰذا تاویل یہ ہوگی کہ اس نے عرش پر قابو پا لیا یعنی اپنے تحت حکم لے لیا۔

۲۔ اسلام میں جو گمراہی پھیلی اور ایک دین تہتر فرقوں میں تقسیم ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آیات متشابہات کی غلط تاویلیں کی گئیں۔ جس کی سمجھ میں جو آیا وہی آیت کا اصلی مفہوم سمجھا گیا۔ نتیجہ میں ہر فرقہ کی اعتقادی اور عملی صورت جدا ہو گئی اور ایک آیت کے کئی کئی معنی بن گئے۔

۳۔ راسخون فی العلم۔ صرف وہی لوگ کہے جا سکتے ہیں۔ جن کو علوم دین میں اس درجہ رسوخ حاصل ہو کہ کسی مقام پر نہ شک و ریب ان کے دل میں داخل ہو اور نہ تاویلات کے بیان میں کوئی غلطی ان سے سرزد ہو۔ نیز یہ کہ وہ تاویل بیان کرنے میں کسی دوسرے کی تعلیم کے محتاج نہ ہوں بلکہ یہ علم انھوں نے حضرت رسول خدا سے یا ایک امام نے دوسرے امام سے حاصل کیا ہو۔ رائے اور قیاس کو اس میں دخل نہ دیتے ہوں۔

یہ لوگ نہیں ہو سکتے مگر اہلبیت رسول جن کے سینوں میں کل کتاب کا علم ہے
اور جو مَنْ عِنْدَہٗ علم الکتاب کے مصداق ہیں۔ ان کے سردار حضرت علیؑ
ہیں۔ جن کو رسول اللہؐ نے اس طرح تعلیم دی ہے جیسے طائر اپنے بچہ کو بھراتا ہے
جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔ زَقَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ زَقًّا
یعنی رسول نے مجھے اس طرح علم دیا ہے جیسے ایک طائر اپنے بچہ کو بھراتا ہے۔ علم
میں ان جیسا رسوخ کس کو حاصل ہو سکتا ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے۔
یَنْحَدِرُ عَنِّی السَّیْلُ وَلَا یَرْقٰی اِلَیَّ الطَّیْرُ علم کا ایک سیلاب مجھ سے بہتا ہے۔
اور میرا علم اس پایہ پر ہے کہ وہاں پرندہ پر نہیں مار سکتا۔

تفسیر در منثور سیوطی جلد ۲ میں انس بن مالک سے مروی ہے کہ میں نے ایک روز
حضرت رسول خدا سے پوچھا کہ راسخون فی العلم کون لوگ ہیں فرمایا وہ ہیں جن کے ہاتھ
نیکی کرنے والے ہوں۔ جن کی زبان سچی ہو۔ جن کا دل مستقیم ہو۔ جو حرام پیٹ اور فرج
سے محفوظ ہوں۔

"یہ سب صفات امیر المومنینؑ میں موجود تھیں۔"

۴۔ موجودہ قرآن میں راسخون فی العلم کے بعد م لکھی ہوئی ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں
کہ بات ختم ہو گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ آیات متشابہات کی تاویل اللہ کے سوا
کوئی نہیں جانتا اس کے بعد دوسری بات شروع ہوئی کہ راسخون فی العلم کہتے ہیں الخ
اگر یہ بات صحیح مان لی جائے تو تاویل کا جاننے والا صرف اللہ ہی قرار پائے گا۔
اب بتاؤ اللہ سے کون پوچھے کہ فلاں آیت کی تاویل کیا ہے نہ وہ ہمارے
پاس آتا ہے نہ ہم اس کے پاس جاتے ہیں۔ نہ خط نہ کتابت نہ ٹیلیفون نہ ٹیلیگرام
اگر آیات متشابہات کی تاویل صرف وہی جانتا ہے تو پھر قرآن میں ان کا ذکر کیوں
کیا اور ان سے قرآن خوانوں کو کیا فائدہ پہنچا۔ ان کی مشکل کیسے حل ہو گی۔ حد یہ ہے

کہ اس صورت میں تو رسول کے لئے بھی یہ ماننا پڑے گا کہ تاویلات کو وہ بھی نہیں جانتے بس اللہ ہی جانتا ہے۔

۵۔ جب اللہ ہی جانتا ہے تو پھر امت کے فرقوں نے نئی نئی تاویلات کیوں کیں۔ اور کہاں سے اخذ کر کے بیان کیں۔ اگر اللہ نے رسول کو یہ تاویلات بتادی تھیں اور رسول سے دوسروں نے لیں۔ تو ان میں اختلاف کیوں ہوا۔ ضرور ان میں علمائے اسلام نے اپنی رائے و قیاس کو دخل دیا ہے۔ رسول اللہ کی بتائی ہوئی تاویلات صرف وہی صحیح مانی جاسکتی ہیں جو ان کے اہل بیت سے منقول ہوں چونکہ وہ معصوم تھے۔ سہو و نسیان سے بری، کذب سے ناآشنا۔ ہمارے آئمہ و علماء نے اس بیچ میں آنے والی م کو تسلیم نہیں کیا۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ آیات متشابہات کی تاویل نہیں جانتے مگر اللہ اور راسخون فی العلم اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے ہوئے ہیں کہ یہ سب خدا کی طرف سے ہے الخ

۱۵۔ آل عمران سے کون مراد ہیں۔

پ ۳ آل عمران ع ۴:۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ
آیت ۳۲ :۔ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ

(بیشک اللہ نے برگزیدہ کرلیا آدم کو، نوح کو، آلِ ابراہیم کو اور آلِ عمران کو تمام عالموں پر)

اس آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں:۔

۱۔ جتنے انبیاء و مرسلین گزرے ہیں وہ سب اللہ کے مصطفےٰ یعنی برگزیدہ تھے پھر اس آیت میں خصوصیت سے چار کے اصطفاء کا ذکر کیوں کیا گیا؟

۲- صرف دو نبیوں کے اصطفا کا ذکر ہے اور دو کی اولاد کا - یہ کیوں

۳- معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصطفا عام نہیں ہے بلکہ کسی خصوصیت کی بنا پر ہے - غور کرنے کے بعد حسب ذیل خصوصیات سمجھ میں آتی ہیں -

آدمؑ کا اصطفا اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے ماں باپ کے پیدا کیا ان کو روئے زمین کا سب سے پہلا خلیفہ بنایا ان سے نسل انسانی کا آغاز ہوا یہ خصوصیت کسی اور نبی میں نہیں پائی جاتی -

جناب نوحؑ کا اصطفا اس بنا پر ہوا کہ شریعت کا آغاز ان سے ہوا دوسرے نسلِ انسانی کے خاتمہ کے بعد دوبارہ نسل ان کی اولاد سے چلی اس لئے ان کو آدم ثانی کہتے ہیں

آل ابراہیمؑ کا اصطفا اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب و حکمت عطا کی - اور ملک عظیم دیا - وَاٰتَیْنَآ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاٰتَیْنٰھُمْ مُّلْکًا عَظِیْمًا (ہم نے اولاد ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ہم نے ان کو ملک عظیم بنا دیا)

آل عمران - اس میں مفسرین کا اختلاف ہے اکثر نے لکھا ہے کہ اس سے مراد موسیٰ ہیں جن کے باپ کا نام عمران تھا - بعض نے حضرت عیسیٰ کو مراد لیا ہے کیونکہ ان کے نانا کا نام عمران تھا - لیکن یہ کھلا مغالطہ ہے - جب آل ابراہیم میں یہ دونوں داخل ہیں اور کتاب و حکمت کے ملنے میں ان کی شرکت ہے پھر علیحدہ سے ذکر کی کیا ضرورت تھی - جب تک کوئی خصوصیت خاص نہیں پائی جائے -

شیعی تفاسیر میں آل عمران سے مراد آل ابوطالب ہے جن کا نام عمران تھا - پس آل عمران کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بطور حجت خدا دنیا میں قیامت تک پایا جائے گا اور دنیا کا خاتمہ ان کی موجودگی میں ہوگا - اولاد عمران یعنی اولاد ابوطالب کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ ان میں سے بارہ کو یکے بعد دیگرے خلافت الٰہیہ پانے کا شرف حاصل ہوا - نیز یہ کہ ان کا آخری فرد قیامت تک زندہ رہے گا - سوائے آل ابوطالب کے یہ

خصوصیت کسی اور نبی یا ولی کی اولاد میں نہیں پائی جاتی کہ حضرت رسول خدا نے ان کو اپنی اولاد کہا ہو اور وہ یابن رسول اللہ کہہ کر پکارے جاتے ہوں۔

۳۶۔ مباہلہ

پ۳ آل عمران ع ۱۶۔ فَمَنْ حَاجَّكَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ

(اس کے بعد کہ تمہارے پاس عیسیٰ کے متعلق علم آچکا ہے اور اگر کوئی آئے اور ان کی خدائی کے متعلق کچھ کہے تو کہدو ہم اپنے لڑکوں کو بلائیں تم اپنے لڑکوں کو بلاؤ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ پھر باہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر لعنت قرار دیں)

تاریخی واقعہ یہ ہے کہ نصارائے نجران کا ایک وفد مدینہ میں اس غرض سے آیا کہ حضرت عیسےٰ کے ابن اللہ ہونے کے بارے میں حضرت رسول خدا سے مناظرہ کرے۔ نصاریٰ کے بڑے بڑے مذہبی پیشوا اس وفد میں شریک تھے حضور کئی روز سمجھاتے رہے مگر وہ اپنی کجرائی اور ضد پر قائم آخر یہ طے پایا کہ مباہلہ کیا جائے۔

مباہلہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ دونوں فریق ایک مقام پر جمع ہو کر اپنے مخالف کے لئے بددعا کرتے ہیں اور اپنے مخالف کو جھوٹا قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے اس پر نزول عذاب کی التجا کرتے ہیں۔ مباہلہ میں اگر معصوم شامل ہو تو فریق مخالف پر یقیناً عذاب الٰہی نازل ہو جاتا ہے۔

مباہلہ کے لئے حضور نے ایک جگہ معین کی جس پر درخت ہائے خرما کا سایہ تھا

دوسرا گروہ مقابل میں ایک ٹیلہ پر مباہلہ کے لئے تیار ہو بیٹھا۔ حضورؐ نے سلمان فارسی کو حکم دیا کہ مقام مباہلہ کو خار و خس سے پاک کر دیں اور بطور شامیانہ دو چادریں وہاں تان دیں۔ اصحاب کو حکم دیا کہ سرزمین مباہلہ پر کوئی نہ جائے اس سے دور رہیں۔

جب مباہلہ کا وقت آیا تو آیۂ مباہلہ کی عملی تفسیر حضورؐ نے اس طرح پیش کی۔ اور اس طرح گھر سے برآمد ہوئے امام حسنؑ کی انگلی پکڑے ہوئے امام حسینؑ کو گود میں لئے ہوئے، جناب فاطمہ زہراؑ برقعہ پوش آپ کے پیچھے اور امیر المومنینؑ ان کے پیچھے۔ آپ نے چلتے وقت اپنے اہل بیت سے یہ فرمایا تھا کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔

نصاریٰ کی جماعت کو یہ خیال تھا کہ حضورؐ اپنے ساتھ سن رسیدہ اصحاب کو لے کر مباہلہ کے لئے آئیں گے اور مباہلہ میں ان کو اپنا شریک بنائیں گے جو آیہ مباہلہ نازل ہوئی تھی اس کی ان کو کیا خبر ہو سکتی تھی لیکن جب یہ صورت دیکھی کہ غیروں میں سے کوئی ایک بھی ساتھ نہیں۔ سب اپنے ہی گھر والے اور جگر کے ٹکڑے ہیں تو وہ گھبرا گئے اور ان کو یہ یقین ہو گیا کہ محمدؐ کو اپنی صداقت پر پورا پورا یقین ہے اگر نزول عذاب کا ہلکا سا بھی خطرہ ہوتا تو ان لوگوں کو ساتھ لے کر نہ آتے۔

ان کے لارڈ پادری نے جو بہت بڑا عالم تھا اپنے ساتھیوں سے کہا:-

یَا قَوْمِ لَا تُبَاهِلُوْا بِهِمْ اِنِّیْ لَاَرٰی وُجُوْهًا لَوْ سَئَلُوا اللّٰهَ اَنْ یُّزِیْلَ الْجَبَلَ لَاَزَالَهٗ

(اے قوم ان سے مباہلہ نہ کرنا میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ خدا سے دعا کریں کہ پہاڑ کو جگہ سے ہٹا دے تو وہ ضرور ہٹا دے گا)

اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب کے سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ انہوں نے مباہلہ کا خیال ترک کیا اور اپنی ہار مان کر جزیہ دینا قبول کر لیا۔

جہاں تک اس آیت کی تاریخی حیثیت کا تعلق ہے ہم نے بہایت اختصار

کے ساتھ لکھ دیا۔ اب ہم اس سلسلے میں دیگر امور کو زیر بحث لاتے ہیں۔

۱۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں ایسی آیات آئی ہیں جن سے اہل بیت کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ مفسرین اہلسنت نے یا تو ان حضرات کے متعلق کچھ لکھا ہی نہیں اور اگر بہ مجبوری کچھ لکھنا پڑ ہی گیا ہے تو کوئی ایسی تاویل کی ہے کہ مقام فضیلت سے ہٹ کر معمولی بات رہ جاتی ہے یا پھر اہل بیت کے ساتھ دوسروں کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے تاکہ ان کی خصوصیت باقی نہ رہے۔ قرآن میں غالباً صرف ایک ہی آیت ایسی ہے جس میں ان حضرات کو کوئی تاویل کرتے نہیں بنی کیونکہ اب وہ زبانی بات نہ تھی بلکہ ایک عملی صورت بھی تھی جس کو ہزارہا آنکھوں نے دیکھا تھا۔

۲۔ آیت تطہیر کا مصداق تو ازواج رسول کو قرار دے لیا تھا لیکن مباہلہ میں ان مخدرات علیا کے لئے کوئی جگہ نہ نکال سکے۔ نکالتے تو جب کہ ان میں سے کوئی ایک حضور ؐ کے ساتھ گئی ہوتی۔

۳۔ کیا وجہ تھی کہ رسول ؐ نے ازواج کو ساتھ نہ لیا؟ یہاں تک کہ اس مقدس بی بی کو بھی (ام سلمہ) جس کے متعلق جب انہوں نے کسا میں داخل ہونا چاہا تھا یہ فرمایا تھا:۔ اَنتِ علی الخیر (تم نیک ہو) مگر تمہارے لئے اس چادر میں جگہ نہیں کیونکہ تم معصوم نہیں۔ مباہلہ میں تو آپ کے ساتھ صرف وہی لوگ تھے۔ جن کے تقدس، طہارت اور مستجاب الدعوات ہونے کے متعلق حضرت کو یقین تھا کہ میری دعا کی طرح ان کی آمین بھی بارگاہ باری میں قبول ہوگی کیونکہ میری طرح یہ سب معصوم ہیں۔

۴۔ آنحضرت ؐ نے اس بارے میں اس قدر احتیاط سے کام لیا تھا کہ مقام مباہلہ کے آس پاس رہنے کی بھی کسی صحابی کو اجازت نہ دی تھی تاکہ درصورت نصاریٰ پر عذاب نازل ہونے کے اصحاب میں سے کوئی اس کی لپیٹ میں آجائے۔

۵۔ آنحضرت ؐ میں دو جنبہ تھے۔ ایک بشری دوسرے نبوتی۔ بشریت کے

لحاظ سے آپ کے رشتہ دار اور تھے جو نسبی اور سببی دونوں قسم کے تھے اور نبوت و رسالت کے اعتبار سے اور تھے جن کے لئے معصوم ہونا شرط تھا۔ پس ابنائے محمدؐ اور تھے۔ ابنائے رسالت اور نساء محمدؐ اور تھیں۔ نساء رسالت اور نفس محمد اور تھا اور نفس رسالت اور۔ آیہ مباہلہ میں ایسے ہی لوگوں کو ساتھ لے جانے کا حکم تھا جن کا رشتہ رسالت سے تھا۔ ہاں اگر کہیں دعوت طعام ہوتی تو آپ گھر والوں میں سے سب کو یا جس کو چاہتے ساتھ لے جا سکتے تھے۔

۶۔ نصاریٰ نے مباہلہ سے اس لئے گریز کی کہ ان کو یقین ہو گیا تھا کہ محمدؐ خدا کے سچے رسول ہیں اور ان کو اپنی دعا کے قبول ہونے کا پورا پورا یقین ہے اگر ان کو اپنے اوپر بہ سبب کذب دعویٰ نزول عذاب کا ہلکا سا بھی خطرہ ہوتا تو اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ہرگز اپنے ساتھ لے کر نہ نکلتے۔

۷۔ نصاریٰ کا پادری بھی بڑی گہری نظر رکھنے والا انسان تھا جس نے چہرے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ سب خاصانِ خدا ہیں۔ مگر افسوس نہ پہچانا تو مسلمانوں نے۔

۸۔ نصاریٰ کی نظر کے سامنے صرف تین ہی چہرے تھے۔ ایک رسولؐ کا دوسرے دونو شہزادوں کے، فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا برقعہ میں تھیں۔ حضرت علی ان کے پیچھے تھے۔ لہٰذا ان کے چہرے ان نگاہوں کے سامنے نہ تھے۔ صرف اگلے چہرے دیکھ کر ہی اس نے اپنی رائے ظاہر کی تھی۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ اہل بیت میں سن و سال کی کوئی قید نہیں یہاں بلحاظ فضائل روحانی اور کمالات نفسانی تقدس و عصمت چھوٹے بڑے سب برابر ہیں۔ بڑے چھوٹے کا کوئی فرق نہیں۔ جیسا کہ خود حضورؐ نے فرمایا ہے۔

اَوَّلُنَا محمد۔ اَوْسَطُنَا محمد۔ آخِرُنَا محمد۔ کُلُّنَا محمد

۹۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے کون کہہ سکتا ہے کہ حسن و حسین علیہما السلام ابنائے رسول نہیں اگر نہیں تھے تو رسولؐ کیوں ساتھ لے گئے؟ اور مفہوم آیت کے خلاف غلط عملی صورت

کیوں پیش کی ۔ یہ توخدا کے علم میں تھا کہ رسول کا کوئی صلبی بیٹا موجود نہیں تو پھر ابناء نا
کا لفظ کیوں داخل آیت کیا جن کو بلانے کا حکم تھا جب وہ تھے ہی نہیں تو پھر کیوں
ان کے بلانے کا حکم دیا گیا ۔ لہٰذا معلوم ہوا حسنؑ و حسینؑ ابنائے رسول ہیں ۔
حضورؐ نے فرمایا ہے :۔ اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ ذُرِّیَّۃَ کُلِّ نَبِیٍّ فِی صُلْبِہٖ
وَ جَعَلَ ذُرِّیَّتِی فِی صُلْبِ عَلِیِّ بْنِ اَبِی طَالِب
(اللہ نے ہر نبی کی ذریت کو اس کے صلب میں قرار دیا ہے اور میری ذریت کو صلب
علی میں رکھا ہے) اس کو نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں ۔ قرآن تابوت سکینہ کے
متعلق کہتا ہے فِیْہِ بَقِیَّۃٌ مِّمَّا تَرَکَ آلُ مُوْسٰی وَ آلُ ھَارُوْنَ (یعنی اس میں
وہ تبرکات تھے جو بقیہ تھے ان چیزوں کا جن کو اولاد موسیٰ و ہارون نے چھوڑا تھا) کوئی بتائے
کہ جب موسیٰ لاولد تھے تو اس آیت میں ان کی اولاد کا کیوں ذکر ہے ۔ معلوم ہوا ۔ آلِ موسیٰ
سے مراد آلِ ہارون ہے ۔ پس جب وہاں بھائی اور وزیر کی اولاد اولادِ موسیٰ کہلائی
تو یہاں علی کی اولاد اولادِ رسول کیوں نہیں کہی جا سکتی ۔
یہ بھی کتنا غلط ہے کہ آیہ مباہلہ میں نساء کا اطلاق زوجہ پر ہوتا ہے اور
فاطمہ بیٹی تھیں اس کا فیصلہ تو قرآن نے پہلے ہی کر دیا ہے ۔ بنی اسرائیل کے قصہ
میں ہے یُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاءَکُمْ وَ یَسْتَحْیُوْنَ نِسَاءَکُمْ (وہ تمہارے
لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے) ظاہر ہے کہ
یہاں نساء سے مراد لڑکیاں ہیں جن کو پیدائش کے بعد زندہ چھوڑا جاتا تھا ازواج
بنی اسرائیل مراد نہیں ۔
علی کا نفس رسول ہونا لوگ تسلیم نہیں کرتے کہتے ہیں اَنْفُسَنَا سے مراد آیہ مباہلہ
میں خود نفس رسول ہیں ۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اگر نفس رسول مراد ہے تو رسول ایک فرد زائد
کو منشائے الٰہی کے خلاف اپنے ساتھ کیوں لے گئے اور خدا نے اس غلط عمل پر

ٹو کا کیوں نہیں۔ کیوں نہیں کہا کہ علی کو میرے کس حکم کے تحت ساتھ لئے جاتے ہو۔

(۱۰) کیسی مضحکہ خیز بات ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو دعوت میں بلائے اور وہ کہے کہ میں ضرور آؤں گا اور اپنے نفس کو بھی ساتھ لاؤں گا جبتک نفس کوئی شخص غیر نہ ہو ایسا کوئی نہیں کہتا پس اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ علی نفس رسول ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو صفات رسول میں تھیں وہی صفات علی میں تھیں۔ رسول نے علی کو کبھی اپنی ذات سے الگ نہیں سمجھا اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ نہ فرماتے۔

۱- انا و علیٌ من نورٍ واحد (میں اور علی ایک نور سے ہیں)

۲- علیٌ منّی و انا منہ (علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے)

۳- انا و علیٌ من شجرۃ واحدۃ (میں اور علی ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں)

۴- علیٌ منی بمنزلتِ الرأس من الجسد (علی کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو سر کو جسم سے ہوتی ہے)

۵ یا علی نفسک نفسی ودمک دمی ولحمک لحمی (اے علی تمھارا نفس میرا نفس ہے تمہارا خون میرا خون ہے تمھارا گوشت میرا گوشت ہے۔)

۶- یا علی حربک حربی وسلمک سلمی (تمہاری لڑائی میری لڑائی ہے اور تمہاری صلح میری صلح ہے)

(۱۱) جو نفس رسول ہو سب سے زیادہ خلافت رسول کا وہی اہل ہو سکتا ہے یہی ہمارا عقیدہ ہے ہم کسی کی مذمت کرنا طرز نگارش کے خلاف جانتے ہیں لیکن کسی کی فضیلت کو چھپانا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔

(۱۲) تھوڑی دیر کے لئے فرض کر لیجئے کہ ابناءنا و نساءنا و انفسنا کے مصداق نہ حسن و حسین ہیں نہ فاطمہ زہرا نہ علی مرتضٰی۔ لیکن یہ تو مسلّم ہے کہ ان کو اپنے ساتھ لے گئے تھے کیونکہ یہ ایک تاریخی واقعہ ہے اب سوال یہ ہے کہ ان حضرات کو ساتھ

لے کیوں گئے تھے۔ کیا ایک غیر قوم کو اپنے گھر کے چند آدمیوں کے سامنے نمائش کرنا تھی۔ آخر اس لے جانے کا مقصد کیا تھا۔ مباہلہ میں ان کی شرکت کس غرض سے تھی۔ دو چھوٹے چھوٹے بچوں کا مباہلہ سے کیا تعلق۔ ان کا لیجانا منشائے الٰہی کے مطابق تھا یا مخالف تھا اگر مخالف تھا تو رسول لے کیوں گئے اگر موافق تھا تو اللہ تعالیٰ نے بچوں کو لے جانے کا حکم کیوں دیا۔ مباہلہ کوئی کھیل تماشہ تو نہ تھا کہ خدا نے اپنے رسول کو حکم دیا ہو کہ اپنے بچوں کو بھی دکھاؤ وہ تو شان رسالت کا ہیبت ناک مظاہرہ تھا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ان بچوں کی شرکت کی اس میں ضرورت تھی۔

(۱۴) رسول نے بحکم خدا اپنے نور کے تمام اجزا کو اپنے ساتھ لے لیا تھا تاکہ اس نور کی جلالت شان سے فریق مخالف مرعوب ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نصاریٰ کے پادری نے ان کے چہرے دیکھتے ہی اپنی باطل پرستی اور ان حضرات کی حق پرستی کا اقرار کر لیا۔

۱۷۔ حَبلُ اللہ

پ۴ آل عمران ع ۱۱۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا
آیت ۱۰۳ (لوگو اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو)

کسی بلندی پر چڑھنے یا کسی پل پر گذرنے کے لئے لوگ رسی کا سہارا لیا کرتے ہیں۔ اگر رسی ساتھ لگی ہوئی ہے تو اسے پکڑ کر آسانی سے گزر جاتے ہیں گرنے کا خوف نہیں رہتا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ خدا کی رسی ایسی نہیں جیسی ہماری رسی ہوتی ہے ہماری رسی تو سن یا مونجھ وغیرہ کے ریشوں سے بٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اللہ کی رسی کو اس سے کیا تعلق۔ وہ تو کچھ اور ہی چیز ہے۔ محض ہمیں سمجھانے کے لئے مجازاً ایسا کہا گیا ہے ورنہ اس سے مراد وہ ہادی ہیں جن کے دامن سے تمسک کر کے لوگ نجات

کے راستہ پر چل سکیں اور گمراہی کے گڑھوں میں گرنے کا خطرہ جاتا رہے۔

صواعق محرقہ اور تفسیر ثعلبی میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہم اہل بیت خدا کی رسی ہیں جس کے تھامے رہنے کا سب کو حکم دیا گیا ہے۔ کسی دین میں مختلف فرقوں کا پایا جانا اس کی دلیل ہے کہ انہوں نے اپنے ہادی سے جو منصوص من اللہ ہے قطع تعلق کر لیا۔ اس وجہ سے وہ بھٹک کر فرقہ فرقہ ہو گئے۔ توریت ہو یا انجیل یا قرآن خدا کی طرف سے ان کی تعلیم دینے والے معین کر دیئے گئے تھے اگر ان کی ہدایت پر عمل ہوتا رہتا تو نہ یہودیوں میں اکہتر فرقے ہوتے نہ نصاریٰ میں بہتر اور نہ مسلمانوں میں تہتر۔ فرقہ بندی کا یہ وبال اس لئے قوموں پر آیا کہ خدا کی بتائی ہوئی رسی کو ہاتھ سے چھوڑ دیا۔ ظاہر ہے کہ کسی دین کے تمام فرقے تو ناجی نہیں ہو سکتے کیونکہ دو نقطوں کے درمیان سیدھا خط تو ایک ہی ہوتا ہے باقی سب ٹیڑھے ہوتے ہیں۔ حضورؐ نے بھی یہی فرمایا ہے "میرے بعد میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں ایک کے سوا سب ناری ہوں گے"۔ پس ہر دین والے کا فرض ہے کہ وہ اپنے تمام فرقوں میں ناجی فرقہ کو تلاش کرے۔

یہودیوں میں اکہتر فرقے اس لئے بنے کہ انہوں نے توریت کے ان عالموں کو چھوڑ کر جو من جانب اللہ ان کے ہادی تھے۔ امت موسیٰ کے عالموں کو جو احبار کہلاتے تھے اپنا پیشوا تسلیم کر لیا اور اولاد ہارون کی تعلیمات کو نہ صرف ترک کیا بلکہ اس کے خلاف عمل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اسی طرح نصاریٰ نے اوصیائے عیسیٰ علیہ السلام کی ہدایت کے دامن کو اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا اور پادریوں کی تعلیم پر عمل کرنے لگے اسلام میں بھی بدنصیبی سے یہی صورت پیش آئی۔

حضرت رسول خداؐ نے تو صاف صاف نجات کا راستہ حدیث ثقلین میں بتا دیا تھا

ایھا الناس اِنی تارکٌ فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی اھلبیتی اِن

تمسکتم بہما لن تضلوا بعدی و لن یفترقا حتی یردا علی الحوض

"لوگو! میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب دوسرے میری عترت میرے اہل بیت اگر تم نے ان دونو سے تمسک رکھا تو ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے تا آنیکہ روز قیامت حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں"

پس اگر مسلمان دامن اہل بیت کو مضبوطی سے پکڑے رہتے تو ایک ہی فرقہ ہوتا تہتر نہ ہوتے۔

مسلمان ذرا اس پر غور کریں کہ آخر اہل بیت سے کیا قصور ہوا جس کی بنا پر ان سے ترک تعلق کیا گیا۔

١۔ کیا حضرت علی نے سب سے زیادہ مشرکوں اور کافروں کو قتل نہیں کیا؟

٢۔ کیا انہوں نے غریب مسلمانوں کی سب سے زیادہ مدد نہیں کی۔

٣۔ کیا انہوں نے کسی بیگناہ کو قتل کیا تھا۔

٤۔ کیا انہوں نے کسی کے حق کو غصب کیا تھا۔

٥۔ کیا انہوں نے اپنے حق سے محروم رہ کر اپنے مخالفوں سے جنگ کی تھی۔

٦۔ کیا انہوں نے مصائب و آلام پر صبر و ضبط سے کام نہیں لیا تھا۔

٧۔ کیا انہوں نے کسی کی رہنمائی سے گریز کی تھی۔

٨۔ کیا کسی کو مشورہ دینے سے پہلو تہی کی تھی۔

٩۔ کیا وہ ظالم تھے۔ بدکار تھے۔ بدخصلت تھے۔ بے علم تھے۔ زرپرست تھے۔ دین سے برگشتہ تھے۔ عمل میں کمزور تھے۔

اگر یہ سب کچھ نہ تھا تو پھر ان سے بیزاری کی وجہ ان سے عداوت رکھنے کا سبب کیا ہوا۔ قرآن مجید تو اختلاف مٹانے کے لئے نازل ہوا تھا نہ کہ اختلاف پیدا کرنے

کے لیے اس نے تہتّر فرقے نہیں بتائے بلکہ اس کا حکم تو یہ ہے کہ فرقہ بندی نہ کرو سب متحد و متفق ہو کر دین خدا کی خدمت کرو۔ بھائی بھائی بن کر رہو۔ جب سب مسلمانوں کا خدا ایک ہے رسول ایک ہے کتاب ایک ہے قبلہ ایک ہے پھر اس میں کیا راز ہے کہ سب ایک راستے پر چلتے نظر نہیں آتے۔ سب ایک رسی کو پکڑے ہوئے نہیں۔ یہ اختلاف علمائے امت کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس سے زیادہ بدنصیبی کیا ہو گی کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہ رہی جس کی تفسیر، تاویل یا معنی و مفہوم میں علمائے اسلام کا اختلاف نہ ہو۔ قرآن نے تو یہ بتایا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (مومن آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں) پھر یہ بھائی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے کیوں ہیں۔ ان میں آئے دن جھگڑا ٹنٹا کیوں ہے۔ ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ کیوں لگا رہا ہے۔ سب قرآن پڑھ رہے ہیں پھر بھی یہ اختلاف کہ نماز جو فروع دین میں سب سے اہم فریضہ ہے ستر طریقے سے پڑھی جا رہی ہے کوئی ہاتھ باندھتا ہے کوئی کھولتا ہے کوئی تکبیر میں رفع یدین کرتا ہے کوئی نہیں۔ کوئی گھٹنوں کے بل بیٹھتا ہے کوئی ہاتھوں کے بل۔ کوئی ناف پر ہاتھ باندھتا ہے کوئی ذرا اوپر۔ کوئی گھٹنوں پر زور دے کر اٹھتا ہے کوئی ہاتھوں پر۔ کوئی الحمد کو جزو سورہ سمجھتا ہے کوئی نہیں وغیرہ وغیرہ۔

آخر سوچو تو ہمارے سروں پر یہ بلا کہاں سے مسلط ہوئی جس نے ہمارے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دیا اس کا جواب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ ہم سے وہ راستہ چھوٹ گیا جس پر چلنے کا رسول نے حکم دیا تھا ہم نے ان کو چھوڑا جن سے علم و عمل لینے کا حکم تھا اور ان کا دامن پکڑا جو شرعی حیثیت سے ذمہ دار نہ تھے۔

۱۸- جنگِ اُحُد

پ۴ آل عمران ۶/۴:- اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْكُمْ
آیت ۱۵۳ :- فِیْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ
اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔

(اس وقت کو یاد کرو) جب تم (بدحواس) بھاگے پہاڑ پر چلے جارہے تھے اور باوجودیکہ رسول تمہارے پیچھے کھڑے تم کو بلا رہے تھے مگر تم (جان کے خوف سے) کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے چونکہ تم نے رسول کو آزردہ کیا، خدا نے تم کو اس رنج کی سزا (شکست) کا رنج دیا تاکہ جب کبھی تمہاری کوئی چیز ہاتھ سے جاتی رہے یا کوئی مصیبت آپڑے تو تم رنج نہ کرو (صبر کرنا سیکھو) اور تم جو کچھ کرتے ہو خدا اس کو جانتا ہے)

ان آیات کا جہاں تک تاریخی واقعہ سے تعلق ہے مختصراً یہ ہے۔

جنگ بدر کی شکست کے بعد کفار قریش کے سینوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی لہٰذا اگلے سال وہ جنگ کے لئے مقام اُحد میں جو مدینہ کے قریب ہے جمع ہوئے۔ یہ مقام ایک پہاڑی سلسلہ میں ہے۔ جس گھاٹی سے دشمن کے آنے کا امکان تھا، حضورؐ نے وہاں پچاس آدمیوں کا ایک دستہ کھڑا کر دیا تھا اور تاکید ان سے کہہ دیا تھا کہ چاہے کوئی صورت بھی ہو تم یہاں سے ایک قدم نہ ہٹنا۔

جب مسلمانوں کو کفار پر غلبہ ہوا تو انہوں نے غارت گری شروع کر دی۔ یہ صورت دیکھ کر درہ والوں نے درّہ چھوڑ دیا اور لوٹ مار میں شریک ہونے لگے۔ خالد بن ولید جو درہ کے عقب میں ایک ہزار فوج سے کھڑا تھا۔ درہ خالی دیکھ کر میدان جنگ میں آگیا اور پیچھے سے مسلمانوں پر ایسا سخت حملہ کیا کہ ان کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے اور بے تحاشا بھاگنا شروع کیا جس کا منہ جدھر اٹھا چل نکلا۔ بعض لوگ پہاڑ پر

چڑھے جا رہے تھے بعض کا رُخ میدان کی طرف تھا۔ سرکار دو عالم نام لے لیکر انہیں پکار رہے تھے اور کہتے تھے اپنے رسول کو چھوڑ کر کہاں بھاگے جا رہے ہو مگر جان سب سے پیاری چیز تھی کون سنتا آخر اچھی خاصی فتح شکست سے بدل گئی۔ چونکہ یہ کتاب مناظرہ کی نہیں اس لئے ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کون بھاگا اور کدھر بھاگا۔ جتنا قرآن نے بیان کیا ہے ہم نے اتنا ہی بیان کر دیا ہے۔ اقبال کا یہ مصرعہ ضرور لکھنے کو دل چاہتا ہے ؎

مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

بہر حال جو جس نے کیا وہ جانے اور اس کا خدا جانے۔ ہمیں تو صرف ان لوگوں کی شجاعت اسلام دوستی اور رسول سے پرخلوص وفاداری کا ذکر کرنا ہے جو بھاگے نہ تھے اور جنہوں نے خدا کے رسولؐ کی انتہائی خطرہ میں جان بچائی اور سر بکف ہو کر میدان جنگ میں ڈٹے رہے دشمن نے موقع پا کر آنحضرتؐ پر حملہ کیا۔ حضرت زخمی ہو گئے اور ایک پتھر کی ضرب سے دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ آپ اس حالت میں ایک نشیبی مقام پر جا کر بیٹھ گئے۔ دشمن نے آواز بلند کی۔ قد قتل محمد محمد قتل کر دیے گئے، اس سے مسلمانوں میں اور زیادہ اضطراب و انتشار پھیل گیا۔ کچھ لوگ بھاگے ہوئے مدینہ پہنچے۔ جب اس خبر کو جناب فاطمہؑ نے سنا تو وہ بصد اضطراب میدان احد کی طرف گئیں اور جس طرح بنا خود کو آنحضرتؐ تک پہنچایا۔ جناب فاطمہ کے دل پر اس وقت کیا گزر رہی ہوگی۔ کس کی زبان یا قلم میں طاقت ہے کہ اسے بیان کر سکے۔ زار زار رو رہی تھیں۔ اس نازک موقع پر حضرت علیؑ نے اسلام اور رسول کی جو گراں قدر خدمت انجام دی مسلمان چاہیں تو اس پر خاک ڈال دیں لیکن خدا اور رسول تو اسے نہیں بھلا سکتے۔ حضرت علی کبھی تو شیر کی طرح دشمن پر لپکتے تھے اور شجاعانہ انداز میں اس سے جنگ کرتے تھے۔ جب وہ دور تک بھاگ جاتا تھا تو نہایت سُرعت کے ساتھ وہاں سے اس مقام پر آتے جہاں آنحضرتؐ تھے۔ اپنی

ڈھال میں بھر کر پانی لاتے اور جناب سیدہ سے کہتے میں پانی زخموں پر ڈالوں آپ آہستہ آہستہ زخموں کو دھوتیں۔ ایسا کام کئی بار ہوا۔ دشمن کی طاقت نہ تھی کہ آنحضرتؐ کے قریب آ سکے۔ جب کوئی آگے بڑھتا آپ تیزی سے اس کی طرف جاتے اور اسے قتل کر کے واپس آتے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس موقع پر تیس دشمن علی کی تلوار سے ہلاک ہوئے جو میدان جنگ میں قتل کئے وہ اس میں شامل نہیں۔

اگر خدانخواستہ اس اوقت ذرا سی کوتاہی نصرت میں ہو جاتی تو رسول کا خاتمہ یقینی امر تھا اور جب رسول ہی نہ رہتے تو اسلام کیا رہتا۔ انصاف پسند مؤرخوں نے ان واقعات کو بیان کر کے حضرت علی کی شجاعت کی تعریف کی ہے

جب آنحضرتؐ کے زخموں سے خون آنا بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہ نے بوریے کا ایک ٹکڑا جلا کر آپ کے زخموں میں بھرا اور حضرت علی نے اس پر پٹی باندھی۔ تب حضورؐ کو قدرے سکون ہوا۔ جبریل امین نازل ہوتے اور کہنے لگے :۔ یا رسول اللہ ان ھذ الھی المواسَاۃ (اے رسول سچی ہمدردی اسے کہتے ہیں) حضرتؐ نے فرمایا کیوں نہ ہو۔ علیؑ مِنی وَانا مِن عَلیؑ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوںؑ) جبریل نے کہا میں آپ دونوں سے ہوں۔

یہی وہ جنگ تھی کہ علی علیہ السلام کی شجاعت کی تعریف میں مابین زمین و آسمان یہ آواز گونجی۔ لَافَتیٰ اِلَّا عَلیؑ وَلَا سَیفَ اِلَّا ذُوالفقار (علی جیسا بہادر نہیں اور ذوالفقار جیسی تلوار نہیں)

یہی وہ جنگ تھی کہ مؤرخین کے بیان کے مطابق علی علیہ السلام کی تلوار دو بار خم ہوئی اور آپ نے زانو سے دبا کر سیدھا کیا اور ایک روایت میں ہے کہ جناب سیدہؑ نے سیدھا کیا۔ اس واقعہ کو امیر المومنین علیہ السلام نے بطور احتجاج مہاجرین و انصار کے مجمع میں پیش کر کے فرمایا تھا۔ اے گروہ مہاجرین و انصار تم کہتے

جلد میری اس خدمت کو بھول گئے۔ تم میں سے اکثر رسول خدا کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے اگر میں حضرت کی نصرت نہ کرتا تو تم نے تو قتل ہونے کے لئے چھوڑ ہی دیا تھا میں ہی اس روز آنحضرتؐ کی جان کا محافظ تھا۔

جب آنحضرتؐ کو ذرا سکون ہوا تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا اے علی بھاگنے والوں کے ساتھ تم کیوں نہ بھاگے۔ عرض کی یا رسول اللہؐ کیا ایمان لانے کے بعد میں پھر کافر ہو جاتا۔ اس جواب سے معلوم ہوا کہ اس روز میدان جنگ کو چھوڑنا کفر تھا کیونکہ رسول اور اسلام پر اس سے زیادہ سخت دن کبھی نہیں گذرا۔

واقعہ کی نوعیت آپ کے سامنے ہے۔ لہٰذا حسب ذیل سوالات کا جواب سوچیے

۱۔ کیا علی علیہ السلام کا جم کر لڑنا ان کی کوئی قابل قدر خدمت نہ تھی اگر تھی تو مسلمانوں نے اس کی کیا قدر کی؟

۲۔ کیا رسول کی جان بچانے سے زیادہ اسلام کی کوئی اہم خدمت ہو سکتی تھی

۳۔ جو میدان چھوڑ کر بھاگے ان کو آپ کیا سمجھتے ہیں؟

۴۔ جو لوگ میدان چھوڑ گئے تھے آپ کے نزدیک ان کو کیا سزا ملنی چاہیئے؟

۵۔ آپ کے نزدیک یہ کس قسم کے مسلمان تھے؟

۶۔ کیا آپ کو ایسے لوگوں سے اپنی عقیدت وابستہ رکھنی چاہیئے؟

۱۹۔ آل ابراہیم سے حسد

پ ۵ النساء ع ۸ :- اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ
آیت ۵۴ - اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ہ

(خدا نے اپنے فضل سے تم لوگوں کو (قرآن) عطا فرمایا ہے لوگ اس پر رشک

کیئے چلے جارہے ہیں (تو اس کا کیا علاج) ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور عقل کی باتیں عطا فرمائی ہیں اور ان کو بہت بڑی سلطنت بھی دی ان میں سے کچھ تو ایمان لے آئے اور کچھ لوگوں نے انکار کیا تو جہنم کے شعلے ان کے لئے کافی ہیں)

اس آیت میں چند باتیں قابل بیان ہیں۔

(۱) نفسیاتی بیماریوں میں حسد سب سے بڑی بیماری ہے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس سے پناہ مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے مگر دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ انسانوں کی اکثریت اس خبیث مرض میں مبتلا ہے۔ حاسد ایمان سے خارج ہو جاتا ہے بالخصوص جب کہ محسود کو نقصان پہنچانا مقصود ہو۔

(۲) مذکورہ بالا آیت نے یہ بتایا ہے کہ حاسدوں کو حسد صرف اس وجہ سے تھا کہ اللہ نے کچھ لوگوں کو اپنے فضل سے کچھ نعمتیں دے رکھی تھیں جن سے حاسد محروم تھے۔

(۳) یہ محسود لوگ اولاد ابراہیم سے صرف وہی لوگ تھے جو دولت ایمان سے مالا مال تھے۔

(۴) جن پر لوگوں کو حسد تھا وہ اللہ کی دی ہوئی تین نعمتیں تھیں۔ اول کتاب دوسرے حکمت تیسرے ملک عظیم پر حکومت۔

سوال یہ ہے کہ یہ کون لوگ تھے ان کا تعین و تشخص ہونا چاہیئے کیونکہ اولاد ابراہیم میں تو بہت سے انبیاء ایسے گزرے ہیں جن کو خدا نے اپنے فضل سے یہ نعمتیں دی تھیں پس اس آیت میں کیا سب مراد ہیں۔

(۵) نسل ابراہیم کا سلسلہ ان کے دو صاحبزادوں سے چلا۔ ایک نسل جناب اسحاق سے چلی جن میں سے بہت سے انبیاء ہوئے اور دوسری جناب اسمٰعیل سے۔ جن میں صرف ایک نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ ہوئے۔

(۶) نسل اسحاق میں جن کو بادشاہت ملی وہ جناب داؤد و سلیمان و یوسف ہیں لیکن ان حضرات کی حکومت کا دائرہ اتنا وسیع نہ تھا جس کو ملک عظیم کہا جائے

دنیا میں بہت سے بادشاہ ہوئے ہیں اور اب بھی ہیں جن کی حکومت کئی کئی ملکوں پر رہی ہے ان کے مقابل مذکورہ انبیاء کی سلطنت وحکومت کو ملک عظیم کیسے کہا جا سکتا ہے

(۹) لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ نسل ابراہیم میں ضرور ایسے لوگ تھے جو سلطنت عظیم کے مالک تھے۔ دنیا میں بےشمار سلطنتیں قائم ہوئیں اور ختم ہوگئیں اور ان میں سے کسی کو بڑی سلطنت اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ کبھی کوئی سلطنت بڑی ہوئی کبھی کوئی۔ یہ تو مادی سلطنتوں میں بلحاظ جغرافیہ ہوتا ہی رہتا ہے۔ سلطنت عظیم تو وہی ہو سکتی ہے جس کو دوام وثبات ہو اور تمام عالم اس کے زیر نگیں ہو۔ تمام اقوام پر اللہ نے اس کے حکمران کو صاحب حکومت بنایا ہو اور اس کی اطاعت کو واجب کیا ہو۔ ایسی سلطنت وحکومت مادی نہیں ہو سکتی بلکہ روحانی ہوگی۔

اللہ کے بعد ایسی حکومت عامہ حضرت رسول خدا کو عطا ہوئی اور رسول کے بعد اس گروہ کو ملی جو اولی الامر کہلاتا ہے۔ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم

ابوالحسن مغازلی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اس آیت میں الناس سے مراد عام لوگ نہیں بلکہ مخصوص ہم اہلبیت پیغمبر ہیں۔ جن پر لوگ رشک وحسد کرتے ہیں۔ صواعق محرقہ میں بھی فضائل اہل بیت کے بارے میں بھی یہی ظاہر کیا گیا ہے۔ تفسیر صافی میں کافی اور تفسیر عیاشی کے حوالے سے لکھا ہے کہ آئمہ علیہم السلام نے فرمایا ہے کہ وہ محسود ہم ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو اپنا فضل عطا کیا ہے اور مراد فضل سے درجہ امامت ہے۔

تفسیر قمی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ اس آیت میں الکتاب سے مراد نبوت اور الحکمہ سے مراد فہم اور قضا (معاملات میں انصاف کرنا) اور ملک عظیم سے مراد اطاعت واجبہ ہے یعنی محمد و آل محمد کی اطاعت کو خدا نے تمام بنی نوع انسان پر واجب کیا ہے ان کی اطاعت کرنے والا رستگار قرار پائے گا اور نافرمانی

maablib.org

کرنے والا داخل جہنم ہوگا۔ دنیا میں قیامت تک جتنی قومیں آئیں گی خواہ وہ کسی خطہ زمین سے متعلق ہوں ان پر اہل بیت رسول کی اطاعت واجب ہوگی۔ اس سے بڑی سلطنت اور کیا ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا تین نعمتوں کو اپنا فضل کہا ہے اس کی توضیح سنیئے۔

الف۔ علم کتاب عطا کرنا سب سے بڑا فضل ہے۔ آنحضرتؐ کے بعد قرآن مجید کا سب سے بڑا عالم علی بن ابیطالب کے سوا کوئی نہ تھا نہ ہے نہ ہوگا۔ عام لوگوں کا کیا ذکر، آنحضرتؐ کے اصحاب کبار میں سے بھی کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں کل کتاب کا عالم ہوں یا میں من عندہ علم الکتاب کا مصداق ہوں اور اگر کسی نے اپنے زعم ناقص میں ایسا سمجھا بھی ہو تو وہ ثابت نہیں کر سکا۔ صرف علی علیہ السلام ہی ایسے شخص تھے۔ جنہوں نے بے خوف و بے جھجک برسر منبر فرمایا۔ سَلُونی قبلَ ان تفقدونی مرنے سے پہلے جو چاہو مجھ سے پوچھ لو) علی کو اپنے اس قول پر پورا اعتماد تھا۔ آج تک کسی نے علی کے سوا یہ دعویٰ نہیں کیا۔ علی ہی وہ تھے جنہوں نے برسر منبر ہزارہا آدمیوں کے سامنے فرمایا:۔ واللہِ لَو ثُنِیَت لِیَ الوِسَادَۃُ ثُمَّ اُجلِستُ عَلَیھَا لحکمتُ بَینَ اھلِ التّوراۃِ بِتَورٰیتِھِم وَبَینَ اَھلِ الانجیلِ بِانجیلِھِم وَبَینَ اَھلِ القرآنِ بِقرآنِھِم حتّی یُنادی کُلُّ کتابٍ حکمَ فیَّ علیُّ بنُ ابی طالبٍ بحکمِ اللہ

(خدا کی قسم اگر میرے لئے مسند حکومت بچھا دی جائے اور مجھے اس پر بٹھایا جائے تو میں اہل توریت کے درمیان توریت سے حکم کروں گا اور اہل انجیل کے درمیان انجیل سے اور اہل قرآن کے درمیان قرآن سے۔ یہاں تک کہ ہر کتاب اپنے منہ سے بول اٹھے گی کہ علی نے ہمارے بارے میں وہی حکم کیا ہے جو اللہ کا حکم ہے)

حضرت کے اس قول سے معلوم ہوا کہ آپ نہ صرف قرآن کے پورے پورے عالم تھے بلکہ تمام کتب آسمانی کا علم آپ کے سینہ میں تھا۔ علی کے سوا یہ دعویٰ بھی

آج تک کسی نے نہیں کیا نہ کر سکتا ہے نہ کر سکے گا۔ اس کی آزمائش بار بار کی گئی لوگوں نے بڑے بڑے مشکل سوال آپ سے کئے جس کے جواب دے کر ان کو ساکت کیا۔ یہ سوالات کرنے والے نہ صرف مسلمان تھے بلکہ یہود و نصاریٰ اور زندیق بھی تھے

(ب) اب رہا دوسرا افضل یعنی حکمت تو یہ بھی بقول رسول علی سے مخصوص ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے انا دار الحکمۃ وعلیٌ بابہا (میں حکمت کا گھر ہوں علی اس کے دروازہ ہیں) حکمت کی دو قسمیں ہیں ایک حکمت نظری دوسرے حکمت عملی حکمت نظری کا تعلق علم سے ہوتا ہے۔ جس کا بیان مختصراً اوپر ہو چکا دوسرے حکمت عملی۔ اس میں بھی علی کا رتبہ سب سے اعلیٰ ہے۔ جس طرح نظریات میں غلطیاں ہوتی ہیں اور وہ بدلتے رہتے ہیں اسی طرح عمل میں بھی غلطیاں ہوتی ہیں اور ان میں تبدل و تغیر ہوتا رہتا ہے لیکن علی کے عمل میں اس تبدیلی کو راہ نہیں ان کے کسی عمل پر نہ خدا نے ٹوکا نہ رسول نے بلکہ ان کے ہر عمل کی تعریف و تصدیق میں آیات الٰہی نازل ہوتی رہیں۔

ج:- اب رہا تیسرا افضل وہ ملک عظیم پر حکومت ہے۔ دنیوی حکومتیں چند روز رہتی ہیں اور ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن علی کی حکومت اہل ایمان کے قلب پر آج تک چلی آتی ہے بلکہ وہ جزو ایمان بن گئی ہے۔ اس حکومت کی وسعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ علی کا دست تصرف تمام کائنات پر پھیلا ہوا ہے۔ آسمانوں سے لے کر زمین تک خدا کی کونسی مخلوق ایسی ہے جس نے اطاعت علی سے روگردانی کی ہو۔ چونکہ ایسے معجزات کا بیان باعث طول ہو گا۔ لہٰذا ان کو ترک کیا جاتا ہے۔

علامہ ہاشم بحرینی نے ایک ضخیم کتاب ان معجزات کے متعلق لکھی ہے جس کا نام مدینۃ المعاجز ہے۔ یہی تھیں وہ فضیلتیں جن پر ہر زمانہ کے لوگ اہل بیت رسول پر حسد کرتے رہے۔

---

۲۰ - اُولی الامر کون ہیں

پ۵ النساء ع ۸ - یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ
آیت ۵۹ :- وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ
شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا

(اے ایمان دارو خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے صاحبان امر ہوں انکی - اگر تم آپس میں کسی بات پر جھگڑا کرو تو اگر تم خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھنے والے ہو تو اس امر میں خدا اور رسول کی طرف رجوع کرو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا)

اس آیت میں حسب ذیل امور پر غور کیجئے -

(۱) یہ حکم کسی خاص وقت یا زمانہ کے لئے نہیں بلکہ جب تک دنیا میں اسلام قائم ہے اور فضائے عالم میں اہل ایمان سانس لے رہے ہیں یہ حکم ان سے متعلق رہے گا -

(۲) اس آیت میں لفظ اطیعوا دوبار لایا گیا ہے - ایک اللہ کی اطاعت کے لئے دوسرے رسول اور اولی الامر کی اطاعت کے لئے جس سے معلوم ہوا کہ رسول اور اولی الامر کی اطاعت بالکل ایک ہے - ذرہ برابر فرق نہیں - فرق ہوتا تو اولی الامر سے پہلے ایک اطیعوا کا اور ذکر کیا جاتا -

(۳) اولی الامر کی اطاعت اطاعت خدا و رسول کی طرح اطاعت مطلقہ ہے مقیدہ نہیں - یعنی ہر وقت اور ہر حالت میں جس طرح خدا و رسول کی اطاعت فرض ہے اسی طرح اولی الامر کی اطاعت بھی فرض ہے -

(۴) اطاعت مطلقہ معصوم کے سوا کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اولی الامر کا معصوم ہونا ضروری ہے کیونکہ عدل الٰہی کے خلاف ہے کہ وہ غیر معصوم کی اطاعت مطلقہ کا حکم دے۔

(۵) اگر اطاعت اولی الامر کو غیر مطلقہ فرض کر لیا جائے تو پھر رسُول کی اطاعت کو بھی ویسا ہی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ دونو اطاعتیں ایک ہی ہیں اطیعوا کے تحت ہیں۔

(۶) یہ اطاعت عام ہے کسی خاص طبقہ سے متعلق نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اولی الامر سے مراد کون لوگ ہیں۔ اس کے تعین میں مفسرین کا بےحد اختلاف ہے۔ زیادہ تر رجحان اس طرف ہے کہ اولی الامر سے مراد بادشاہان دنیا ہیں۔ لیکن اگر یہ تفسیر صحیح مان لی جائے تو اسلام کا بیڑا ہی غرق ہو جائے گا کیونکہ دنیا میں بادشاہ تو مختلف عقائد کے ہوتے ہیں۔ مسلمان۔ نصرانی، یہودی مجوسی۔ ہندو۔ بودھ۔ اگر مسلمان ان کی اطاعت پر مجبور کئے جائیں تو پھر اسلام کہاں باقی رہے گا۔ سلاطین کے عقائد باطلہ کے تحت حلقۂ اطاعت میں بسر کرنے والے کیوں کر مسلمان کہے جائیں گے۔ ان کی اطاعت میں تو منہیات شرعیہ بجا لانے پڑیں گے بلکہ توحید و رسالت و قیامت کے عقیدہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا اور درصورت انکار ان کی اطاعت اطاعت مطلقہ نہ رہے گی حالانکہ آیت میں اولی الامر کی اطاعت مطلقہ کا حکم ہے۔

اگر بالفرض مسلمان بادشاہ ہی مقصود ہوں تو ان کی بدکرداریوں کے سایہ میں جو اطاعت ہو گی سمجھ لیجئے وہ کیسی ہو گی۔ بہرصورت ان کے ظلم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہو گا اور ان کی بدکرداریوں کو سراہنا پڑے گا بلکہ ان کے نقش قدم پر چلنا پڑے گا ورنہ تختہ دار اور تلوار کی دھار کے لئے آمادہ ہونا پڑے گا۔

پھر مسلمان تو تہتّر فرقوں میں منقسم ہیں اور ہر فرقہ کے عقائد جداگانہ ہیں پھر یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ بادشاہتیں بدلتی رہتی ہیں۔ لہٰذا ان کے ساتھ رعایا کو بھی اپنے عقائد بدلنا ہوں گے۔ غور کیجئے اس صورت میں اسلام کی کیا گت بنے گی۔

بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ اولی الامر علمائے اسلام ہیں۔ لیکن علما کے درمیان تو سخت اختلاف ہے۔ اسلام کے تہتر فرقے ہیں اور ہر فرقہ کی جداگانہ تفسیر ہے اور جداگانہ فقہ۔ پھر ان میں سے کس فرقہ کی اطاعت، اطاعت مطلقہ سمجھی جائے گی۔ بعض نے کہا ہے کہ اولی الامر سے مراد امرائے سرایا ہیں لیکن یہ بھی درست نہیں کیوں کہ وہ معصوم نہ تھے ان سے غلطیاں سرزد ہو رہی تھیں۔ جن کا پتہ تاریخ کے مطالعہ سے چل سکتا ہے۔ نیز یہ حکم ہے قیامت تک کے لئے امرائے سرایا اب کہاں۔ اب رسول کے ساتھ کس کی اطاعت مانی جائے۔

بعض نے کہا ہے اولی الامر سے مراد صحابہ ہیں۔ لیکن یہ بھی درست نہیں کیونکہ صحابہ کے درمیان بھی اختلاف ہے۔ مثلاً حضرت علی ابن عباس اور جابر بن عبد اللہ انصاری متعہ کو حلال جانتے تھے لیکن حضرت عمر نے اسے حرام کر دیا۔ اب ان میں سے کون اولی الامر کی اطاعت کی جائے اور درصورت اختلاف وہ اطاعت مطلقہ کیسے کہی جائے گی۔

تفسیر کبیر میں ہے کہ اگر اولی الامر سے مراد مخصوص افراد ہوتے تو رسول ضرور ان کی نشاندہی کرتے لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں۔ نشاندہی تو بار بار کرا دی گئی زبان سے کہہ کر بھی اور اپنے ساتھ شریک عمل کر کے بھی۔ اس پر بھی اگر کوئی نہ مانے تو کیا علاج امام رازی کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ اولی الامر کے لئے چونکہ عصمت کا ہونا ضروری ہے اور انفرادی حیثیت میں امت کے درمیان کوئی فرد معصوم نہ تھی لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ اس سے مراد جماع امت ہے۔ یعنی ارباب حل وعقد جب سر جوڑ کر بیٹھیں گے

توان کا فیصلہ عصمت کا درجہ حاصل کرلے گا اور امت پر اس کی اطاعت واجب ہوجائیگی یہ بات بھی عقل میں نہیں آتی۔ جب ارباب حل وعقد یعنی علمائے امت فرداً فرداً معصوم نہیں توایک جگہ جمع ہوجانے سے ان میں قدوسیت کیسے پیدا ہوجائے گی۔ اوران کا فیصلہ ایک معصوم کا سا فیصلہ کیسے سمجھا جائے گا۔ دس جاہل مل کر عالم کیسے بن سکتے ہیں۔ دس اندھے جمع ہوجائیں توان میں بینائی کیسے پیدا ہوجائے گی۔

دوسرے اگر ارباب حل وعقد ایک ہی مسلک کے ہوں تو دوسرے مذاہب والے ان کا فیصلہ کیسے قبول کریں گے اوران کی اطاعت مطلقہ پر کیسے راضی ہوجائیں گے۔ اس صورت میں توان کو اپنے مذہب سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ تجربہ بتاتا ہے کہ جو حکمران غیر معصوم ہیں۔ رعایا کوان کے عمل سے بے شمار شکایات پیدا ہوتی ہیں۔ جن کو باجماع امت وہ اپنا حاکم بناتے ہیں اور ارباب حل وعقد کاان کی بادشاہت پر اجماع ہوجاتا ہے۔ لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے ووٹ ان کو مل جاتے ہیں۔ انہی کو کچھ دنوں بعد تخت سے اتار دیا جاتا ہے اور ارباب حل وعقد کا فیصلہ منسوخ ہوجاتا ہے یہ کہانی ان لوگوں کی ہے۔ جن کو بندے اپنی رائے سے بناتے ہیں۔ کون پوچھے کہ امت کے بکثرت افراد نے جمع ہوکر جو فیصلہ کیا تھا اس میں عصمت کیوں نہ پیدا ہوئی۔ البتہ جو خدا کے بنائے ہوئے اولی الامر ہوتے ہیں وہ رسول کی طرح کبھی معزول نہیں ہوتے۔ بندے چاہے ان کی اطاعت کریں یا نہ کریں۔ جیسے خدا کی خدائی کوئی نہیں چھین سکتا۔ اسی طرح رسول کی رسالت اور امام کی امامت بھی چھن جانے کی چیز نہیں۔ اس سے سمجھ میں آتا ہے کہ بندوں کے بنائے ہوئے اور خدا کے بنائے ہوئے ولی امر میں کیا فرق ہوتا ہے۔ ہر زمانہ میں ایک ولی امر کا پایا جانا ضروری ہے تاکہ رسول کی طرح لوگ اس کی اطاعت مطلقہ کا قلادہ اپنی گردن میں ڈالیں۔

اولی الامر کے معنی صرف دنیوی حکومت بادشاہی یا سرداری کے نہیں بلکہ دنیوی

اور دینی، ظاہری اور باطنی۔ جسمانی اور روحانی ہر طرح کی حکومت من جانب اللہ اس کے لئے ہوتی ہے وہ احکام الٰہی کو ہر شب قدر میں لیتا ہے۔ فرشتے اس کے پاس آتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ قدر میں ہے:۔ تنزل الملٰئکۃ والروح باذن ربھم من کل امر (یعنی ملائکہ اور روح ہر شب قدر کو اپنے رب کے حکم سے ہر امر کو لے کر نازل ہوتے ہیں)

جب شب قدر ہر سال آتی ہے تو کوئی ہمیں بتائے کہ اگر اس دنیا میں کوئی صاحب امر اور ولی امر معصوم نہیں تو فرشتے آتے کس کے پاس ہیں۔ کیا صحابہ۔ تابعین یا تبع تابعین علمائے زمانہ میں سے کسی نے آج تک یہ دعویٰ کیا کہ شب قدر کو فرشتے میرے پاس آتے تھے اور یہ احکام لے کر آتے تھے۔ سوائے ولی عصر حضرت حجت امام مہدی آخر الزمان کے اور کسی کے پاس فرشتے نہیں جا سکتے۔ غیر معصوم کے پاس احکام ربانی نہیں بھیجے جا سکتے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اولی الامر اہلبیت رسول ہیں جن کی اطاعت رسول کی اطاعت کی طرح اطاعت مطلقہ ہے یعنی ہر بات میں امت پر ان کی اطاعت فرض ہے جو کوئی ایسا نہ کرے گا اس کے تمام اعمال حبط کر لئے جائیں گے۔

"زمانہ حجت خدا سے کبھی خالی نہیں رہ سکتا۔ اگر تمام دنیا ختم ہو جائے اور بالفرض صرف دو آدمی رہ جائیں تو بھی ان میں سے ایک حجت خدا ہو گا"

یہی ولی عصر ولی خدا نائب رسول خدا کا معصوم بندہ حکومت ظاہری کا مستحق ہے ورنہ غیر معصوم نہ ادائے امانات کا ذمہ دار ہو سکتا ہے نہ رعایا کے معاملات میں انصاف سے کام کر سکتا ہے نہ حقوق اللہ اور حقوق الناس کی حفاظت کر سکتا ہے جس سے غلطی کا صدور ممکن ہے جو سہو و نسیان کی زد میں آیا ہوا ہے۔ جو اپنے نفس پر خود قابو نہیں رکھتا وہ دوسروں کے لئے ہادی برحق اور ولی مطلق کیسے ہو سکتا ہے اور اس کی اطاعت مطلقہ کا قلادہ تمام امت کی گردن میں کیسے ڈالا جا سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ لوگوں نے حقیقی اولی الامر کو حکومت کا موقع ہی نہ دیا اور ہمیشہ ان کی جگہ خطا کاروں کو اپنا حکمران تسلیم کرتے رہے اور اولی الامر کی اطاعت مطلقہ سے اپنے کو الگ کئے رہے۔

ولی امر وہ ہوتا ہے جو کسی سوال کے جواب میں یہ نہ کہے لا ادری (میں نہیں جانتا) اور کسی قضیہ کے فیصلہ کرنے میں کبھی نہ تو اپنے عجز و قصور کا اظہار کرے اور نہ کوئی غلط فیصلہ کرے۔ حضرت علی نے خلفائے ثلثہ کے زمانہ میں اور اپنے زمانہ میں بے شمار قضایا فیصل کئے۔ لیکن کبھی کوئی غلطی ان سے سرزد ہوئی۔ حضرت عمر نے لولا علیٌ لھلک عمر (اگر علی نے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا تو عمر ہلاک ہو جاتا) خود اس کا اقرار کر لیا کہ علی فیصلہ میں کبھی غلطی نہیں کرتے۔ ایک بار کیا ستر بار انہوں نے یہ کلمہ کہا ہے۔

جب تک ولی امر علم لدنی نہ رکھتا ہو غلطی سے محفوظ رہنا اس کے لئے ممکن نہ ہوگا کیونکہ جو تعلیم یہاں دنیا کے مدرسوں میں یا دنیا کے معلموں سے حاصل کی جاتی ہے وہ ناقص ہوتی ہے کیونکہ پڑھانے والا خود ناقص علم رکھتا ہے۔

اس آیت کا آخری حصہ یہ ہے کہ اگر تم کسی سے جھگڑا کرو تو اس کے فیصلہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ یعنی کتاب خدا اور سنت رسول کی روشنی میں فیصلہ کرو اپنی من گھڑت دلیلیں پیش نہ کرو۔ اگر بعد رسول تعین خلیفہ میں امت کے درمیان نزاع ہو گیا تھا تو اس کا فیصلہ قرآن اور عمل رسول سے کرنا چاہیئے تھا مگر افسوس ہے کہ لوگوں نے ایسا نہ کیا بلکہ استحقاق خلافت میں درازی عمر، رشتہ داری رسول اور ہجرت جیسے امور کو پیش کر کے ایک امر اہم کا فیصلہ چٹکی بجاتے کر لیا گیا۔ جس کو کہ حضرت عمر نے فتنہ کہہ کر آئندہ ایسا کرنے سے روک دیا۔

۲۱ - رسول کی حکومت مطلقہ

پ ۵ النسا ع ۱۰: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا
آیت ۶۵- شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا
مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

(اے رسول تمھارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حکم نہ بنائیں (پھر یہی نہیں) بلکہ جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ نہ ہوں بلکہ خوش خوش اس کو مان لیں)

یہ آیت رسول خدا کی حکومت مطلقہ کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب تک مسلمان حضور کی حکومت کو صدق دل سے تسلیم نہ کرلیں اور ان کے ہر فیصلہ کو سچے دل سے نہ مان لیں اور ان کے دلوں میں کوئی تنگی پیدا نہ ہو وہ مومن نہیں کہے جا سکتے

تفسیر قمی میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ جنھوں نے علی کی ولایت کے خلاف آپس میں کچھ طے کرلیا تھا۔ یہ آیت ان سے متعلق ہے۔ یعنی وہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی امور میں آنحضرت کے حکم کو تسلیم نہ کرلیں اور علی کی خلافت کے متعلق جو فیصلہ حضور نے صادر فرما دیا ہے اسے قبول نہ کرلیں مثلاً غدیر خم میں جب حضرت نے یہ فیصلہ صادر فرما دیا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ تو لوگوں کو منظور کرلینا چاہیے تھا اس میں اختلافی صورت یہ تھی کہ مہاجروں کے دل میں یہ تھا کہ خلافت ہم کو ملے اور انصار چاہتے تھے ہم کو ملے اس جھگڑے کو رسول اللہ نے اپنی زندگی میں ہی چکا دیا تھا مگر حضور کا یہ فیصلہ لوگوں نے منظور نہ کیا اور آنحضرت کی وفات کے بعد ہی اس جھگڑے کا آغاز ہو گیا۔ جس کی علامتیں پہلے سے پائی جا رہی تھیں۔ اسی طرح آئمہ کی امامت کے متعلق جو فیصلہ آنحضرت نے کر دیا تھا اور یہ بتا دیا تھا کہ میرے بعد میرے بارہ جانشین ہوں گے اور جابر بن عبداللہ انصاری

وغیرہ کو ان کے نام بھی بتا دیئے تھے تو ان کو قبول کر لینا چاہیئے تھا مگر ہوا وہی جو لوگ چاہتے تھے نہ وہ کہ رسول چاہتے تھے۔

رسول کا ہر فیصلہ قطعی اور اذعانی ہوتا تھا کیونکہ بعلم نبوت وہ ہر بات کی لم جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے امت کو یہ حق نہیں دیا کہ حضورؐ کے کسی فیصلے پر ناک بھوں چڑھائیں یا دل سے اسے منظور نہ کریں۔ پیش خدا رسول کی کیا عظمت تھی اس آیت سے اندازہ کر لینا چاہیئے۔

سب سے بڑا جھگڑا امت کے درمیان مسئلہ خلافت پر تھا اور یہ جھگڑا مہاجرین اور انصار کے درمیان تھا۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں ان کی باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد یہ جھگڑا اٹھے گا اور ضرور اٹھے گا۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے اپنی زندگی ہی میں خلافت کے متعلق اپنا قطعی فیصلہ سنا دیا۔ بار بار زبانی بھی کہا اور غدیر میں عملاً بھی دکھا دیا۔ امت نہ مانے تو اس کا کیا علاج ہے۔

۴۲۔ اللہ و رسول کی اطاعت کرنیوالے کن کے ساتھ ہوں گے

پ۵ النساء ۹: وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ
آیت ۶۹: اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَ
الصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ۝

(جس شخص نے خدا اور رسول کی اطاعت کی تو وہ روز قیامت) ایسے مقبول بندوں کے ساتھ ہوں گے جنہیں خدا نے اپنی نعمتیں دی ہیں یعنی انبیاء، صدیقین شہداء اور صالحین اور یہ لوگ کیا ہی اچھے رفیق ہیں)

اس آیت میں نبیین سے مراد حضرت رسول خدا، صدیقین سے حضرت علی

شہداء سے حسنین اور صالحین سے ہمارے باقی آئمہ ہیں ۔ حضرت علی صدیق اکبر ہیں
اگر صدیق سے مراد تصدیق کنندہ لئے جائیں تو آنحضرتؐ کی نبوت کی سب سے پہلے تصدیق
کرنے والے حضرت علی ہیں اور اگر صادق القول کے معنی لئے جائیں تو بھی حضرت علی کے
سوا صحابہ میں کوئی دوسرا مراد نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ صحابہ میں کوئی ایسا نہیں جو کافر سے
مسلمان نہ ہوا ہو ۔ پس جتنے دن بحالت کفر انہوں نے بتوں کی تعریف کی وہ سب جھوٹ
تھی ان کو معبود کہنا سب سے بڑا جھوٹ تھا ۔ حضرت علی نے چونکہ آن واحد کے
لئے بھی کبھی شرک نہیں کیا ۔ اس لئے صدق کلی صرف انہی سے مخصوص ہوا ۔

رہے شہداء تو حضرات حسنینؑ دونو شہداء نے راہ خدا ہیں ۔ حضرت امام
حسین علیہ السلام سید الشہداء ہیں ۔ صالحین سے نکوکاروں کے افضل افراد مراد ہیں
ان کے زمانوں میں ان کے سوا اور کوئی معصوم نہ تھا لہٰذا وہ افضل الصالحین ہوئے ۔

ان اصناف میں اگرچہ اور لوگ بھی داخل ہیں ۔ لیکن یہاں مقصود افضل افراد ہیں ۔
انہی کے ساتھ رہنا زیادہ باعثِ فضیلت ہوگا ۔ ام المومنین ام سلمہ سے مروی ہے
کہ میں نے حضرت رسول خدا سے اس آیت کے مصداق پوچھے ۔ فرمایا نبیین سے مراد
میں ہوں اور صدیقین سے مراد علی اور شہداء سے مراد حسن حسین ہیں اور صالحین سے مراد
حمزہ اور وہ آئمہ ہیں جو میرے بعد آنے والے ہیں ۔

اگرچہ اس آیت میں جمع کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں لیکن مراد افضل افراد ہیں
کسی گروہ کے افضل افراد کے ساتھ ہونا اس کی دلیل ہے کہ جو لوگ ان سے پست درجہ
میں ہوں وہ بھی ان کے ساتھی ہوں ۔ جیسا ہم پہلے لکھ آئے ہیں ۔ خاندان انبیائ میں
کوئی گھر ایسا نہ ملے گا جس میں تمام منعم علیھم (جن کو انعام دیا گیا ہے) جمع ہو گئے
ہوں اور بیک وقت جمع ہوں ۔ سوائے بیت رسالت کے اس میں جو نبی ہے وہ
سید الانبیاء والمرسلین ہے جو صدیق ہے وہ افضل الصدیقین ہے جو شہید ہے

وہ سید الشہداء ہے اور جو صالح ہے وہ افضل الصالحین ہے۔ پس جس گھر میں یہ بہترین افراد پائے جائیں ان کی اطاعت کو کیوں چھوڑا جائے۔ بیشک ان کی معیت اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔

یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ صدیق و شہید و صالح ایک ہی خاندان کے ہیں بلکہ ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں اور یہ خصوصیت بھی انہی کی ہے کہ ان تینوں صنفوں نے آغوش رسول میں تربیت پائی ہے نیز یہ کہ قرآن ان کی موجودگی میں نازل ہوا ہے

اب ان سب کی خصوصیات ملاحظہ ہوں:-

"یہ سب معصوم ہیں۔ خدا کے مقرب بندے ہیں۔ آغوش رسول کے تربیت یافتہ ہیں۔ مصداق آیہ تطہیر ہیں۔ وجوب مودت میں برابر ہیں۔ وجوب صلوات و سلام میں مساوی ہیں۔ ان سب کی اطاعت مطلقہ امت پر واجب، صدقہ ان سب پر حرام، ایک نور میں سب شریک، کائنات کی خلقت سے پہلے ان کی خلقت، سب کے سب ہادی۔ سب کی معیت سبب نجات۔ یہ تمام فضیلتیں کسی نبی کے گھرانے کو نصیب نہیں ہوئیں۔"

۲۳۔ اولی الامر کی طرف رجوع کرنے کا حکم

پ النساء ۱۱ - وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ

آیت ۸۳ ۔ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ

لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۔

جب ان مسلمانوں کے پاس امن یا خوف کی خبریں آتی ہیں تو انہیں فوراً مشہور کر دیتے ہیں حالانکہ اگر وہ اس خبر کو رسول یا اولی الامر کو پہنچاتے تو بیشک جو لوگ

ان میں سے تحقیق کرنے والے ہیں (پیغمبر اور اولی الامر) وہ اس کو سمجھ لیتے کہ اسے مشہور کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں)

قصہ اس کا یہ ہے کہ جب حضرت رسول خدا نے جنگ بدر صغریٰ کا قصد کیا تو نعیم نامی ایک شخص نے مسلمانوں کو ابوسفیان کے لشکر کی کثرت سے ایسا ڈرایا کہ مسلمانوں کے چھکے چھوٹ گئے اور اس سے مقابلہ کی کسی میں ہمت نہ رہی اور اپنے اپنے گھروں میں جاکر چھپ رہے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے ارشاد فرمایا اگر تم میں سے کوئی نہ جائے گا تو میں اکیلا جاؤں گا اور میرا قوت بازو میرے ساتھ ہوگا۔ آخر بمشکل ستر آدمی آپ کے ساتھ جانے پر آمادہ ہوئے اور آپ خدا پر بھروسہ کر کے روانہ ہوئے۔ خدا نے اس مٹھی بھر جماعت کا ایسا رعب ابوسفیان کے دل پر بٹھایا کہ الٹے پاؤں وہ واپس گیا۔

اس آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے کہ بری خبریں پھیلایا کرتے تھے تاکہ بددل ہو کر لوگ لڑائی میں جانے سے گریز کریں۔

(۲) ان میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ یہ سمجھ سکتے کہ اس خبر کے پھیلانے سے جو بددلی پیدا ہوگی اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔

(۳) اس آیت میں صرف رسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم نہیں دیا گیا یعنی یہ نہیں کہا گیا کہ جو بری خبر کان میں پڑے اسے چپ چپاتے رسول سے بیان کر دیں تاکہ رسول غور کر لیں کہ وہ قابل اشاعت ہے یا نہیں بلکہ رسول کے ساتھ اولی الامر کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو رسول سے بیان کریں یا اولی الامر سے۔ اس سے یہ نتیجہ کیوں نہ نکالا جائے کہ اولی الامر شریک کار رسالت ہیں۔

(۴) یہ اولی الامر وہی ہو سکتے ہیں۔ جن کی اطاعت کا حکم رسول کی اطاعت کی طرح آیہ

اَطِیعُوا اللّٰہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاُولِی الاَمرِ منکم ۔

میں دیا گیا ہے پس اولی الامر سے جو مراد یہاں لی ہے وہی آیہ سابقہ میں بھی ہے اور ہم ثابت کرتے آئے ہیں کہ اولی الامر میں علی کے سوا کوئی دوسرا ایسا نہ تھا کہ جو ہر خبر کی حقیقت کو پوری طرح سمجھ سکتا ۔ جن لوگوں نے اولی الامر سے بادشاہ مراد لئے ہیں وہ بتائیں کہ اس وقت رسول کے سوا کون بادشاہ تھا ۔

اگر امرائے سرایا مراد ہوں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ امرائے سرایا تحت حکم رسول لشکر کشی کرتے تھے اور ان کو جیسا حکم رسول سے ملتا تھا اسے بجالاتے تھے وہ بطور خود کوئی کارروائی نہیں کرتے تھے ۔

(۵) چونکہ حضرت علی فنون جنگ کے سب سے بہتر جاننے والے تھے اور شجاعت و علم میں بھی اپنا نظیر نہ رکھتے تھے ۔ لہٰذا رسول کے بعد وہی سب سے زیادہ اس کے اہل تھے کہ جب کوئی خبر موصول ہو تو اس کا فیصلہ کر سکیں کہ جنگ کرنا بہتر ہوگا یا نہیں ۔ جنگ کی پالیسی جنرل بناتا ہے عام سپاہی تو لڑنے والے ہوتے ہیں ۔

(۶) حضرت کا یہ فرمانا بڑا معنی خیز ہے کہ اگر تم نہیں جاتے تو میں خود چلتا ہوں اور میرا قوت بازو میرے ساتھ ہوگا ۔ کس قدر بھروسہ تھا حضرت علی کی وفاداری اور شجاعت پر حقیقت یہ ہے جگر جگر است دگر دگر بھروسہ اپنے بھائی ہی پر ہوتا ہے ۔

جناب موسیٰ ع جب قوم عمالقہ سے لڑنے جا رہے تھے تو ساری قوم نے یہ کہہ کر ان کا ساتھ چھوڑ دیا کہ جبار قوم سے ہم میں لڑنے کی طاقت نہیں ۔ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ قَالَ رَبِّ اِنِّي لَا اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِي وَاَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۔ آپ جائیں اور آپ کا رب اور ان سے قتال کریں ہم تو یہیں بیٹھے ہیں ۔ حضرت موسیٰ نے کہا ۔ اے میرے رب مجھے تو اپنے نفس پر اختیار ہے اور اپنے بھائی پر ۔ ہمارے اور اس فاسق قوم کے درمیان جدائی کر دے ۔ (پ المائدہ)

دیکھا آپ نے یہی صورت یہاں بھی نظر آرہی ہے۔

۲۴۔ سبیل المومنین

پ ۵ النساء ع ۱۷۔ وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ
آیت ۱۱۵ :۔ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا
تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝

(جو راہ راست کے ظاہر ہونے کے بعد بھی رسول سے سرکشی کرے گا اور مومنین کے طریقہ کے سوا اور راہ پر چلے گا تو جدھر وہ پھر گیا ہے ہم بھی ادھر ہی پھیر دیں گے۔ اور اسے جہنم میں جھونک دیں گے)

اس آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

(۱) رسولؐ سے سرکشی کے یہی معنی ہیں کہ رسول نے جو ہدایت کی ہے اس کے خلاف عمل کرنا یا رسول جس سے محبت کرتا ہے اسے محبت نہ کرنا۔

(۲) مومنوں کے راستہ کے خلاف کسی اور راستہ پر چلنا۔ غور کرنا یہ ہے کہ مومنین کا راستہ کیا ہے۔ اسلام میں تہتر فرقے ہیں وہ سب اپنے کو مومن سمجھتے ہیں اور اپنے طریقہ عمل کو راہ نجات جانتے ہیں کیا یہ سب راستے مومنین کے راستے کہے جائیں گے۔ کیا ان سب پر چلنے والوں کے لئے نجات ہوگی۔ کوئی عقل اس کو قبول کر سکتی ہے کہ باوجود اختلاف کثیرہ ان سب کو حق پر مان لیا جائے۔ اس صورت میں تو رسولؐ کی یہ حدیث جھوٹی ثابت ہوگی

سَيَكُونُ بَعْدِي ثَلَاثَةٌ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا وَاحِدَةً

(میرے بعد تہتر فرقے ہوں گے جن میں سوائے ایک کے سب جہنم میں جائیں گے)
پس ہر شخص کا فریضہ ہے کہ وہ اس راستہ کو تلاش کرے جس میں نجات یقینی ہو۔ عقلی اور

نفلی فیصلہ یہی ہے کہ مومنین کے راستہ سے مراد کچھ خاص مومنین کا راستہ ہے نہ کہ عام لوگوں کا مجوزہ۔

رسول اللہؐ نے صاف لفظوں میں اس صحیح راستہ کا تعین کر دیا ہے اور اسی کو نجات کا راستہ فرمایا ہے:۔ مَثَلُ اَھلِ بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجیٰ ومن تخلف عنھا غرق وھویٰ
میرے اہل بیت کی مثال سفینۂ نوح کی سی ہے کہ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ ڈوب گیا اور ہلاک ہو گیا اس سے زیادہ وضاحت اور کیا ہو گی۔

(۳) ہر راستہ پر چلنے کے لئے ایک ہادی کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ آزادی سے منزل مقصود تک پہنچ جائے اور بھٹک جانے کا اندیشہ نہ رہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ رسول اللہ نے اپنی امت کو کسی ہادی کا پتہ دیا ہے یا یوں ہی بھٹکنے کے لئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ رسول اس بات کو جانتے ہوئے بھی کہ میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی کسی ہادی کا پتہ بتا کر نہ جائیں۔ حضرت نے راستہ کا تعین بھی کر دیا اور اس راستہ پر لیجانے والوں کی نشان دہی کر دی۔ فرمایا اور بار بار فرمایا۔ مرنے سے پہلے تک آگاہ کر دیا۔ لکھ کر بھی بتانا چاہتے تھے مگر امت کے کچھ لوگوں نے اس تحریر سے روک دیا۔ بہرحال رسول اپنا فرض پورا کر گئے اب امت جانے اور اس کے اعمال جانیں رسول نے کیا فرمایا ہے۔

یا ایُّھا النّاس اِنّی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عِترتی اھل بیتی اِن تمسّکتُم بھما لن تضلّوا بعدی ولن یفترقا حتیٰ یردا علیّ الحوض

لوگو! میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں ایک اللہ کی کتاب دوسرے میری عترت یعنی میرے اہل بیت اگر تم ان دونوں کو پکڑے رہے یعنی ان دونوں کو اپنا ہادی سمجھتے رہے تو ہرگز میرے بعد گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں ایک دوسرے

سے ہرگز جدا نہ ہوں گے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر نہ آجائیں)

اس حدیث کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے ۔

(الف) یہ دونو جن کو رسول نے چھوڑا ہے معمولی چیزیں نہیں از روئے قدر و منزلت ان کی بڑی اہمیت ہے معمولی چیزیں نہیں ۔

(ب) نجات کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے اول دین کا صحیح علم دوسرے احکام الٰہی پر صحیح عمل ان دونو کا میں نے بندوبست کر دیا۔ کتاب خدا سے علم لینا اور میرے اہل بیت سے عمل اگر ان دونو سے زندگی کے ہر موڑ پر تعلق رکھو گے تو میں دعدہ کرتا ہوں کہ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

(ج) اور یہ دونو ایک دوسرے سے جدا ہونے والی نہیں جو قرآن بتائے گا اسی کے مطابق میرے اہل بیت کا عمل ہو گا اور جو اہل بیت کا عمل ہو گا قرآن اس کی تصدیق کریگا۔

(د) جب تک عالم قائم ہے جب تک دنیا کی عمر کا آخری دن نہیں آیا۔ یہ دونو ساتھ ساتھ چلتے رہیں گے اس سے معلوم ہوا قیامت تک ہر زمانہ میں اہل بیت میں سے ایک فرد ضرور باقی رہے گی۔ جو عمل صحیح بتانے کی ذمہ دار ہوگی اور یوں از راہ علم و عمل خدا کی حجت اپنے بندوں پر تمام ہوگی ۔ صرف کتاب ہدایت کے لئے اگر کافی ہوتی تو رسول اہل بیت کو اس کے ساتھ کیوں کرتے ۔

(۴) جو راستہ مومنین خود بنالیں وہ خدائی راستہ نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ مومنین کو شریعت رسول میں کسی تصرف کا حق نہیں اور نہ عقیدہ کے بدلنے کا۔ اسلام کے فرقے اپنے اپنے عمل میں مختلف ہیں ان کی فقہ جداگانہ ہے شہرستانی کی کتاب ملل و نحل میں ان کا حال پڑھ لیجئے اور از راہ عقائد و عمل جو فرق ان کے درمیان ہے ۔ اس کو سمجھ لیجئے پس یہ راستے حق پر نہیں کیونکہ یہ تبدیلیاں خود انہوں نے کی ہیں ۔ یہ پگڈنڈیاں شاہراہ عام سے ہٹ کر جو انہوں نے خود بنالی ہیں ان کو صراط مستقیم نہیں کہا جا سکتا۔

دوست رکھے تو بھی اسے دوست رکھ اور جو اسے دشمن رکھے تو بھی اسے دشمن رکھ۔
جب آپؐ من کنت مولاہُ فہٰذا علیٌّ مولاہ فرمارہے تھے تو حضرت علی کا بازو پکڑ کر اتنا بلند کیا کہ سفیدی زیر بغل نمایاں ہوگئی تاکہ سارا مجمع اچھی طرح علی کو دیکھ لے اس کے بعد آپ منبر سے اتر آئے۔ سب لوگوں نے حضرت علی کو مولا ہونے کی مبارک باد دی حضرت عمر کی مبارک باد ان الفاظ میں تھی بخٍ بخٍ لک یا ابن ابی طالب قد اصبحت مولای و مولیٰ کل مومن و مومنہ (مبارک ہو مبارک ہو اے ابوطالب کے بیٹے کہ آج سے آپ ہر مومن و مومنہ کے مولا ہوگئے) حسان بن ثابت نے ایک پرزور قصیدہ پڑھا اور اس میں آپ کے امام و ہادی ہونے کا ذکر کیا۔

واقعہ کی تاریخی حیثیت ختم ہوئی اب حسب ذیل امور پر غور فرمائیے۔

۱- یہ واقعہ آنحضرتؐ کے انتقال سے دو ماہ دس دن پہلے کا ہے تمام احکام الٰہی کی آنحضرتؐ تبلیغ فرما چکے تھے۔ خواہ از قسم عقائد ہوں یا از قسم اعمال۔ عقودات ہوں یا عبادات غرض ہر چیز بیان کردی تھی چنانچہ آپ نے اپنے خطبہ میں اس کا اظہار بھی فرمایا تھا اور مسلمانوں نے اس کی تصدیق بھی کی تھی۔

۲- آیت کا اندازہ بتاتا ہے کہ کوئی ایسا حکم اس سے پہلے آنحضرتؐ پر نازل ہوا تھا جس کی تبلیغ اب تک بمصلحت نہ ہوئی تھی۔

۳- اس امر کی تبلیغ اتنی ضروری تھی کہ اگر اس وقت نہ ہوتی تو رسولؐ کی ساری دینی خدمات ہی ملیامیٹ ہوجاتی۔

۴- یہ امر ایسا ضروری تھا کہ اس کی تبلیغ کے لئے قطعاً اس کا لحاظ نہیں کیا گیا کہ کتنا گرم وقت ہے۔ سننے والوں کو کس قدر تکلیف کا سامنا ہوگا۔

۵- یہ بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ کو تبلیغ کرنے میں دشمنوں کی مخالفت کا کچھ خوف بھی تھا اور ایسا سخت خوف تھا کہ اللہ نے حضورؐ کے بچانے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔

maablib.org

۶۔ اب صرف زبانی تبلیغ کا حکم نہ تھا بلکہ اس پر زور دیا جا رہا تھا کہ کر کے دکھاؤ یعنی اس حکم کو فعلی صورت میں دکھاؤ یعنی کہنے کا وقت گزر چکا۔ بہت بار کہہ چکے۔ غور کیجئے اسلامی احکام میں کونسی ایسی اہم چیز باقی رہ گئی تھی۔ جس کے لئے یہ اہتمام تھا۔ سوائے اعلان خلافت علی علیہ السلام کے تمام قبائل عرب کے سامنے۔

۷۔ حضورؐ نے حکم خدا کی تعمیل کی اور پوری طرح کی۔ یعنی علی کی مولائیت کا اعلان بھی کیا۔ نام لے کر کیا۔ اشارہ کر کے کیا۔ بازو بلند کر کے بتایا اور دکھایا تاکہ کل کو کوئی یہ نہ کہے ہم نے فقط نام سنا تھا یا لفظ علی سے علی اعلیٰ یعنی خدا سمجھے تھے لہٰذا بتا دیا کہ وہ علی نہیں بلکہ یہ علی جس کا بازو پکڑ کر دکھا رہا ہوں۔

۸۔ جس طرح کسی کی ولی عہدی کے وقت مبارکبادیں دی جاتی ہیں مبارکباد بھی دی گئی۔

۹۔ جس طرح دعائیں کی جاتی ہیں دعا بھی کی گئی۔

۱۰۔ جس طرح قصائد پڑھے جاتے ہیں وہ بھی پڑھے گئے

۱۱۔ یہ بھی بتا دیا کہ میں اپنے پیچھے دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ کتاب خدا اور اپنے اہل بیت اگر تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو میرے بعد گمراہ نہ ہو گے

ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ امت کو گمراہی سے بچانے کا یہ سب سامان تھا اسی لئے تو خدا نے تاکیدی حکم نازل کیا تھا اگر اس وقت جانشین زمانہ میں ہدایت کرنے کا کوئی معقول بندوبست نہ کیا جاتا تو چند روز بعد حضرتؐ کی ۲۳ سالہ خدمات کو سب بھول جاتے یا آپ کی تعلیم کو غلط سمجھتے اور کوئی بتانے والا ساتھ نہ ہوتا۔

اب ذرا اس بات پر غور کیجئے کہ جس مہتم بالشان واقعہ کو خلافت حضرت علی سے متعلق تھا۔ مسلمانوں نے سبک اور بے اثر بنانے میں کیا کیا کوششیں کیں۔

(۱) واقعہ کی نوعیت بتا رہی ہے کہ لفظ مولیٰ کے معنی کلام رسول میں اولیٰ بالتصرف کے ہیں کیونکہ بطور براعت استدلال حضورؐ نے پہلے ہی فرما دیا تھا۔ الست اولیٰ بکم

من انفسکم (کیا میں تمھارے نفسوں پر تم سے زیادہ حکومت کرنے والا نہیں ہوں) مسلمانوں نے اس معنی کو نظر انداز کر کے مولا کے معنی دوست و ناصر کے لئے تھے وہ لوگ ذرا ان باتوں پر غور کریں۔

۱- علی کی دوستی ایسا مہتم بالشان امر تھا کہ اس کے بغیر حضورؐ کی ۲۳ سالہ خدمت ختم ہوئی جارہی تھی اور اگر ایسا ہی تھا تو پھر علی کی دوستی وجوب کی حد میں آنی چاہیئے پھر کسی کو حق نہیں رہتا کہ علی سے دشمنی کا اظہار کرے یا دل میں ان سے بغض رکھے ورنہ وہ رسول کی رسالت کا دشمن قرار پائے گا۔

۲- جب یہ آیت پہلے نازل ہو چکی تھی انما المؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض (مومن و مومنات آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں) تو پھر سب علی کے دوست تھے پھر غدیر خم میں اس دوستی کے اعلان کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی

۳- حضرت عمر نے تو یہ فرمایا تھا مبارک ہو مبارک ہو اے علی کہ آج آپ میرے اور ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے۔

اب تھوڑی دیر ذرا اس پر بھی غور کیجیے کہ اگر خلافت علی کا اعلان نہ کیا جاتا اور حضورؐ بغیر اپنا خلیفہ بنائے دنیا سے رخصت ہو جاتے تو کار رسالت کیوں بے اجر رہتا اور یہ ۲۳ سالہ محنت حضورؐ کی کیوں رائیگاں جاتی۔

کون نہیں جانتا کہ دنیا میں کوئی تحریک اس وقت تک باقی نہیں رہ سکتی جب تک اس کے چلانے کا پورا پورا بندوبست نہ ہو۔ چونکہ اللہ کا دین اور حضورؐ کی شریعت قیامت تک چلنے والی تھی۔ لہٰذا ضروری تھا کہ اس کی بقا کا پورا پورا بندوبست حضورؐ اپنی زندگی ہی میں کر جائیں، اور ایسے لوگوں کو ذمہ دار بنا جائیں جو آئندہ ہر زمانہ میں اسلام کی حقیقی تعلیم اور شریعت محمدی کی صحیح صورت لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہیں۔ یہ ذمہ دار لوگ ایسے ہونے چاہئیں۔ جن کا وجود ہر زمانہ میں پایا جائے۔ صحابہ تو کچھ عرصہ بعد

ختم ہو جانے والے تھے یہ کام ان سے کیسے متعلق ہو سکتا ہے۔ البتہ آپ کے اہلبیت کا سلسلہ قیامت تک چلنے والا تھا اس سلسلہ زریں کی پہلی کڑی حضرت علی تھے جن کی ذات پر رسول اللہ کو پورا پورا بھروسہ تھا کیونکہ اوّل تو وہ سب امت سے زیادہ عالم تھے۔ دوسرے ان کا علم وہبی تھا۔ تیسرے وہ معصوم تھے چوتھے انہوں نے آن واحد کے لئے بھی شرک نہیں کیا تھا۔ پانچویں ان کا ہر عمل رسول کا سا عمل تھا۔ جب تک کسی قوم کے سامنے کوئی اچھا نمونہ عمل نہیں ہوتا وہ بھکی بھکی رہتی ہے خراب نمونہ عمل اختیار کرنے ہی سے مسلمان تہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے اہلبیت کو چھوڑ کر انہوں نے بادشاہان وقت کے عمل کو نمونہ عمل بنایا جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ گمراہی پھیل گئی۔

۲۔ دنیا سے کوئی نبی بغیر اپنا جانشین معین کئے نہیں گیا تھا۔ پھر کیا وجہ تھی کہ حضورؐ کا عمل ان کے خلاف ہوتا اور جو کام اپنے کرنے کا تھا وہ امت کے حوالے کر جاتے

۳۔ لوگ کہتے ہیں حضور بغیر اپنا جانشین مقرر کئے دنیا سے چلے گئے لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے۔

ا:۔ کیا حضرت کو اس کا یقین تھا کہ میری امت میں اتنی قدسیت آگئی ہے کہ وہ امام مجھ سے بہتر انتخاب کر سکتی ہے۔

ب:۔ کیا امت عقل و فہم و تجربہ میں حضرت سے زیادہ تھی۔

ج:۔ اگر حضورؐ خود مقرر کر جاتے تو کیا خرابی لازم آتی۔

د۔ کیا حضورؐ کا جانشین مقرر نہ کرنا سنت انبیا کے خلاف نہ تھا۔

اگر یہ سب عقلاً صحیح نہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ حضورؐ اپنا جانشین مقرر کر کے دنیا سے گئے۔

۵:۔ دعوت ذوالعشیرہ میں جب علی کو اپنا وصی بنا چکے تھے تو پھر آخر میں اس اعلان کو

نہ دہرانا کیا منافی عصمت رسول نہ تھا۔

۳۔ اس سلسلے میں ذرا اس آیت کے مضمون پر بھی غور کیجئے۔

پ ۳۰۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَ اِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ٥

(اے رسول کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہیں کر دیا کیا تم سے اس بوجھ کو نہیں ہٹا لیا جس سے تمہاری کمر ٹوٹی جا رہی تھی کیا ہم نے تمہارے ذکر کو بلند نہیں کیا۔ پس جب کار رسالت سے فارغ ہو جاؤ تو اپنا جانشین مقرر کر کے ہماری طرف چلے آؤ)

لوگ بتائیں کہ کیا مطلب ہے اس فرمانے کا کہ مقرر کر کے چلے آؤ۔ کیا مقرر کر کے چلے آؤ اگر یہ خلیفہ مقرر کرنے کا حکم نہ تھا تو اور کیا تھا

۴۔ اس سلسلے میں سب سے اہم واقعہ حرث بن نعمان فہری کا ہے جو ایک بدو عرب تھا اعلان خلافت علی کے بعد اس نے حضورؐ سے کہا کہ آپ نے جو اپنے چچازاد بھائی کی حکومت کو ہم پر مسلط کیا ہے حکم خدا سے کیا ہے یا اپنے حکم سے۔ حضرتؐ نے فرمایا خدا کے حکم سے کیا ہے۔ اس نے غصہ میں دونوں ہاتھ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا یا اللہ اگر یہ تیرا حکم ہے تو مجھ پر اپنا عذاب نازل کر۔ فوراً ایک پتھر آسمان سے گرا جس نے اسے ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد قرآن میں یہ آیت موجود ہے۔

پ ۲۹۔ سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ لَیْسَ لَهٗ دَافِعٌ مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ

(ایک سوال کرنے والے نے صاحب معارج خدا سے اس عذاب کا سوال کیا جو کافروں پر نازل ہوتا ہے اور جس کو کوئی دفع نہیں کر سکتا۔)

(۵) زیر بحث آیت میں اللہ نے اپنے رسول سے حفاظت کا وعدہ کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے ضرور کوئی ایسا امر تھا جس سے حضرت کو اُمت کی سرکشی کرنے کا اندیشہ

تھا اس لئے آپ اعلان خلافت امیر المومنین کو التوا میں ڈالے ہوئے تھے اگر مولا کے معنی دوست کے ہوتے تو اس میں ایسے کسی خطرہ کے ہونے کا امکان ہی نہ تھا جس کے لئے خدا کو حفاظت کا وعدہ ضروری ہوا۔

۲۹- ولایت مُطلقہ

پ المائدہ ۴۲ ؛ - اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَالَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ
آیت ۵۵ ؛- وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ رَاکِعُوْنَ ۝

(تمھارے مالک و سرپرست تو بس یہی تین ہیں ۔ اللہ، اس کا رسول اور وہ مومنین جو پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں)

اس آیت کی شان نزول یہ ہے ۔

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں نے نماز ظہر حضرت رسولخدا کے ساتھ پڑھی ۔ مسجد میں آکر سائل نے کچھ مانگا کسی نے کچھ نہ دیا۔ سائل نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا ۔ یا اللہ تو گواہ رہنا کہ مسجد نبوی میں میں نے سوال کیا لیکن خالی ہاتھ واپس جا رہا ہوں ۔ اس وقت حضرت علی رکوع میں تھے ۔ آپ نے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے جس میں انگوٹھی تھی اشارہ کیا سائل نے آگے بڑھ کر وہ انگوٹھی اتار لی ۔

اس آیت کے متعلق حسب ذیل امور پر غور کرنا ہے ۔

۱- اِنَّمَا کلمہ حصر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے ولی یا سرپرست ۔ خدا نے صرف تین ہی کو قرار دیا ہے ۔ اللہ، رسول اور تیسرا وہ شخص جس کی صفات آیت میں بیان ہیں اگر ولی کے معنی دوست مراد لئے جائیں تو کلمہ اِنَّمَا بے معنی ثابت ہوگا ۔

۲- کہا جاتا ہے کہ اگر یہ آیت حضرت علی کی ولایت مُطلقہ کے متعلق ہوتی تو آپ

اس کو احتجاجاً صحابہ کے سامنے پیش کرتے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں آپ نے اس کو پیش نظر کیا ہے جیسا کہ کتاب استیعاب، مناقب اخطب خوارزم اور لوامع التنزیل میں ہے۔ کتاب صافی میں کتاب خصال سے نقل کیا گیا ہے آپ نے ابوبکر کی موجودگی میں فرمایا۔

فانشدک باللہ الی الولایۃ من اللہ مع ولایۃ رسول اللہ فی آیۃ زکوٰۃ الخاتم ام لک۔

(میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ زکوٰۃ والی آیت میں رسول کے ساتھ خدا کی جانب سے میری ولایت ثابت ہے یا تمہاری انہوں نے کہا آپ کی)

احتجاج کو کان دھر کر نہ سنا جائے یا اس سے اثر نہ لیا جائے اس کا کیا علاج۔

۳۔ کہا جاتا ہے جب علی فقر وفاقہ میں زندگی بسر کرتے تھے تو ان کے پاس اتنا مال کہاں سے آیا جس کی زکوٰۃ دینی واجب ہوتی۔ جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا اطلاق صدقہ مسنونہ پر بھی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت علی نے یہ زکوٰۃ زکوٰۃ واجبہ کی صورت میں نہیں دی تھی کیونکہ وہ تو موافق نصاب دی جاتی ہے۔ صدقہ مستحبہ کو بھی شرعاً زکوٰۃ کہتے ہیں یہ حقیقتاً نہیں بلکہ مجازاً اطلاق ہوتا ہے اور مجازی ہی اطلاق غلط نہیں کہا جاسکتا۔ علامہ ابو سعود نے اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مستحب صدقہ بھی زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کا اطلاق مطلق خیرات پر ہوا ہے۔

۴۔ رکوع میں سائل کی آواز سننا اور انگوٹھی کے لئے انگلی سے اشارہ کرنا کہتے ہیں کہ مخالف خضوع وخشوع ہے علی جیسے عبادت گزار سے اس کی امید نہیں کی جاسکتی جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ دینا عبادت ہے اور موجب خوشنودی خدا ہے تو منافی خضوع وخشوع کیوں ہوگا بلکہ موید خضوع ہے جب ہی تو خدا نے مقام مدح میں ذکر فرمایا ہے۔ اس امر کو فعل کثیر کہنا جو مبطل نماز ہے بالکل غلط اور بے محل ہے۔ اتنی سی حرکت کو فعل کثیر نہیں کہا جاسکتا بلکہ فعل قلیل کہا جائے گا۔ پھر وہ داخل عبادت بھی تھا لہٰذا یہ مبطل

نماز نہیں ہو سکتی۔ اگر توجہ الی اللہ کے بغیر یہ امر ہوتا تو مقام مدح میں یہ آیت نہ ہوتی۔ تفسیر صافی میں ہے کہ بعض لوگوں نے علی علیہ السلام کی اس فضیلت میں شریک ہونے کے لئے ایک نہیں چالیس انگوٹھیاں تک دیں لیکن ایک آیت بھی نہ آئی کیونکہ خلوص نہ تھا ذاتی غرض شامل تھی۔

۵۔ کسی فقیر آدمی کو بھی زکوٰۃ دینے سے روکا نہیں جاتا۔ کیونکہ وہ توجہ الی اللہ کی دلیل ہوتا ہے یہ تو ایک انگوٹھی تھی جب علی نے مسکین و یتیم و اسیر کو ایک ایک روٹی دی تھی تب اللہ تعالیٰ نے پورہ سورہ دہر ان کی شان میں نازل کر دیا تھا۔

۶۔ کہا جاتا ہے کہ ایک انگوٹھی دینا دین کی کوئی ایسی بڑی خدمت نہیں کہ اس پر علی کو سند ولایت مل جاتی لہٰذا معلوم ہوا ولی کے معنی دوست کے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ اللہ کے یہاں خلوص عمل کو دیکھا جاتا ہے۔ قیمتی یا غیر قیمتی چیز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر اللہ کے یہاں خلوص عمل کو دیکھا جاتا ہے۔ قیمتی یا غیر قیمتی چیز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر اپنی کسی ذاتی غرض یا ریاکاری کے طور پر کوئی خزانے لٹا دے تو وہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ہی نہ ہوں گے۔ یہ سمجھنا غلط ہے کہ صرف انگوٹھی دینے پر سند ولایت دی گئی ہے۔ ولی تو وہ تھے ہی یہ تو صرف اظہار ولایت کا ایک موقع تھا۔ جیسے وہ مسلمان تو پیدائشی تھے۔ آنحضرت ص کی بعثت کے بعد جو اسلام ظاہر کیا۔ وہ صرف اظہار کا ایک موقع تھا نہ یہ کہ وہ اس روز مسلمان ہوئے تھے۔

❊ قدرت حق بہانہ مے جوید ❊ قدرت حق بہانے جوید ❊

۷۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ اس آیت میں جمع کے صیغے ہیں اور انگوٹھی دینے والے صرف علی علیہ السلام تھے۔ جواب یہ ہے کہ آیت میں تعظیماً جمع کے صیغے لائے گئے ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ ہمارے دیگر آئمہ نے بھی بہ تاسی امیر المومنین یہ عمل کیا ہے۔

۸۔ کہا جاتا ہے کہ سائل تاک میں کھڑا تھا کہ انگلی کا اشارہ کرتے ہی وہ دوڑ پڑا

اور جھٹ انگلی سے انگوٹھی اتار لی جواب یہ ہے کہ یہ غیر ممکن بات تو نہ تھی ۔ چونکہ امیرالمومنین
کا ہر رکوع طولانی ہوتا تھا ۔ لہٰذا سائل کی نظر اس مدت میں حضرت کی انگلی پر پڑ گئی
سائل نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ علی انگوٹھی دینا چاہتے ہیں ورنہ ایک انگلی کو دوسری
انگلیوں سے جدا کرنا کیا معنی رکھتا تھا دینے والے کے ہاتھ کو سب پہچان لیتے ہیں
اور علی کی سخاوت کا ڈنکا بج رہا تھا ۔

ان توہمات باطلہ سے قطع نظر کر کے اب اس امر پر توجہ کیجئے کہ ولایت مطلقہ کیا ہے
[…] بتاتی ہے کہ ولایت مطلقہ صرف تین ہی میں منحصر کی گئی ہے یعنی مسلمانوں کے تمام
د[…] پوری پوری حکومت کا حق صرف تین ہی کو ہے اور وہ ہر امر کے متعلق جو چاہیں
حکم [دے] سکتے ہیں اور ہر مسلمان پر اس کو تسلیم کرنا واجب ہوگا ۔ جن کی اطاعت تمام
امت پر واجب ہے وہ بھی تین ہی ہیں اللہ، رسول اور اولی الامر پس برابر ہیں جن کی اطاعت
واجب ہوگی وہی ولی امر ہوں گے ۔

کس قدر عقل سے بعید ہے یہ کہنا کہ ولی بمعنی دوست ہے اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ امت
رسول کے دوست صرف تین ہی ہیں اگر یہ صحیح مان لیا جائے تو دوستی کے تمام سلسلے منقطع
ہو جائیں گے اور کسی کی درستی پر اعتماد باقی نہ رہے گا ۔

رسول کے بعد حضرت علی کی ولایت مطلقہ کو تسلیم نہ کرنا اور اس کی جگہ بادشاہان [وقت]
کی حکومت مطلقہ کے سامنے سر جھکا دینا ہی تو اس کا باعث ہوا ہے کہ راہ عمل میں ہزار ر[خنے]
پیدا ہو گئے ۔ جب الناس علیٰ دین ملوکھم پر عمل ہوگا تو اللہ و رسول کی بتائی ہوئی
صراط مستقیم پر لوگ کیسے چل سکیں گے ۔ سلاطین معصوم نہیں ہوتے ۔ لہٰذا ان کی
راہ عمل میں فسق و فجور، ظلم و جور، کذب و افترا سب کچھ داخل ہو سکتا ہے ۔ اس سے
بچانے کے لیے ایک ایسے ولی مطلق کی نشاندہی ہر زمانہ میں کر دی گئی ۔ جو معصوم
صاحب علم و فہم ہوتا کہ وہ امت رسول کو صحیح راستہ پر چلاتا رہے ۔ خدا کی حجت تمام

ہو گئی امت اس کا ساتھ چھوڑتی ہے تو چھوڑ دے۔

۳۰۔ خلیفہ رسول سے امت کا برتاؤ

پ ۹ الاعراف ع ۱۸۔ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَکَادُوْا
آیت ۱۵۰۔ یَقْتُلُوْنَنِیْ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَاءَ وَلَا
تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝

(ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے میں کیا کرتا قوم نے مجھے حقیر سمجھا
(میرا کہنا نہ مانا قریب تھا کہ یہ مجھے قتل کر ڈالیں تو مجھ کو دشمنوں پر ہنسوائے
اور مجھے ان ظالم لوگوں کے ساتھ نہ قرار دیجئے)

حضرت موسیٰؑ جب طور پر توریت لینے گئے تو بنی اسرائیل میں گمراہی پھیل گئی سامری نے بچھڑا بنا کر ان کو بت پرستی پر درغلایا وہ بدبخت اس کے بہکانے میں آگئے اور اس کی پوجا کرنے لگے۔ حضرت ہارون نے لاکھ لاکھ ان کو سمجھایا مگر وہ ماننے والے کہاں تھے بلکہ وہ زیادہ کہنے پر حضرت ہارون کو قتل کرنے پر تیار ہو گئے جب موسیٰ توریت لے کر لوٹے اور قوم کی یہ حالت دیکھی تو بڑا غصہ آیا۔ حضرت ہارون کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچا اور کہا یہ کیا ہو گیا تم نے ان کو ایسا کیوں کرنے دیا۔ انہوں نے کہا بھائی جان میں کیا کرتا۔ میں نے تو بہت کچھ سمجھایا مگر یہ مانے ہی نہیں چونکہ ساری قوم گمراہ ہو گئی تھی اور میں چند ایمان والوں کے ساتھ رہ گیا تھا لہٰذا انہوں نے مجھے کمزور سمجھ کر قتل کی دھمکی دی۔ اگر میں ان سے لڑتا تو آپ مجھی پر الزام لگاتے کہ تم نے فساد برپا کر کے بنی اسرائیل کے ٹکڑے کر دیئے اور میری نصیحت کو یاد نہ رکھا اس لئے میں چپ ہو رہا۔

بعینہٖ یہی صورت حضرت علیؑ کے لئے پیش آئی۔ آنحضرتؐ کے بعد ساری قوم کے رخ ان کی طرف سے پھر گئے چند آدمی ان کے ساتھی تھے قوم نے ان کو کمزور بنا دیا تھا اور بیعت نہ کرنے پر قتل کی دھمکیاں دی جا رہی تھیں۔ ایسی صورت میں اگر لڑنے کے لئے کھڑے ہو جاتے تو ان سب پر کیسے غلبہ حاصل کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ مدینہ میں خوب خونریزی ہوتی۔ حرمت حرم رسول برباد ہوتی اور چونکہ خلافت کے خواہاں بہت سے قبیلے تھے لہذا وہ سب اپنے اپنے مطلب کے لئے لڑنے لگتے۔ طوائف الملوکی کا بازار گرم ہو جاتا۔ یہ حالت دیکھ کر جو لوگ چند سال پہلے اسلام لائے تھے یہ کہہ کر اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ جاتے کہ آنحضرت نے اسلام کی جس روحانیت کی طرف دعوت دی تھی وہ سب ڈھونگ ہی ڈھونگ تھا۔ دیکھو نا آنحضرتؐ کے مرتے ہی کیسی تکا بوٹی ہونے لگی یہ سب کھانے کمانے کی باتیں تھیں جن پر آنحضرتؐ نے روحانیت کا پردہ ڈال رکھا تھا۔

یہ وجہ تھی کہ حضرت علی خاموش رہے اور اپنے مخالفوں سے تیغ زنی نہ کی۔ اپنے حقوق سے دستبردار ہونا اس سے بہتر سمجھا کہ اسلام کسی خوفناک تباہی کا شکار ہو جائے آنحضرتؐ نے مرتے دم بھی یہ وصیت کی تھی کہ یا علی میرے بعد جب قوم میں فتنہ و فساد پھوٹ پڑے تو صبر و ضبط سے کام لینا۔ چنانچہ ہر حالت میں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد حضرت علی کے پیش نظر رہا۔

---

۱۳۱ - رسولؐ کے ساتھ نازل ہونے والا نور

پ ۹ الاعراف ع ۱۹ - فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا

آیت ۱۵۷ - النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ -

جو لوگ اس رسول پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کو قوت پہنچائی اور اس کی

مدد کی اور اس نور کی جو اس کے ساتھ نازل کیا ہے پیروی کی تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ نور سے مراد علی علیہ السلام ہیں۔ یہی روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اور آپ نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں نور سے مراد حضرت علی اور باقی آئمہ ہیں۔

یہاں نور سے مراد قرآن مجید نہیں لے سکتے کیونکہ قرآن آنحضرتؐ کے ساتھ نازل نہیں ہوا بلکہ چالیس برس بعد آیا ہے دوسرے اس آیت میں بلفظ وَاتَّبَعُوا ہے اور لفظ اتباع قدم بقدم پیچھے چلنے کو کہتے ہیں یہ کسی کی اطاعت کی عملی صورت ہے۔ قرآن میں علم ہے اس کی پیروی عملاً نہیں کی جاتی بلکہ اس سے علم حاصل کیا جاتا ہے۔ رسول اللہؐ نے حدیث ثقلین اور حدیث سفینہ میں حضرت علی کی پیروی کا حکم دیا ہے۔

۳۲۔ اُمت عادلہ

پ ۹ الاعراف ع ۲۲: وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ۔

آیت ۱۸۱: (اور ہماری مخلوق میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دین حق کی ہدایت کرتے ہیں اور حق ہی سے انصاف کرتے ہیں)

علامہ مردویہ نے زاذان سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا عنقریب اس امت کے تہتر ۷۳ فرقے ہوں گے ان میں بہتر ۷۲ جہنمی ہوں گے ایک جنتی یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں خدا نے فرمایا ہے۔ وممن خلقنا امۃ الخ

حق کی طرف ہدایت کرنے والے اور ہر معاملے میں انصاف کرنے والے وہی ہو سکتے ہیں جو معصوم ہوں ورنہ جو خود گناہ کرتا ہو۔ وہ کیا انصاف سے کام لے گا اور

maablib.org

دوسروں کو کیا حق کا راستہ دکھائے گا۔

او خویشتن گم است کرا رہبری کند

رسول خدا نے حضرت علی کے بارے میں فرمایا ہے علیؑ مع الحق والحقُ مع علی اللّٰھُمَّ ادر الحق حیث دار (علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ ہے یا اللہ تو حق کو اس طرف موڑ دے جدھر علی مڑیں)

اور یہ بھی فرمایا اقضاکم علیؑ (یعنی تم میں سب سے بڑا انصاف سے فیصلہ کرنے والے علی ہیں) جب یہ دونوں صفتیں ذات علی میں بدرجہ اولیٰ پائی جاتی تھیں تو ثابت ہوا کہ آیہ مذکورہ بالا کے مصداق علی ہیں۔

۳۴۔ ایمان علی کی تعریف

پ ۱۰ توبہ ع ۳: ۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ آیت ۱۹ ۔ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ

(کیا تم لوگوں نے حاجیوں کی سقائی اور مسجد الحرام (خانہ کعبہ) کی آبادی کو اس شخص کا ہمسر بنا دیا ہے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا ہو اور جس نے راہ خدا میں جہاد کیا ہو۔ خدا کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا)

مفسرین نے لکھا ہے کہ ایک دن عباس بن عبد المطلب اور طلحہ بن شیبہ باہم فخر کر رہے تھے اور ہر ایک اپنے کو دوسرے سے افضل بتا رہا تھا طلحہ نے کہا میں تم سے افضل ہوں کیونکہ خانہ کعبہ کی کنجی میرے پاس ہے گویا اس مکان کا مالک ہوں

عباس بولے میں تم سے افضل ہوں کیونکہ میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں اتنے میں حضرت علی اس طرف سے گزرے انہوں نے فرمایا میں تم دونوں سے افضل ہوں کیونکہ میں نے تمام مسلمانوں سے پہلے رسول اللہ کے پیچھے نماز پڑھی ہے اور ایمان لایا ہوں اور میں نے راہ خدا میں جہاد کیا ہے۔

آخر یہ تینوں جھگڑتے ہوئے حضرت رسول خدا کی خدمت میں آئے اور فیصلہ کی خواستگاری کی اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر در منثور)

اسلام میں سب سے زیادہ قدر و قیمت والی چیز ایمان ہے جس کا ایمان جتنا بلند ہے اتنی ہی اس کی فضیلت زیادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت علی کے ایمان کی بلندی کو کوئی نہیں پا سکتا۔ انتہا یہ ہے کہ حضرت رسول خدا نے جنگ خندق میں آپ کو کل ایمان قرار دیا۔ جب آپ عمرو بن عبدود کو قتل کرنے چلے تھے تو حضورؐ نے فرمایا تھا۔

برز الایمان کلہ الی الکفر کلہ (آج پورا کا پورا ایمان پورے پورے کفر کے مقابل جا رہا ہے)

آپ کے ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ آن واحد کے لئے بھی شک و ریب نے اس میں جگہ نہیں پائی جیسا کہ خدا فرماتا ہے:۔

انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا۔
(حقیقی مومن تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر کبھی شک نہیں کیا)

ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ بطن مادر سے مومن ہی پیدا ہوئے تھے رسولؐ پر ایمان لائے نہیں تھے بلکہ اظہار ایمان کیا تھا۔ آپ کے جہاد کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کی ایک ضربت جو جنگ خندق میں عمرو بن عبدود کے سر پر پڑی تھی جس سے وہ قتل ہوا تھا۔ بقول حضرت رسول خدا وہ قیامت تک دو جہاں کی عبادت سے بہتر تھی کیونکہ اس روز اگر اس کو اسلام پر غلبہ حاصل ہو گیا ہوتا اور حضورؐ قتل ہو جاتے تو اسلام کے

maablib.org

سخت ہونے والی وہ تمام عبادتیں ختم ہو جائیں جو قیامت تک ختم ہونے والی تھیں۔

۳۴۔ علی شریک کار نبوت ہیں

پ۱۰ توبہ ع ۱۰۔ یَا اَیُّہَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْکُفَّارَ وَ الْمُنَافِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ۔
آیت ۷۳:۔ (اے نبی کفار و منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کو کفار و منافقین دونوں سے جہاد کرنے کا حکم تھا۔ لیکن حضرتؐ کا جہاد بالسیف تو تمام عمر کفار سے رہا۔ منافقین سے آپ کی کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ اگر حضرت علی کی ان لڑائیوں کو جو آنحضرتؐ کے بعد منافقین سے ہوئیں۔ شامل نہ کیا جائے تو کار رسالتؐ ادھورا رہ جاتا ہے چونکہ نبی و علی ایک جان دو قالب تھے۔ لہٰذا علی کی جنگ بھی نبی کی جنگ ہی سمجھی گئی اگر کہا جائے کہ حضورؐ نے منافقوں سے جہاد باللسان کیا تو یہ جہاد تو حضورؐ نے کفار و مشرکین سے بھی کیا تھا اس میں منافقوں کا ذکر خصوصیت سے کیوں ہوا۔

رسول نے فرمایا ہے یَا عَلِیُّ حَرْبُکَ حَرْبِیْ وَسِلْمُکَ سِلْمِیْ : ۔ اے علی تمھاری جنگ میری جنگ ہے اور تمھاری صلح میری صلح ہے اب یہ بتایا جائے کہ علی کی وہ کونسی لڑائی تھی جس کو حضورؐ نے اپنی لڑائی فرمایا ہے۔ جو لڑائیاں حضورؐ کے ساتھ لڑیں ان کو تو کوئی خصوصیت علی کے ساتھ نہ تھی وہ تو رسول کی جنگ تھی۔ علی بحیثیت ایک سپاہی یا علمدار لشکر اس میں شریک تھے۔ اس حدیث میں جس حرب علی کو اپنی حرب کہا ہے وہ تو رسول کی حرب سے جداگانہ ہونی چاہیئے۔

سورہ برات کی تبلیغ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علی شریک کار رسالت تھے جب حضرت ابوبکر کو سورہ برائت دے کر بھیجا تھا تو جبرئیل نے آکر کہا :۔

لَا يُؤَدِّيهَا اِلَّا اَنْتَ اَوْ رَجُلٌ مِنْكَ

(اس کی تبلیغ یا تو خود کرو یا وہ شخص کرے جو تم سے ہو) چنانچہ ان کو واپس بلالیا گیا
اور حضرت علی نے مکہ جاکر سورہ برأت کی آیات کو مشرکین کے سامنے پڑھکر
سنایا تھا۔ اسی طرح حج آخر میں جو قربانی رسول نے نذر کی تھی۔ علی اس میں شریک تھے

۳۵۔ ہمارے آئمہ راعی اعمال خلق ہیں

پ ۱۱ التوبہ ع ۱۳ اِعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ
آیت ۱۰۵۔ (اے رسول تم ان سے کہدو کہ تم جو چاہو کرو لیکن اس کا دھیان
رہے کہ تمھارے ہر عمل کو دیکھنے والے اللہ ہے اور اس کا رسول اور کچھ
خاص مومنین)

معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اس آیت میں المومنون سے مراد عام ایمان
والے نہیں ہو سکتے جس کی کئی وجہئیں ہیں۔

۱۔ عام لوگوں کی قوت باصرہ اتنی قوی نہیں ہوتی کہ دور کی چیزوں کو دیکھ سکیں۔
۲۔ عام لوگوں کا حافظہ اتنا قوی نہیں ہوتا کہ تمام لوگوں کے اعمال یاد رکھیں
۳۔ عام لوگ سہو ونسیان سے بری نہیں ہوتے پس ان پر اعتماد کیسے کیا جا
سکتا ہے کہ وہ کسی کے عمل کو بھولے نہیں۔
۴۔ عام مومنین تو اپنے اعمال خود بھول جاتے ہیں۔ اپنے گھر والوں کے ہر عمل کو
یاد نہیں رکھ سکتے اور وہ لوگوں کے کیا یاد رکھیں گے۔
۵۔ بہت سے اعمال پس پردہ کئے جاتے ہیں عام لوگ کیسے ان کو دیکھ سکتے ہیں
لوگوں کے اعمال تو وہی دیکھ سکتے ہیں۔ جن کی آنکھوں کے سامنے کوئی حجاب حائل نہ

ہو۔ جیسے حضرت عیسٰے نے فرمایا تھا میں جانتا ہوں ان چیزوں کو جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو یا جنگ بدر کے موقع پر جب عباس بن عبدالمطلب اسیر ہو کر آئے اور ان سے فدیہ طلب کیا گیا تو انہوں نے اپنی ناداری کا عذر کیا۔ حضرت نے فرمایا۔ اس رقم میں سے دو جو مکہ سے چلتے وقت خفیہ طور پر اپنی بی بی ام الفضل کے سپرد کر آئے ہو

۶۔ یہ مومنین سوائے اہلبیتؑ رسول دوسرے نہیں ہو سکتے۔ انہی کو اللہ نے امت وسط فرمایا ہے اور وہی روز قیامت پیش خدا لوگوں کے اعمال پر گواہ ہوں گے اور رسول ان کی گواہی کی تصدیق کریں گے۔

۷۔ المومنون پر الف لام تخصیص کا ہے جس سے مخصوص مومنین مراد ہیں عام لوگ نہیں جیسا کہ حدیث طیر میں ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ جب انس نے حضرت علی کو تین بار بیت الشرف رسول صؐ میں آنے سے روکا اور دروازہ نہ کھولا تو آپ نے فرمایا کیا تم یہ جانتے ہو کہ مجھے اندر کا حال معلوم نہیں۔ دروازہ کھول دو حضورؐ مجھے پرندہ کھانے کے لئے اندر بلا رہے ہیں۔

معتبر احادیث سے ثابت ہے کہ مومنین جو کچھ عمل کرتے ہیں وہ ہر صبح کو امام زمانہ کی خدمت میں پیش ہوتے ہیں اگر اچھے اعمال ہوتے ہیں تو حضرت خوش ہوتے ہیں۔ ورنہ آپ کو رنج ہوتا ہے یہ اعمال اسی لئے تو پیش کیے جاتے ہیں کہ ہمارے آئمہ روز قیامت اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کے اعمال کی گواہی دیں گے۔

۳۶۔ اللہ نے کن مومنوں کی جانوں کو خریدا

پ۱۱ التوبہ ع ۱۴: ۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ

آیت ۱۱۱ : ۔ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ

يُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ۔

(بیشک خدا نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات پر خرید کر لئے ہیں کہ ان کی قیمت ان کے لئے بہشت ہے اسی وجہ سے یہ لوگ راہ خدا میں لڑتے ہیں (کفار) کو قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہو جاتے ہیں یہ خدا کا پکا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا خدا پر لازم ہے اور ایسا پکا ہے کہ توریت و انجیل و قرآن سب میں لکھا ہوا ہے۔ بھلا اپنے عہد کا خدا سے بڑھ کر پورا کرنے والا کون ہے پس تم اپنی خرید و فروخت سے جو خدا سے کی ہے خوشیاں مناؤ یہی تو بڑی کامیابی ہے یہ لوگ توبہ کرنے والے ہیں۔ عبادت گزار ہیں۔ حمد خدا کرنے والے ہیں۔ اس کی راہ میں سفر کرتے ہیں رکوع کرتے ہیں۔ سجدہ کرتے ہیں۔ نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ برے کام سے روکنے والے ہیں اور خدا کی مقرر کی ہوئی حدوں کی نگاہ رکھنے والے (ہیں)

اللہ تعالیٰ نے جن مومنین کی جانوں اور مالوں کو خرید کیا ہے ان کی تمام صفات اس آیت میں مذکور ہیں۔ ان صفات سے موصوف ہونے والے اور بیک وقت ان کو ظاہر کرنے والے کربلا والوں سے بہتر بلکہ ان کی مثل بھی کسی اسلامی معرکہ میں نہیں پائے گئے اور نہ آئندہ پائے جائیں گے۔

۱۔ انہوں نے باطل کی قوتوں کو کچلنے اور ضلالت و گمراہی کے قلعوں کو مسمار کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اور کسی قربانی کے پیش کرنے میں دریغ نہیں کی۔ وہ بھوکے پیاسے تین دن تک رہے مگر ہمت نہ ہاری۔ دشمن کی چالیس ہزار فوج کے نرغہ میں تھے مگر گھبرائے نہیں۔ لڑے اور اس بے جگری سے لڑے کہ دشمن

کے چھکے چھوٹ گئے۔ قتل ہوئے مگر لاشوں کے انبار لگا کر، خون کے دریا بہا کر کسی نے جان بچانے کی کوشش نہیں کی قوّت باطلہ کے سامنے سر نہیں جھکایا۔

۲۔ شب عاشور جو سب سے زیادہ خوفناک رات تھی انہوں نے عبادت میں بسر کی رکوع کئے۔ سجدے کئے قیام میں رہے قعود میں رہے وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر اس لئے آئے تھے کہ دین خدا کو شریعت محمدی کو ستم شعاروں، بدکاروں، دنیا پرستوں کی زد سے بچالیں۔

۳۔ روز عاشور جب کہ دشمن نے صف آرائی کی انہوں نے ان کے سامنے جا کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو ادا کیا۔ سمجھایا جتنا سمجھانے کا حق تھا۔ عذاب خدا سے ڈرایا جتنا ڈرا سکتے تھے لیکن دشمن کے کان بہرے ہو چکے تھے اور قوت ایمانی کا نور ان کے دلوں سے نکل چکا تھا۔ شیطانی وساوس کا ان پر غلبہ تھا وہ کیا سنتے مگر انہوں نے اپنا فریضہ ادا کر دیا۔

۴۔ انہوں نے قوانین الٰہیہ کی حفاظت کی اور اس شان سے کی جس کی نظیر تاریخ عالم میں ڈھونڈھی نہیں ملتی۔ انہوں نے اپنے خون کا آخری قطرہ تک حدود اللہ کی حفاظت میں بہا دیا اور اپنے خون ناحق سے حق و باطل کے درمیان ایک ایسی حدِ فاصل قائم کر دی جو قیامت تک مٹنے والی نہیں۔ ان کے شہید ہوتے ہی ضلالت و گمراہی کی کالی گھٹائیں پھٹ گئیں اور دنیا کی تاریک فضا میں روشنی پھیل گئی۔

اس گراں قدر قربانی کے عوض اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت کا مالک بنا دیا۔

۳۷۔ صادقین کون ہیں

پ ۱۱ ع ۱۵: یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔

آیت ۱۱۹: (اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ایک گروہ کے ساتھ ہونے کا حکم دیا گیا ہے جو صادقین کہلاتے ہیں۔ دوسرا گروہ وہ ہے جس کو ساتھ رہنے کا حکم ہے چونکہ کونوا صیغہ امر کا ہے لہٰذا وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی یہ ساتھ رہنا واجب ہے اس کا ترک باعث گناہ ہے۔

چونکہ یہ حکم نہ صرف عہد رسالت کے مسلمانوں کے لئے ہے بلکہ ہر زمانہ کے مسلمانوں کے لئے ہے لہٰذا ہر زمانہ میں ایک صادق کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ اس حکم کی تعمیل کیسے ہوگی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان صادقین کا معصوم ہونا ضروری ہے ورنہ ان کے ساتھ ہونے اور ان کے اتباع کرنے کا وجوبی حیثیت سے حکم نہ ہوتا۔

پھر یہ بھی جاننا چاہیئے کہ جزئی صداقت والوں کے ساتھ رہنے کا حکم نہیں بلکہ ایسے لوگ ہوں جنہوں نے من المھد الی اللحد کبھی جھوٹ بولا ہی نہ ہو۔ ورنہ جزئی صداقت تو ہر شخص میں پائی جاتی ہے۔ جس نے کبھی سچ نہ بولا ہوگا اس نے کم سے کم لا الٰہ الا اللہ تو کہا ہی ہوگا۔ صداقت جزئی کے لئے یہی ایک کلمہ کافی ہے۔

خدا کا مقصد تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ جنہوں نے کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں تاکہ ان کی معیت سے تم میں بھی صداقت پیدا ہو۔ جو لوگ کافر سے مسلمان ہوئے وہ اس کے مصداق نہیں ہو سکتے کیونکہ صداقت کلیہ ان میں نہیں پائی جاتی۔ بحالت کفر جب تک بتوں کی تعریف کرتے رہے وہ سرتاسر جھوٹ تھی بلکہ ان کی الوہیت کا اقرار ہی جھوٹا تھا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ صادقین سے مراد ارباب حل وعقد ہیں کیونکہ ان کا اجماع کسی امر میں بمنزلہ عصمت ہو جاتا ہے۔ یہ بات کان کو نہیں لگتی۔ کیونکہ جن ارباب حل وعقد میں فرداً فرداً عصمت نہیں پائی جاتی ان کے مل بیٹھنے اور کسی امر پر متفق ہونے سے عصمت کیسے پیدا ہو جائے گی۔ دس جاہل اگر مل کر کوئی بات طے کریں تو وہ فیصلہ عالموں کا فیصلہ نہیں کہلائے گا۔

دنیا میں بہت سے باطل پرست فرقے ہیں کیا ان کے اجماع سے باطل حق ہو
جاتا ہے قرآن مجید میں جن کو صادق کہا گیا ہے ان کی صفات یہ ہیں۔
سورہ بقرہ۔ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ
الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى
الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا
وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔
(یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ
بلکہ نیکی تو اس کے لیئے ہے جو اللہ پر۔ روز قیامت پر۔ ملائکہ پر اور کتابوں پر
اور نبیوں پر ایمان لائے اور خدا کی محبت میں رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں
اور مقروضوں پر اپنا مال خرچ کرے اور نماز کو ادا کرے اور زکوٰۃ دے اور
جو عہد (خدا سے) کیئے ہیں ان کو پورا کریں اور صبر کریں، سختیوں، مضرتوں
میں اور جنگ کے موقعوں پر یہ لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں)
جب تک ارباب حل وعقد میں سے ہر ایک میں یہ صفات نہ پائی جائیں ان کا اجماع
بمنزلہ عصمت قرار نہیں پا سکتا اور ان کے ساتھ رہنے سے وہ فائدہ نہ ہوگا جو مقصود
باری تعالیٰ ہے۔ صادقین کے ساتھ رہنے کا حکم اس لیئے دیا گیا ہے کہ لوگ اصول دین
اور فروع دین کی حقیقت کو صحیح طور سے سمجھیں اور اعمال کی بجا آوری میں ان سے غلطی نہ ہو
رسول کا فرض تھا کہ اپنی زندگی میں صادقین کی شناخت کرا دیں تاکہ امت گمراہی سے
محفوظ رہے۔ مباہلہ میں حضورؐ جن لوگوں کو ساتھ لے کر چلے تھے وہ سب کے سب
صادق تھے کیونکہ مباہلہ میں جھوٹوں پر لعنت کرنا تھی لہٰذا جھوٹ بولنے والے آپ کے

ساتھ کیسے ہو سکتے تھے۔ نصاریٰ کے پادری نے تو ان کی صورتیں دیکھ کر ہی پہچان لیا تھا کہ یہ لوگ سچے ہیں ورنہ وہ مباہلہ سے گریز نہ کرتے۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس آیت میں صادقین سے مراد حضرت علی ہیں اور ان کے بعد دیگر آئمہ اہل بیت۔

اگر صادقین سے مراد دعویٰ نبوت کی تصدیق کرنے والے ہوں تو حضرت علی علیہ السلام سب سے پہلے تصدیق کرنے والے ہیں اور مصداق من جاء بالصدق وصدق بہ (جو سچائی کو لے کر آیا اور جس نے تصدیق کی) اور مرتے دم تک اس تصدیق پر ایسے قائم رہے کہ کسی وقت حضرتؐ کی نبوت میں شک کیا ہی نہیں۔

۳۸۔ رسالتِ رسولؐ کا شاہد

پ۱۲ ہود ع۲ ۱۔ اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّہٖ وَیَتْلُوْہُ شَاهِدٌ
آیت ۱۷۔ مِّنْہُ وَمِنْ قَبْلِہٖ کِتٰبُ مُوْسٰۤی اِمَامًا وَّرَحْمَۃً۔

(اس سے زیادہ دعوئ نبوت میں سچا کون ہوگا) جو خدا کی طرف سے روشن دلیل لے کر آیا ہو اور اس کے پیچھے پیچھے ایک گواہ ہو جو اسی سے ہو اور اس سے پہلے کتاب موسیٰ جو امام و رحمت ہے (اس کی گواہی دے چکی ہو)

جب یہودیوں نے کہا کہ آپ کی نبوت کا کوئی گواہ بھی ہے تو خدا نے ان کے جواب میں یہ آیت نازل کی جس نے بتایا کہ دو گواہ ہیں ایک تو تحریری دستاویز ہے یعنی قرآن اور دوسرے ایک ناطق گواہ ہے جو رسول کے بدن کا جزو ہے ان کے نور کا ٹکڑا ہے ان کے پیچھے پیچھے آرہا ہے یعنی ان ہی کے راستے پر چلنے والا ہے۔ جس گواہ کی یہ دو صفتیں بیان کی گئی ہیں وہ علی علیہ السلام ہیں ان کے سوا نہیں ہو سکتا۔

تالی کہتے ہیں قدم بقدم پیچھے آنے والے کو علی سے بہتر کوئی دوسرا رسول اللہ کا پیرو تھا بچپن میں حضرت کے ساتھ رہنے کا شرف آپ ہی کو حاصل تھا۔ حضرت علی نے حضورؐ کی مرضی کے خلاف کبھی کوئی کام کیا ہی نہیں۔ دوسری صفت اس گواہ کی یہ ہے کہ وہ رسول سے ہے یعنی شریک نور رسالت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ انا وعلیؑ من نور واحد (میں اور علی ایک نور سے ہیں) یعنی گواہ حضورؐ کی رسالت کے آپ ہی ہیں کیونکہ جب خلقت آدم سے نو ہزار برس پہلے حضورؐ کے فرق نورانی پر تاج نبوت رکھا گیا تھا اس وقت حضرت علی کے سوا دیکھنے والا اور کون تھا وہ سب جو حضورؐ کی رسالت پر ایمان لائے سماعی گواہ تھے یعنی رسول نے کہا میں اللہ کا رسول ہوں۔ سب نے اس کی تصدیق کی۔ رسول کو رسول بنتے کسی نے نہیں دیکھا۔

شاہد منہ یعنی جن کی نسبت سے اتباع کاملہ کا اظہار ہوتا ہے یہ جن کی نسبت رکھنے والے اہلبیت رسول کے سوا دوسرے نہ تھے انہی کو حضرت نے اپنی طرف نسبت دی ہے۔ مثلاً آپ نے فرمایا:

علی منی وانا منہ — (علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے)

فاطمۃ بضعۃ منی — (فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہیں)

حسن منی وانا منہ — (حسن مجھ سے ہیں اور میں حسن سے ہوں)

حسین منی وانا منہ — (حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں)

ان کے علاوہ بتاؤ اور کس کے لیے حضرت نے ایسا فرمایا ہے اگر کوئی دعوے کرے تو جھوٹا ہے۔ سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ یہی سب اہل کسا ہیں۔ رسول نے اپنی چادر کے نیچے جیسا کہ حدیث کسا سے ظاہر ہوتا ہے اور کسی کو لیا ہی نہیں صرف یہی چار جو شریک نور تھے اس چادر کے اندر لئے گئے تھے اور انہی کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی۔

maablib.org

سورۂ برأت کے واقعہ سے یہ حقیقت بے نقاب ہوتی ہے۔ جب حضورؐ نے سورہ برأت کی ابتدائی آیات کی تبلیغ کے لئے حضرت ابوبکر کو مکہ بھیجا تو جبریل امین نے نازل ہو کر کہا یارسول اللہؐ خداوند عالم فرماتا ہے ولا یو دیھا الا انت او رجل منک (اس کی تبلیغ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا یا تم خود کرو یا وہ کرے جو تم سے ہو) چنانچہ حضرت ابوبکر کو واپس بلالیا اور حضرت علی نے مکہ جا کر تبلیغ کی۔

شاھدٌ منہ میں من کی قید سے معلوم ہوا کہ من کے تحت میں تابعین و فرمانبردار آتے ہیں جیسا کہ طالوت کے قصہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ طالوت نے جب اپنے لشکر والوں کو نہر کے پانی پینے سے منع کیا تھا تو کہا تھا فمن شرب منہ فلیس منی (جو کوئی اس سے پی لے گا وہ مجھ سے نہیں ہے یعنی میرا تابع فرمان نہیں)

پس اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ آنحضرتؐ کی نبوت کا گواہ حضرت کے تابعین میں سے ہے اور ان کا تالی ہے تالی کی مثال قرآن مجید میں یہ ہے۔ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا (قسم ہے سورج کی جب وہ روشن ہو اور چاند کی جو اس کے پیچھے پیچھے آئے چاند اور سورج کا راستہ ایک ہی ہے وہ سورج کے پیچھے پیچھے اس طرح آتا ہے کہ ادھر سورج غروب ہوا اور وہ بلا فاصلہ اس جگہ سے برآمد ہو گیا۔ اور اسی راستہ پر چلا جس سے سورج آیا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک سورج کے بارہ قائمقام ہوتے ہیں جو اسی کے نور کا جزو ہیں اور اس سے نکلے ہیں اور بارہ کے بارہ ایک ہی شکل و صورت کے ہوتے ہیں ان میں اول سے آخر تک کوئی فرق نہیں ہوتا۔ ہمارے آئمہ کے لئے حضورؐ نے فرمایا ہے۔ اولنا محمد اوسطنا محمد آخرنا محمد کلنا محمد

آیہ زیر غور میں ایک نہایت لطیف بات ہے کہ رسول اللہؐ کی رسالت کے جو دو گواہ بیان کئے گئے ہیں ان میں سے جو اللہ کی طرف سے (من ربہ) گواہ تھا یعنی قرآن وہ تو نکلا رسول کے گھر سے اور جو رسول کی طرف سے گواہ تھا (علی) وہ نکلا خدا کے گھر سے یعنی

علی کعبہ میں پیدا ہوئے اس کی وجہ یہ ہے کہ عبد و معبود کے درمیان فرق ہو جائے
جو ناطق تھا اسے خدا نے اپنے گھر سے نکالا اور جو صامت تھا اسے رسولؐ کے گھر سے
رسول نے ان دونوں کے دامنوں میں یہ کہہ کر گرہ لگا دی۔ علیؑ مع القرآن والقرآن
مع علی تا کہ حوض کوثر پر حضرت کے پاس آنے تک یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں

۳۹۔ صدقہ آلِ رسولؐ پر حرام تھا

پ۱۳ یوسف ع ۱۰۔ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ
آیت ۸۸۔ مُزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ
يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ۔

(یوسف کے بھائیوں نے کہا اے عزیز ہم کو اور ہمارے سارے کنبہ کو
قحط کی وجہ سے، تکلیف ہو رہی ہے ہم تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں،
اس کے عوض پورا غلہ دلوا دیجئے اور ہم کو اپنا صدقہ دیجئے اللہ صدقہ دینے
دینے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد انبیاء پر صدقہ حرام نہ تھا یہ خصوصیت صرف
خاتم المرسلین کی اولاد کی ہے۔

امام رازی نے لکھا ہے کہ اہلبیت رسول پانچ چیزوں میں رسول کے شریک تھے اول درود
دوسرے وجوب مودت، تیسرے طہارت چوتھے تحریم صدقہ پانچویں وجوب اطاعت
صدقہ کھانا اولاد انبیاء کے لئے غالباً بمجبوری جائز ہو گا جیسا کہ برادران یوسف
نے اپنی تنگدستی بیان کر کے صدقہ طلب کیا۔ لیکن اولاد رسول کے لئے کسی حالت میں بھی
صدقہ کھانے کی اجازت نہ تھی۔ چنانچہ واقعہ کربلا کے بعد جب دشمنان خاندان رسول آلِ

کو قید کر کے کوفہ پہنچے تو بیکس بیبیاں اور بچے نہایت فلاکت زدہ حال پر شتران بے کجاوہ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کوفہ کی عورتیں جو بغرض تماشا کوٹھوں پر بیٹھی تھیں۔ ان کے حال زار پر ترس کھا کر صدقہ کی روٹیاں اور خرمے ان پر پھینکنے لگیں۔ جناب زینب کو ان کی اس حرکت پر غصہ آیا۔ آپ نے ان سے فرمایا۔ اے زنانِ کوفہ و شام اِنَّ الصَّدَقَۃَ عَلَیْنَا حَرَامٌ (صدقہ ہم پر حرام ہے) اگر کوئی بچہ خرمہ دانا یا روٹی کا ٹکڑا منہ میں رکھ لیتا تھا تو بیبیاں اس کو منہ سے نکال کر پھینک دیتی تھیں۔

یہ خاندان تمام مسلمانوں کا بادشاہ تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی ولایت کے تحت تمام مسلمانوں کو رہنے کا حکم دیا تھا اور ان کی اطاعت کو واجب قرار دیا تھا پس صدقہ جیسی گھٹیا چیز ان پر کیسے حلال ہو سکتی تھی۔ اگرچہ ناہنجار زمانہ نے ان کو انتہائی بے کس و بے بس بنا دیا تھا مگر ان کی حمیت و غیرت کو ان مصائب و آلام سے کوئی دھچکا نہیں لگا وہ وہی تھے جو کربلا آنے سے پہلے مدینہ میں تھے۔ سعدی نے کہا ہے۔

؎ جوہر اگر در خلاب افتد ہمچناں نفیس ؎ وغبار اگر بر فلک رود ہمچناں خسیس ؎

جواہر پارہ اگر کیچڑ میں پھنس جائے تو نکلنے کے بعد ویسا ہی روشن و تابندہ رہے گا اور غبار اگر آسمان پر چلا جائے تو وہی ذلیل و کمینہ غبار رہے گا۔

۴۰۔ دین اسلام مبنی بر بصیرت ہے

پ ۱۳ یوسف ۱۲ آیت ۱۰۸:۔ قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَسُبْحَانَ اللّٰہِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

(اے رسول کہہ دو میرا طریقہ یہ ہے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں اور میں اور میرا پیرو دونو مضبوط دلائل پر ہیں۔ اللہ کی ذات پاک و پاکیزہ ہے اور میں مشرکین سے نہیں)

اس آیت میں دو باتیں غور طلب ہیں۔

۱۔ دین اسلام کے احکام مبنی بر بصیرت ہیں یعنی عقل و دانش سے بھرپور ہیں مجنوں کی بڑ نہیں۔ بے سوچی سمجھی باتیں نہیں۔ بے دلیل دعوے نہیں۔ بے مصلحت کوئی حکم نہیں

۲۔ میں جو کچھ بتاتا ہوں وہ سب معقولات میں سے ہیں میری طرح جو میری پیروی کرنے والا ہے وہ بھی بے عقلی کی باتیں کسی کو نہیں بتاتا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ کون ہے یوں تو اتباع رسول کے مدعی بہت سے ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ پیروی کرنے والے حضرت علی تھے اس کی چند وجہیں ہیں۔

الف:۔ حضرت علی بچپن سے حضورؐ کی پرورش میں رہے اور سایہ کی طرح ساتھ ساتھ رہے تعلیم کی صورت یہ تھی کہ حضرت علی فرمایا کرتے تھے۔

اذ سألته انبأني واذا سكتُّ فابتدأني

(جب میں پوچھتا تو حضرت بتاتے تھے اور جب میں چپ ہو جاتا تھا تو حضرت خود اپنی طرف سے بتاتے تھے اور یہ بھی کہا کرتے تھے کہ حضورؐ نے مجھے اس طرح تعلیم دی ہے جیسے طائر اپنے بچہ کو بھراتا ہے۔ پس ایسا شخص کوئی بے بصیرت بات کیسے کہہ سکتا ہے۔ علی کا علم وہی تھا جو رسول اللہ کا علم تھا جب ہی تو حضورؐ نے فرمایا تھا۔ انا مدينة العلم وعلیؑ بابها۔ (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) اور یہ بھی فرمایا:۔ انا دار الحكمة وعلیؑ بابها۔ (میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) پس جس کے اندر حکمت پائی جائے وہ بصیرت کے خلاف کوئی بات کیسے بتا سکتا ہے۔

عمر بھر علی نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو عمل رسول کے خلاف ہو یا تعلیم قرآن سے ہٹا ہوا ہو۔ حضرت علی علیہ السلام کے جو خطبات نہج البلاغہ میں درج ہیں ان کو پڑھنے والا اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت کی بصیرت کس درجہ پر تھی۔ معرفت باری تعالیٰ

کے متعلق جو درس آپ نے دیئے ہیں کس کی طاقت ہے کہ ان کی شان بیان کر سکے دنیائے اسلام میں بڑے بڑے مدعیان علم پائے گئے ہیں مگر یہ بات کسی کے بیان میں نہیں پائی جاتی۔ ابن ابی الحدید کا یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ امیر المومنین کے خطبات اس قدر معرفت انگیز ہیں کہ جتنی بار ان کو پڑھا جاتا ہے۔ نئے نئے حقائق و معارف کا پڑھنے والے کے دل پر انکشاف ہوتا ہے یہ ایک بحر ذخار ہے جس میں جتنی بار غوطہ لگایئے ہر بار موتیوں سے دامن بھرا ہوا نکلے گا۔

۱۴۔ ہر قوم میں ایک ہادی ہوتا ہے

پ ۱۳ الرعد ع ۲:۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ

آیت ۷:۔ (اے رسول تم خوف خدا سے ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک ہدایت کرنے والا ہے)

ابن مردویہ، ابن جریر، دیلمی، ابو نعیم اور ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ نے اپنے ہاتھ کو اپنے سینہ پر رکھا اور فرمایا اَنَا مُنْذِرٌ یعنی میں ڈرانے والا ہوں پھر اپنے ہاتھ سے علی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اَنْتَ الْهَادِیْ یَاعَلِیُّ بِکَ یَهْتَدِیْ الْمُهْتَدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ (اے علی تم ہادی ہو میرے بعد ہدایت پانے والے تم سے ہدایت پائیں گے) (در منثور سیوطی)

حضرت نے اپنے کو صرف منذر فرمایا ہادی نہیں فرمایا۔ جو ہادی ہو گا وہ منذر بھی ہو گا۔ انذار اور ہدایت دونوں ساتھ ہیں۔ چونکہ علی شریک کار رسالت ہیں اس لئے آنحضرت نے ایک صفت کا اپنے لئے ذکر کیا اور دوسری کا علی کے لئے انذار کی جتنی صورتیں تھیں حضرت رسول پر ختم ہو گئیں۔ اب کوئی نئی صورت انذار

کی علت کے لئے باقی نہیں رہی۔ رہی ہدایت اس کے مختلف طریقے بلحاظ زمانہ ہوتے ہیں ہادی جس طرح مناسب سمجھے ہدایت کرے۔ مزاجِ مردم، ماحول اور وقتی ضرورت کو لحاظ رکھتے ہوئے انذار کے بغیر ہدایت ہو سکتی ہے لیکن ہدایت کے بغیر انذار بے سود ہوتا ہے۔

اگر کسی قوم میں کوئی منصوص من اللہ ہادی نہ ہو تو خدا کی حجت اس پر تمام نہیں ہو سکتی وہ روزِ قیامت کہہ سکتے ہیں کہ جب ہمارے پاس کوئی ہادی آیا ہی نہیں تو پھر ہم سے باز پرس کیسی۔ ہر زمانہ کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے ہادی کو پہچانیں یہ شناخت ان پر واجب ہے جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃً جاہلیۃً (جو اس حالت میں مر گیا کہ اس نے اپنے امامِ زمانہ کو نہ پہچانا تو وہ کفر کی موت مرا) یعنی ہادیٔ زمانہ کا اتباع نہ کرنے کی وجہ سے وہ گمراہی سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔

دین میں کچھ حقائق ہیں کچھ مسائل ہیں کچھ اصول و فروع ہیں جن کو قیاس و رائے و وہم سے نہیں سمجھا جا سکتا ان کو سمجھانے والے وہی لوگ ہو سکتے ہیں جن کو خدا اور رسول سے تعلیم حاصل ہوئی ہو۔ دنیا کے اہلِ علم کے معتقدات و نظریات کو اس لئے قابلِ اعتماد نہیں سمجھا جا سکتا کہ وہ عقلِ ناقص کے نتائج ہوتے ہیں جو آئے دن بدلتے رہتے ہیں یا تو وہ خود ہی اپنی غلطی کا اعتراف کر کے بدل دیتے ہیں یا ان کے زمانہ مابعد کے علماء دوسرے نظریات پیش کر کے ان نظریات کو باطل قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ منصوص من اللہ ہادی ہر زمانہ میں پایا جائے۔ مثلاً رسول کے زمانہ میں کوئی خدا کے مجسم ہونے کا قائل نہ تھا لیکن بعد میں ایک فرقہ مشبہ کے نام سے پیدا ہو گیا۔

رسول کے زمانہ میں اللہ کو خیر کا خالق مانا جاتا تھا بعد میں اسے شر کا خالق بھی

تسلیم کر لیا گیا۔

رسول کے زمانہ میں بندوں کو فاعل مختار سمجھا جاتا تھا بعد کو وہ مجبور سمجھا جانے لگا

رسول کے زمانہ میں نماز ایک ہی طریقہ سے پڑھی جاتی تھی۔ بعد میں سترہ طریق سے پڑھی جانے لگی غرضیکہ آنحضرتؐ کے بعد اس قسم کے بیشمار اختلافات پیدا ہو گئے پس اگر کوئی منصوص من اللہ ہادی ہر زمانہ میں موجود نہ ہو تو غلط اور صحیح عقیدے کی شناخت کون کرے غلط عمل کو کون بتائے۔

۴۲۔ علم کتاب کس کے پاس ہے

پ ۱۳ الرعد ۶ ؛ ۔ یقول الذین کفروا لست مرسلا قل کفی باللہ شہیدا آیت ۴۳ ؛ ۔ بینی و بینکم ومن عندہ علم الکتاب ۔

(اے رسول کافر کہتے ہیں کہ تم رسول نہیں ہو تم ان سے کہو کہ میرے اور تمھارے درمیان ایک تو اللہ گواہ ہے دوسرے وہ شخص جس کے پاس کتاب اللہ کا پورا پورا علم ہے)

۱۔ جب سے آنحضرتؐ نے اعلان رسالت کیا۔ بیشمار لوگوں نے آپ کے سچا رسول ہونے کی گواہی دی مگر اللہ نے ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ گواہی میں نہیں لیا سوائے اس شخص کے جس کے پاس کتاب اللہ کا پورا پورا علم ہے۔

۲۔ معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی رسالت کا صحیح طریقہ سے سمجھنے والا اور رسالت کے مراتب و مدارج کو دلائل سے پہچاننے والا صرف وہی شخص ہو سکتا ہے۔ جس نے اول سے آخر تک کتاب کو سمجھا ہو اور اس کے تمام علوم پر حاوی ہو۔ قرآن ایسی کتاب نہیں کہ اس کے تمام رموز و غوامض کا علم کسی ایسے شخص کو ہو جائے جس نے علوم کو دنیوی مکاتب

مدارس سے حاصل کیا ہو۔ ایسا شخص تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو مکتب من لدن کا تعلیم یافتہ ہو اور جس نے ایک ایک آیت کی تعلیم و تفسیر و تاویل رسول اللہ سے حاصل کی ہو۔ جو سفر و حضر و جلوت و خلوت میں رسول اللہ کے ساتھ سایہ کی طرح رہا ہو

۳۔ کتاب خدا کا علم رکھنے والے کے اندر کتنی قوت آجاتی ہے اس کا بیان آگے آتا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ جس کو اپنے ساتھ گواہی میں لے لے سمجھ لیجیے اس کا روحانی اور علمی وقار کس پایہ کا ہوگا۔

۵۔ مفسرین اس کے قائل ہیں کہ من عندہٗ علم الکتاب سے مراد علی بن طالب ہیں چنانچہ تفسیر ثعلبی میں عبداللہ بن عطا سے روایت ہے کہ عبداللہ بن سلام کہتے تھے کہ من عندہٗ علم الکتاب سے مراد علی بن ابیطالب ہیں اور اسی وجہ سے وہ اکثر کہا کرتے تھے سلونی قبل ان تفقدونی (میرے مرنے سے قبل جو چاہو مجھ سے پوچھ لو) یہ دعویٰ اُمت محمدی میں علی کے سوا کسی نے نہیں کیا۔

مروی ہے علامہ حافظ سبط ابن جوزی نے ایک بار بر سر منبر یہ کلمات کہے تھے۔ ایک عورت اٹھ کھڑی ہوئی اور اس نے کہا تم غلط کہتے ہو یہ دعویٰ میرے مولا علی کے سوا کسی کو زیب نہیں دیتا۔ انھوں نے کہا علم کسی کی جاگیر نہیں۔ جس کے سینے میں انوار علم کا پرتو ہے۔ وہ یہ کہہ سکتا ہے۔ اس نے کہا اگر یہ بات ہے تو میرے ایک سوال کا جواب دو۔ بتاؤ کیا وجہ تھی کہ جب سلمان فارسی کا انتقال مدائن میں ہوا تو علی نماز جنازہ پڑھانے مدینہ سے مدائن گئے اور جب حضرت عثمان مدینہ میں قتل ہوئے تو علی نے نماز جنازہ نہ پڑھائی آیا علی اس قابل نہ تھے کہ ان سے نماز جنازہ پڑھوائی جاتی یا عثمان اس قابل نہ تھے کہ علی ان کی نماز جنازہ پڑھتے۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے کیونکہ ان کے نزدیک وہ تو خلیفہ برحق تھے۔ کس کے لیے کیا کہتے۔

۶۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ من عندہٗ علم الکتاب سے مراد عبداللہ بن سلام ہیں جو یہودی سے مسلمان ہوئے تھے اور جو توریت کے بہت بڑے عالم تھے لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کیونکہ سعید بن جبیر سے جب لوگوں نے کہا کہ من عندہٗ علم الکتاب سے مراد علی ابن ابیطالب علیہ السلام نہیں بلکہ عبداللہ بن سلام مراد ہیں تو انہوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ یہ آیت مکی سورہ کی ہے اور عبداللہ مدینہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے ابن منذر نے شعبی سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن سلام کی شان میں تو کوئی آیت قرآن میں نازل ہی نہیں ہوئی (تفسیر درمنثور جلد ۴ مطبوعہ مصر)

علاوہ بریں رسول کی رسالت کا سب سے بڑا گواہ قرآن مجید ہے اگر عبداللہ بن سلام مراد ہوں تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ آپ نے ایک شخص کو گواہی میں پیش کیا جو عالم توریت تھا اور نہ پیش کیا ایسے شخص کو جو عالم قرآن تھا۔ ایک ناسخ کتاب کے عالم کو چھوڑ کر ایک منسوخ کتاب کے عالم کو پیش کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔

۷۔ اس کے ثبوت میں کہ حضرت علی کل کتاب کے عالم تھے۔ آپ کا یہ مشہور قول ہے سلونی قبل ان تفقدونی۔ نیز یہ کہ ایک رات مسجد رسول میں آپ نے ابن عباس سے سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کی۔ یہاں تک کہ صبح کی نماز کا وقت ہو گیا۔ آپ نے فرمایا

یا ابن عباس لو شئت لاوقرت سبعین بعیراً من تفسیر فاتحۃ الکتاب

(اگر میں چاہوں تو صرف سورۃ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ لاد دوں) یعنی اتنے مجلات تحریر کر دوں جو ستر اونٹوں پر لادے جائیں۔

اور یہ بھی فرمایا اگر میرے لیے مسند قضا بچھا دی جائے تو میں اہل توریت کے درمیان توریت سے اور اہل انجیل کے درمیان انجیل سے اور اہل قرآن کے درمیان قرآن سے اسطرح حکم دونگا کہ ہر کتاب اپنی زبان سے بول اٹھے گی کہ علی نے ہمارے بارے میں وہی حکم کیا ہے جو اللہ کا حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی نہ صرف قرآن کے پورے پورے عالم تھے

بلکہ ہر آسمانی کتاب کے عالم تھے۔

ایک بار امیر المومنین نے ایک قضیۂ کا فیصلہ فوراً سنا کر قرآن کی آیت اس کے ثبوت میں پیش کر دی۔ حضرت عمر نے کہا آپ بہت جلد فیصلہ کر دیا کرتے ہیں اور اس کے ثبوت میں فوراً قرآن کی آیت پیش کر دیا کرتے ہیں۔ آپ کو یہ خوف نہیں ہوتا کہ مبادا غلطی ہو جائے ذرا احتیاط سے کام کیجئے فرمایا اے عمر تمھارے ہاتھ میں کتنی انگلیاں ہیں انہوں نے کہا پانچ۔ فرمایا تم نے جواب دینے میں جلدی کی انہوں نے کہا یہ کیا سوچنے کی بات تھی یہ پانچوں انگلیاں میری نظر کے سامنے ہیں۔ فرمایا آگاہ ہو جس طرح یہ تمہاری نظر کے سامنے ہیں۔ کائنات کا ورق اور کتاب اللہ کا علم میری نظر کے سامنے ہے۔

ابن عباس فرمایا کرتے تھے علمی من علم علیؑ و علم علیؑ من علم نبی و علم النبی من علم اللہ و ما علمی و علم جمیع اصحاب محمدؐ فی علم علیؑ الا کقطرۃ فی سبعۃ ابحر۔

(میرا علم علی کے علم سے ہے علی کا علم نبی کے علم سے ہے۔ نبی کا علم خدا کے علم سے ہے میرا اور تمام اصحاب محمدؐ کا علم علی کے علم کے مقابل ایسا ہے جیسے سات سمندروں کے مقابل ایک پانی کا قطرہ۔)

۷۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے علیؑ مع القرآن والقرآن مع علی (علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے) اب بتائیے ایسی صورت من عندہٗ علم الکتاب کا مصداق علی کے سوا کون ہو سکتا ہے۔

۸۔ اب اس کا اندازہ کیجئے کہ کتاب خدا کا علم رکھنے والے میں کتنی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ واقعہ قرآن میں موجود ہے۔

حضرت سلیمان بلقیس ملکہ سبا کو مع تخت حاضر کرنا چاہتے ہیں۔ ایک دیو نے کہا۔ میں آپ کا دربار برخاست ہونے سے پہلے اس کو مع تخت حاضر کر دوں گا اس کے بعد ایک شخص (آصف برخیا وزیر سلیمان) نے کہا میں اس کو پلک جھپکتے لا

سکتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے حاضر کر دیا۔ قرآن میں ان کے متعلق ہے۔ قال من عندہ علم من الکتاب (انہوں نے کہا جن کے پاس تھوڑا سا علم کتاب تھا) پس جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہو اس کی طاقت کا کیا ٹھکانہ ہے۔

قرآن کہتا ہے۔ لوان قرانا سیرت بہ الجبال او قطعت بہ الارض او کلم بہ الموتی بل للہ الامر جمیعا

اگر کوئی قرآن ایسا ہو سکتا ہے کہ پہاڑ اس سے چل نکلیں زمین کی مسافت (دم بھر میں طے کر لی جائے) اور مُردے بول اٹھیں تو وہ یہی قرآن ہے) تمام امور اللہ کے اختیار میں ہیں۔ پس اب غور کیجئے ایسی کتاب کا جو پورا پورا عالم ہو گا اس کی طاقت کتنی ہو گی)

نصارائے نجران نے ان چھپی ہوئی قوتوں کے مالکوں کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور ان کے پادری نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ سب ہلاک ہو جاؤ گے میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ اللہ سے دعا کریں کہ پہاڑ کو اس کی جگہ سے ہٹا دے تو ہٹا دے گا۔

ایک بار ایک یہودی امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا آصف برخیا وزیر سلیمان تھے انہوں نے کرامت دکھائی کہ بلقیس کو مع تخت شہر سبا سے چشم زدن میں حاضر کر دیا۔ آپ وزیر محمد مصطفے صلے اللہ علیہ وآلہ ہیں۔ کیا آپ بھی ایسا کر سکتے ہیں فرمایا آصف کا دست تصرف صرف زمین تک تھا۔ میں چاہوں تو جنت کے میوے ہاتھ بڑھا کر لا رکھوں۔ اس نے کہا ذرا دکھائیے۔ آپ نے ہاتھ بلند کیا پھر ہاتھ نیچا کیا تو اس میں دو سیب تھے اس نے کہا لائیے میں کھا کر دیکھوں فرمایا تو کافر ہے جنت کا میوہ نہیں کھا سکتا۔ یہ اہل ایمان کے لئے ہے نہ کہ کافر کے لئے۔

(مدینۃ المعاجز)

۴۳۔ شجرِ طیّبہ و شجرِ خبیثہ

پ ۱۳ ابراہیم ع ۴ ۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً

آیت ۲۴، ۲۶: كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ تُؤْتِيْ

اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝

(اے رسول تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کلمہ طیبہ (اچھی بات) کی مثال اس شجرہ طیبہ سے بیان کی ہے جس کی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان سے لگی ہیں اور اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھولا پھلا رہتا ہے اور خدا لوگوں کے واسطے ایسی مثالیں بیان کیا کرتا ہے تاکہ لوگ نصیحت و عبرت حاصل کریں اور گندی بات کی مثال گویا ایک گندے درخت کی سی ہے جس کی جڑ کمزور ہے کہ زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ پھینکا جائے کیونکہ اس کو کچھ ٹھہراؤ نہیں)

مثال کے ذریعہ سے جو بات سمجھ میں نہ آتی ہو وہ سمجھ میں آجاتی ہے لیکن اس آیت میں جو مثال دی گئی ہے وہ ایک ایسے درخت سے دی گئی ہے کہ دنیا کے کسی خطہ میں ڈھونڈا نہیں ملتا۔ غور کیجئے

۱۔ ایسا درخت دنیا میں کہاں ہے جس کی جڑ زمین پر اور شاخیں آسمان پر

۲۔ ایسا درخت دنیا میں کہاں ہے جو ہر زمانہ میں پھلا پھولا رہتا ہو اور اس کے پھل ہر زمانہ میں کھائے جاتے ہوں۔

معلوم ہوا کہ اس سے مادی درخت مراد نہیں بلکہ نبوت کا درخت مراد ہے جس کی شاخیں امامت ہے جو ہر زمانہ میں باقی رہنے والی ہیں اور جن سے ہر زمانہ کے لوگوں

فائدہ حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے کیونکہ امام بطور حجت خدا ہر زمانہ میں موجود رہتا ہے۔
اس کی تصدیق روز فتح مکہ سے ہوئی کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم
حضرت علی کے ساتھ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے اور وہاں بیشمار بتوں کو طاقوں میں رکھا دیکھا
تو فرمایا علی ان سب کو گرا دو چنانچہ حضور نے بھی چھڑی مار مار گرایا اور حضرت علی نے بھی۔
ایک بت جو بہت بڑا تھا اور خانہ کعبہ کی چھت پر لوہے کی کیلوں سے جڑا ہوا تھا اس کو
گرا کر پھینکنے کے لئے حضور نے حضرت علی سے فرمایا۔ یا علی اسے بھی گرا دو۔ تم میرے
کندھوں پر قدم رکھ کر کعبہ کی چھت پر چڑھ جاؤ۔ حضرت علی نے عرض کی یہ تو سوء
ادب ہے۔ حضور میرے شانوں پر قدم رکھ کر چڑھ جائیں۔ چنانچہ حضرت علی جھکے
حضورؐ نے قدم رکھا ہی تھا کہ حضرت علی کو اتنا وزن محسوس ہوا کہ اٹھ نہ سکے۔ عرض کی
حضور میں بار نبوت نہیں اٹھا سکتا۔ حضرت نے فرمایا اچھا اب تم میرے شانوں پر آؤ
چنانچہ حضرت علی آپ کے شانوں پر چڑھے اس وقت مہر نبوت آپ کے قدم کے نیچے
تھی۔ اللہ اللہ اس منزلت کا کیا ٹھکانہ ہے۔ جب حضرت علی رسول کے شانوں
پر قدم رکھ کر کھڑے ہوگئے تو حضورؐ نے پوچھا اس وقت تم اپنے کو کہاں پاتے ہو
عرض کی میں اتنی بلندی پر ہوں کہ اگر چاہوں تو آسمان کو چھو لوں۔ یہ اسرار نبوت ہیں ہماری
سمجھ میں نہیں آسکتے یہ حقیقی تفسیر اس درخت کی جس کا ذکر آیہ مذکورہ میں ہے۔
اس سے ثابت ہوا کہ نبوت اصل ہے اور امامت فرع ہے۔ جس طرح درخت کی جڑ کا
تمام زور شاخوں پر صرف ہوتا ہے اس طرح نبوت کی تعلیم کا تمام زور حضرت علی پر صرف
ہوا۔ اس طریقہ عمل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امامت کا دست تصرف نہ صرف زمین
والوں پر ہے بلکہ آسمان والوں پر بھی ہے۔
الغرض حضرت علی نے کعبہ کی چھت پر جا کر ایک ہی جھٹکے میں اس بت کو جو کئی من
وزنی تھا اکھاڑ کر زمین پر پھینکا جو کئی گز دور جا کر گرا۔ اس کے بعد آپ اوپر سے کود گئے

اور مسکراتے ہوئے بغیر کسی زحمت و تکلیف کے سطح زمین پر آکھڑے ہوئے حضور
نے پوچھا۔ اے علی کیوں مسکرا رہے ہو۔ عرض کی حضورؐ مجھے تعجب ہے کہ اتنی بلندی
پر سے کودا لیکن میرے چوٹ نہ لگی۔ فرمایا اے علی لگتی کیسے جب کہ محمدؐ نے تم کو
چڑھایا تھا اور جبرئیل نے تم کو اتارا۔

یہ تو تفسیر کا باطنی رخ تھا ظاہری صورت میں بھی دیکھیئے تو حضرت رسول خدا اور
حضرت علی ایک ہی درخت سے ہیں جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا ہے۔

الناس من اشجار شتی وانا و علیؑ من شجرۃ واحدۃ

(لوگ مختلف درختوں سے ہیں اور میں اور علی ایک ہی درخت سے ہیں) یا تو یوں
سمجھیئے کہ ایک ہی نسل اور ایک ہی خاندان سے ہیں یا یوں کہیئے کہ ایک ہی نور سے ہیں)
ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی نے فرمایا۔ رسول ایک درخت ہیں جس کی
شاخیں ان کے اہل بیت ہیں اور اس کے پتے ہمارے شیعہ ہیں جب ایک پتہ گرتا
ہے تو ہم کو صدمہ ہوتا ہے۔

دوسری مثال درخت خبیثہ کی ہے جس سے مراد بنی امیہ ہیں۔ قدرت نے اس
درخت کو مضبوطی نہیں بخشی۔ دنیا میں کچھ عرصہ حکومت کر کے وہاں پہنچ گئے جہاں
ان کی جگہ تھی لیکن درخت طیبہ بحمد اللہ آج تک پھولا پھلا ہوا ہے اس کا ذکر قیامت
تک دنیا میں باقی رہے گا۔

اس سلسلے میں کچھ سوال کرنے کو دل چاہتا ہے۔

۱۔ کیا وجہ تھی کہ حضرت علی کے شانوں پر جب حضرت رسول خدا چڑھے تو ان کا
وزن محسوس ہوا کہ تاب نہ لا سکے؟ ۔حضرت تو گھوڑوں، اونٹوں اور خچروں پر سوار ہوا
کرتے تھے وہ کبھی نہیں گھبراتے تھے۔ بات یہ ہے کہ ہر چیز کے پرکھنے کے لئے
ایک معیار ہوتا ہے۔ بخار کا وزن تھرمامیٹر سے معلوم ہوتا ہے اور کسی چیز سے نہیں

چاندی سونے کا کھرا کھوٹا پن کسوٹی سے جانچا جاتا ہے معمولی پتھر سے نہیں۔ عالم کے علم کا وزن وہی جان سکتا ہے جو خود عالم ہو۔ نبوت میں کتنا وزن ہوتا ہے یہ کوئی مادی چیز نہیں جس کو مادی پیکر سمجھ سکیں۔ اس کو تو امامت والے ہی سمجھ سکتے ہیں اور محسوس کر سکتے ہیں۔ عام لوگوں میں سے کوئی حضورؐ کو اگر چڈھی چڑھالے تو وہ وزن نبوت کو محسوس کرنے سے قاصر رہے گا۔

۲۔ کیا وجہ تھی کہ حضورؐ نے خانہ کعبہ میں بت شکنی کے لئے اپنے ساتھ علی کو لیا اور بھی ہزارہا مسلمان تھے ان کو کیوں نہ لیا اس کی وجہ یہ تھی کہ عام لوگ پہلے بت پرست رہ چکے تھے۔ سالہا سال ان کی عبادت کی تھی لہٰذا ان کو بت شکنی میں تکلف ہوتا۔ یا تنگ دلی سے ایسا کرتے۔ علی کو کوئی باک نہ تھا کیونکہ انہوں نے کبھی کسی بت کے سامنے سجدہ کیا ہی نہ تھا۔ شرک باللہ کا کبھی بھولے سے بھی ان کے دل میں خیال نہ آیا تھا۔

۳۔ علی چونکہ اول سے آخر تک شریک کار رسالت رہے تھے اور ہر جگہ حضرت کے قوت بازو بنے رہے تھے لہٰذا اس موقع پر انہی سے کام لیا گیا۔

۴۔ حضرت علی کی ولادت خانہ کعبہ میں ہوئی تھی لہٰذا ان کو سب سے زیادہ حق اس بات کا تھا کہ اپنی جائے ولادت کو بتوں سے پاک کریں کوئی شخص اپنے گھر میں جہاں پیدا ہوا ہو نجاست دیکھنی نہیں چاہتا۔

مطلب از افشائے کعبہ بہر میلاد تو بود
ورنہ شخص لامکاں را خانہ کے باشد روا

رہا شجر خبیثہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد بنی امیہ ہیں۔

۴۴۔ عصمت آئمہ

پ ۱۳ ابراہیم ع ۶ آیت ۳۵۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ ھٰذَا الْبَلَدَ

اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ

(وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے خدا سے عرض کی تھی۔ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن وامان کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے بچائے رکھنا کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں)

یہ دعا تمام اولاد ابراہیمی سے متعلق نہیں ہو سکتی کیونکہ اولاد ابراہیم علیہ السلام تو بکثرت بت پرست بھی تھے بلکہ ان کے پیش نظر اپنی وہ اولاد تھی جو ایسی صاحب ایمان ہو جس نے کبھی شرک باللہ کیا ہی نہ ہو اور یہ آل رسول تھے کیونکہ بچائے رکھنے کا صحیح مصداق وہی تھے جو پیدا ہی مسلمان ہوئے تھے جیسا کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے مَا اَشْرَکْتُ بِاللّٰہِ طَرْفَۃَ عَیْنٍ (کبھی میں نے پلک جھپکتے بھی شرک باللہ نہیں کیا)

---

۴۵ اہلبیت کے لئے ابراہیمؑ کی دعائیں

پ ۱۳ ابراہیم ع ۶ :- فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ
آیت ۳۷ :- وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ ۔

(یا اللہ لوگوں کے دل میری اولاد کی طرف جھکا دے اور انکو ثمرات کا رزق دے)

خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کے لئے کئی دعائیں کی تھیں جو قرآن میں متفرق مقامات پر مذکور ہیں ان میں سے دو دعائیں اوپر لکھی گئیں۔ پہلی دعا یہ ہے۔

(۱) لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے یعنی لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کر۔ اس دعا کی مقبولیت اس طرح ظاہر ہوئی کہ حضور سرور کائنات ص کا جب ظہور ہوا تو حضرت ابراہیم ع کی اس دعا کا جواب ان کے پاس اس آیت کی صورت میں آیا۔

maablib.org

قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ

(اے رسول کہدو کہ میں تم سے کوئی اجر رسالت نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ میرے ذوی القربیٰ سے محبت کرو)

یعنی دلوں کو مائل کرنا کیسا ہم نے تو ان کی محبت کو واجب کر دیا۔ اولاد حضرت ابراہیم میں بسلسلہ اسحاقی بہت سے انبیاء و مرسلین پائے گئے جن میں اولوالعزم بھی تھے لیکن ان میں سے کسی ایک نبی کی اولاد کی محبت کو خدا نے واجب نہیں کیا۔ سوائے ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ کے ذوی القربیٰ کے اس سے ثابت ہوا کہ یہ دعا انہی سے متعلق تھی اور جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔ ذوی القربیٰ رسول علی و فاطمہ و حسن و حسین اور اولاد حسین سے نو امام کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ رسول کے عام رشتہ داروں کی محبت کا وجوب ثابت نہیں۔

دوسری دعا یہ تھی کہ ان کو ثمرات کا رزق دے۔

مفسرین عامہ لکھتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مکہ میں ہر قسم کی پھل پھلاری میری اولاد کو ملتی رہے ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ ایک نبی جو خدا کا رسول اور خلیل ہے ایسی معمولی دعا کر رہا ہے کہ ہر قسم کے پھل مل جایا کریں۔ ایسی دعائیں تو معمولی لوگ مانگ سکتے ہیں نہ کہ ابراہیم جیسا نبی۔ یہ پھل جو مکہ میں پائے جاتے ہیں مومن و کافر سب ہی کھاتے ہیں پھر اس دعا کا فائدہ؟

ظاہر ہے کہ یہ دعا تعمیر کعبہ کے وقت کی گئی تھی جو خواہش اس وقت دل میں پیدا ہوئی ہوگی وہ یہ تقاضائے فطرت یہی ہوگی کہ یہ گھر ہمیشہ آباد رہے۔ خدا تو اس میں رہنے کو آئیگا نہیں لہٰذا اس کے کچھ محافظ ہونے چاہئیں اور وہ ایسے ہوں کہ جب تک دنیا میں کعبہ رہے ان کی نسل بھی باقی رہے جو اس کے محافظ حقیقی ہوں پس ثمرات سے مراد یہاں پھل پھلاری نہیں بلکہ ثمرات فواد دل کے پھل یعنی اولاد ہے۔ چنانچہ ان کی

یہ دعا قبول ہوئی اور اہل بیت رسول میں سے ایک شخص ہر زمانہ میں موجود رہا اور قیامت تک موجود رہے گا۔ اصلی محافظ خانہ کعبہ وہی ہے۔ ظاہری محافظ کوئی بھی ہو جائے یہ محافظت تو عمارت کی ہے اس کی روحانی برکات کی محافظت تو انہی لوگوں کے سپرد رہی جو معصوم ہیں اور منصوص من اللہ امام ہیں۔

۴۶۔ شیطان کو وقت معلوم تک کی مہلت کیوں دی گئی

پ۱۴ الحجر ع ۲:۔ قَالَ فَانْظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ. قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ

آیت ۳۸:۔ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ۔

(شیطان نے کہا مجھے قیامت کے دن تک کی مہلت دے خدا نے فرمایا جا تجھے وقت مقرر کے دن تک کی مہلت دی گئی)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کو روز قیامت تک زندہ رہنے کی مہلت نہیں دی گئی بلکہ ایک وقت خاص تک کے لئے دی گئی ہے اس کے بعد اس کا داخل جہنم ہونا یقینی ہے مفسرین عامہ اس کی توضیح سے قاصر ہیں کہ وقت معلوم کونسا وقت ہے وہ کہتے ہیں خدا کی مرضی پر موقوف ہے جب تک چاہے اسے زندہ رکھے مگر قیامت کے دن سے پہلے مار دے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں کیا مصلحت ہے کہ قیامت تک مہلت نہیں دی گئی۔

شیعہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یوم وقت معلوم سے مراد ظہور قائم آل محمد کا وقت ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں ہر برائی کا خالق شیطان ہے جب تک اس کا وجود دنیا میں ہے لوگوں کو بہکاتا ہی رہے گا اور خدا کی یہ پیشین گوئی پوری نہ ہونے دیگا

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (التوبہ)

جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا اور دین حق دے کر تاکہ وہ تمام ادیان پر غالب آ جائے ۔

اب تک دین اسلام کو ایسا غلبہ نہیں ہوا کہ سب دین مٹ گئے ہوں صرف دین اسلام باقی رہا ہو لیکن یہ پیشین گوئی غلط تو نہیں ہو سکتی ۔ ضرور ایسا ہو کر رہے گا ۔ احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت حجت ظہور فرمائیں گے اس وقت مشرق سے مغرب تک اسلام کے سوا اور کوئی دین دنیا میں پایا ہی نہ جائے گا ہر شخص بے خوف ہو کر خدائے واحد و یکتا کی عبادت کرے گا یہی وہ وقت ہو گا جب شیطان اس ولی خدا کی تلوار سے قتل ہو گا ۔ جب اس مایہ شر و فساد سے دنیا خالی ہو جائے گی تو بہکانے کا سوال ہی ختم ہو جائے گا اس وقت تو ہادی کی ہدایت کے پھیلنے کا وقت ہو گا ۔

---

۴۷ ۔ صراط مستقیم کیا ہے ۔

پ ۱۴ الحجر ع ۳ :۔ قَالَ رَبِّ بِمَا اَغْوَيْتَنِي لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ

آیت ۴۱ :۔ لَا اُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلِيٌّ مُسْتَقِيْمٌ ۔

(شیطان نے کہا اے میرے پروردگار چونکہ تو نے مجھے رستہ سے الگ کیا ہے میں بھی ان (اولاد آدم) کے لئے دنیا کے ساز و سامان کو عمدہ کر کے دکھاؤں گا ۔ اور ان سب کو ضرور بہکاؤں گا مگر ان کو نہیں جو تیرے مخلص بندے ہیں فرمایا یہی وہ سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچتی ہے)

جو ترجمہ ہم نے پیش کیا ہے وہ ظاہری الفاظ کا ترجمہ ہے جو شیعہ مفسرین نے قبول نہیں کیا ۔ حضرات اہل سنت نے صراطٌ علیٌّ پڑھا ہے اور یہ ترجمہ کیا ہے "بلند سیدھا راستہ"

لیکن یہ صحیح نہیں۔ راستہ کی خوبی سیدھا ہونا ہے نہ کہ بلند ہونا کیا جو راستے بلند نہیں ہوتے وہ سیدھے نہیں ہوتے بلندی اور پستی تو اضافی چیزیں ہیں۔ بلندی جب ہی ہوگی جب پستی بھی ہو اور جب دونو پائی جائیں تو پھر راستہ سیدھا نہ ہوگا۔ شیعوں کے نزدیک صراطُ علیّ ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ علی کا راستہ سیدھا ہے اور اس صورت میں خدا کی طرف سے یہ تصریح ہوگی کہ جس دین پر علی قائم ہیں وہ سیدھا ہے اس کی پیروی کرو۔ چونکہ رسول صراط مستقیم پر تھے جیسا کہ فرماتا ہے انک لمن المرسلین علیٰ صراطٍ مستقیمٍ لہٰذا جس راستہ پر انہوں نے علی کو چلایا وہ ہی صراط مستقیم ہوا چونکہ آنحضرتؐ کے بعد لوگوں نے بہت سے راستے بنا لئے ہیں لہٰذا یہ بتانا ضروری تھا کہ ان تہتر راستوں میں سیدھا راستہ کس کا ہے۔

حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے۔ یا علی انت المیزان انت الصراط المستقیم (اے علی تم لوگوں کے اعمال کے جانچنے کی ترازو ہو اور تم صراط مستقیم پر ہو) اگر علی کا راستہ سیدھا نہ ہوتا تو حضورؐ قرآن کے ساتھ علی کو نہ کرتے اور اپنی امت کو دونو سے تمسک کرنے کا حکم نہ دیتے۔

دو نقطوں کے درمیان سیدھا خط تو ایک ہی ہوتا ہے اوپر نیچے جو خطوط نکلتے ہیں وہ سب کج بھی ہوتے ہیں اور زیادہ لمبے بھی۔ ایک عقلمند آدمی کا فریضہ ہے کہ اگر ایک منزل سے دوسری منزل تک پہنچنے کے لئے بہت سے راستے جاتے ہوں تو وہ راستہ اختیار کرے جو سیدھا ہو اور جلدی پہنچا دے نیز یہ کہ کسی ایسے رہنما کو ساتھ لے جس کے بہکنے کا اندیشہ نہ ہو اور ایسا شخص معصوم ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت رسول خدا نے حدیث ثقلین اور حدیث سفینہ میں صاف طور سے بتا دیا کہ کن لوگوں کی پیروی کرنی چاہیئے۔

---

۴۸ - اہلِ ذکر کون ہیں

پ ۱۴ النحل ع ۶ آیت ۴۳ - فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔
(اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو)

مفسرین نے اہل ذکر سے مراد علما کو لیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ تمام علماء قرآن کا صحیح علم نہیں رکھتے نیز ان کے درمیان سخت اختلاف ہے ۔ ایسی صورت میں سائل کس کے جواب کو صحیح سمجھے ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جا بجا لفظ ذکر سے مراد حضرت رسولِ خدا کو لیا ہے بلکہ رسول کا نام ہی اللہ نے ذکر رکھا ہے جیسا کہ فرماتا ہے :۔ قد انزل اللہ الیکم ذکراً رسولاً الخ (اللہ نے تمہاری طرف نازل کیا اپنے ذکر کو جو رسول ہے) پس جب ذکر رسول ہوئے تو اہل بیت رسول اہل ذکر ہوئے ۔

نصول المہمہ میں معاویہ بن عمار سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اس آیت کو تلاوت فرما کر ارشاد فرمایا ہم اہل الذکر ہیں ۔ حاتم نے سعید ابن جبیر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ باوجود نماز پڑھنے روزہ رکھنے اور حج کرنے کے منافق ہیں ۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ ایسے لوگوں کے دلوں میں نفاق کیوں کر داخل ہوا ۔ فرمایا اس وجہ سے کہ وہ اپنے امام پر طعن کرتے ہیں اس کو برا کہتے ہیں جس کو خدا نے اپنی کتاب میں اہل الذکر فرمایا ہے (تفسیر در منثور سیوطی)

اہل الذکر ان کو اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ امت رسول میں یہ سب سے زیادہ ذکر الٰہی کرنے ہیں پ ۱۸ سورہ نور ع ۶ آیت ۳۶ - اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو چراغ آسمان و زمین کو روشن کرنے والے ہیں وہ ایسے گھروں میں ہے ۔ فی بیوتٍ اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والآصال (وہ ایسے گھروں میں ہے کہ اللہ نے

اجازت دی ہے کہ ان کو بلند مرتبہ بنایا جائے اور ان میں اس کا ذکر ہو اور صبح و شام اس کی تسبیح ہو)

ایسا گھر محمدؐ و آلِ محمدؐ کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے جہاں ہر وقت ذکر الٰہی ہوتا ہے لہٰذا یہی اہل الذکر ہیں۔

۴۹- سلطانِ نصیر کون ہے۔

پ۱۵ بنی اسرائیل ع ۹- وَقُل رَّبِّ اَدخِلنِی مُدخَلَ صِدقٍ وَّاَخرِجنِی مُخرَجَ صِدقٍ وَّاجعَل لِّی مِن لَّدُنکَ سُلطَانًا نَّصِیرًا۔ آیت ۸۰۔

(اے رسول یہ دعا مانگا کرو کہ اے میرے پروردگار مجھے جہاں پہنچا اچھی جگہ پہنچا اور مجھے جہاں سے نکال اچھی طرح نکال اور مجھے خاص اپنی بارگاہ سے ایک ایسا قوی مددگار عطا کر جس سے ہر طرح کی مدد پہنچے)

ابن عباس سے مروی ہے کہ جب حضرت رسول خدا ہجرت کر کے مدینہ کو چلے تو یہ حکم خدا پہنچا پس آپ نے یہ دعا کی خدا نے اسے قبول فرمایا اور یوں سچ کر کے دکھایا کہ جب مکہ فتح ہوا اور آپ خانہ کعبہ میں تشریف لائے تو علی کی مدد سے خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں جابر ابن عبد اللہ انصاری سے یوں بیان کیا ہے کہ جب ہم مکہ میں رسول اللہ کے ساتھ داخل ہوئے اور خانہ کعبہ میں آئے تو دیکھا کہ وہاں تین سو ساٹھ بت رکھے ہیں جن کو عرب کے مختلف قبیلے پوجتے تھے۔ حضرت نے ان کے گرانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ سب بت گرائے گئے۔ آخر ایک بہت بڑا بت ہبل نامی رہ گیا جو اوپر تھا حضرت علی سے آپ نے فرمایا تم میرے شانے پر چڑھو یا میں تمہارے شانے پر چڑھ کر اس بت کو گرا دوں میں نے کہا حضور ہی میرے شانوں پر چڑھیں جب حضرت نے قدم رکھا تو مجھے بار نبوت اتنا گراں معلوم ہوا کہ میں

اپنے کو حرکت دینے کے قابل تھا۔ الغرض رسول اللہ اتر آئے اور حضرت علی کو اپنے شانوں پر سوار کیا۔ حضرت علی فرماتے ہیں جب میں حضرت کے شانوں پر تھا تو میں نے اپنے کو اتنا بلند پایا کہ اگر چاہتا تو آسمان کو چھو لیتا۔ پس میں نے اس بت کو اکھاڑ کر زمین پر دے ٹپکا۔ حضرت نے فرمایا:۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

(حق آیا اور باطل گیا اور باطل تو جانے والا ہے ہی)

(منقول از حاشیہ قرآن مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب)

مذکورہ بالا آیت میں حضورؐ نے اپنے لئے ایک قوی مددگار کو مانگا تھا۔ اللہ نے دعا قبول کی اور حضرت علی جیسا ناصر و مددگار عطا فرمایا۔ جس نے ہر موقع پر نہ صرف حضرت کی جان کی حفاظت کی بلکہ دین اسلام کی وہ بے نظیر خدمت کی جس کی نظیر نہیں ملتی۔ بت شکنی بھی کی اور بت پرستوں کو قتل بھی کیا۔ علی ہی نے اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اپنی ساری زندگی خدمت اسلام کے لئے وقف کر دی۔

اوصاف علی بہ گفتگو ممکن نیست   گنجائش بحر در سبو ممکن نیست

۵۰۔ خلقت آدم سے پہلے پیدا ہونے والے

پ۱۵ الکہف ع ۷:۔ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ

آیت ۵۰:۔ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا مَا اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا۔

(کیا تم نے مجھے چھوڑ کر شیطان اور اس کی ذریت کو اپنا سرپرست بنا لیا ہے حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں اور ظالموں کے لئے بڑا برا بدلہ ہے

میں نے ان کو آسمان و زمین کی خلقت کے وقت گواہ نہیں بنایا تھا اور نہ
اپنی خلقت کے وقت وہ موجود تھے اور نہ میں نے گمراہ کرنے والوں کو مددگار بنایا)
اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلقت آسمان و زمین کے وقت شیطان اور اس کی ذریت
موجود نہ تھی لیکن کچھ مخلوق ایسی تھی موجود تھی ورنہ شیطان کہہ سکتا تھا کہ اگر ہم موجود نہ تھے
تو کوئی اور بھی موجود نہ تھا لیکن وہ ایسا کہہ نہیں سکتا تھا کیونکہ وجود محمد و آل محمد خلقت
آسمان و زمین سے پہلے تھا۔ حدیث قدسی ہے۔
لولاک لما خلقت الافلاک (اے رسول اگر تم نہ ہوتے تو میں آسمان و زمین کو
پیدا ہی نہ کرتا) نور محمد و آل محمد اس وقت خلق ہوا۔ جب کہ کائنات کی کوئی چیز عالم وجود میں
نہیں آئی تھی پس یہی درجہ ہے کہ تمام مخلوق الہٰی ان کو پہچانتی ہے کیونکہ ہر شے ان کے
سامنے بنی ہے۔

شیطان ضرور ان سے واقف تھا جب ہی تو اس نے یہ کہا تھا کہ سب کو بہکاؤں
گا مگر تیرے مخلص بندوں کو اگر نہ جانتا ہوتا تو ان کا استثنا کیوں کرتا اور اگر ان حضرات
کا وجود پہلے سے نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرماتا۔
استکبرت ام کنت من العالین (تو نے تکبر کیا یا تو عالین میں سے ہو گیا) معلوم ہوا
یہ عالی مرتبت گروہ پہلے سے موجود تھا حضور سرکار دو عالم نے فرمایا تھا میں اور علی ایک
نور سے پیدا کئے گئے ہیں خلقت آدم سے نو ہزار برس پہلے۔ یہ خصوصیت بھی انہی
حضرات کی ہے کہ یہ اپنے وجود ظاہری کے وقت بہ ہیئت نورانی موجود تھے اور یہ کہ اللہ
تعالیٰ نے اپنے دین کی اشاعت میں ان سے مدد لی ہے۔

---

maablib.org

۵۱ - ذوی القربیٰ رسول کون ہیں

پ ۱۵ بنی اسرائیل ع ۱۳۲ - وآت ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا
آیت ۲۶ ۱- (اور قرابتداروں اور محتاج اور پردیسی کو ان کا حق دے دو اور فضول خرچی نہ کیا کرو)

مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ نے حضرت فاطمہ کو بلایا اور فدک عطا فرمایا۔ ابن مردویہ نے یہ روایت ابو سعید خدری سے بیان کی ہے (درمنثور)

مروی ہے کہ جب امام زین العابدین علیہ السلام دمشق میں پہنچے تو ایک شامی نے طنز آمیز باتیں کیں۔ آپ نے فرمایا اے شخص تو نے قرآن پڑھا ہے اس نے کہا ضرور پڑھا ہے۔ فرمایا سورہ بنی اسرائیل میں یہ آیت بھی پڑھی ہے وآت ذا القربیٰ حقہ۔ اس نے گھبرا کر کہا۔ انکم للقرابۃ التی امر اللہ ان یوتی حقہ (کیا تم ہی وہ لوگ ہو جن کے حق ادا کرنے کا حکم ہمیں خدا نے دیا ہے فرمایا ہاں ہم ہی ہیں یہ سن کر اس نے اپنا منہ پیٹ لیا اور زار زار رونے لگا۔

---

۵۲ - فاطمہ مریمؑ سے افضل ہیں

mdabhb.org

پ ۳ آل عمران ع ۵ ۱- یامریم ان اللہ اصطفاک وطھرک
آیت ۴۲ ۱- واصطفاک علیٰ نساء العالمین۔

(اے مریم اللہ نے تمہیں چن لیا ہے اور تمہیں طاہر کیا ہے اور تمہیں چن لیا ہے تمام عالموں کی عورتوں پر)

اس آیت میں جناب مریمؑ کا دو بار اصطفا ہوا ہے اور ایک بار طہارت۔ ایک
بار ان کا اصطفا ہوا۔ نسل انبیاء میں ہونے سے اور دوسری بار بغیر شوہر بچہ جنے میں
اور حیض و نفاس سے پاک رہتے ہیں۔

بنی اسرائیل و بنی اسماعیل میں صرف دو عورتیں ایسی تھیں جو نجاست جسمانی سے
پاک تھیں بنی اسرائیل میں یہ فضیلت جناب مریم کو ملی اور بنی اسماعیل میں حضرت محمد
مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی جناب زہرا سلام اللہ علیہا کو۔ جناب مریم کی طہارت
جسمانی و روحانی ہے چونکہ تاکیدی نہ تھی یعنی آیت میں صرف لفظ طَھَّرَکِ آیا ہے لہذا ان
کی نسل میں صرف ایک جناب عیسےٰ معصوم پائے گئے لیکن مصداق آیت تطہیر جس میں
جناب فاطمہ شامل ہیں۔ تاکیدی طہارت ہے یُطَہِّرَکُمْ تَطْہِیْرًا۔ جس کا مفہوم یہ ہے
کہ جناب فاطمہ کی نسل سے گیارہ معصوم پیدا ہوئے اور یہ طہارت قیامت تک باقی
رہنے والی ثابت ہوئی۔

جناب مریم کے اعزاز میں جو قوت آئی وہ حضرت عیسےٰ جیسے پیغمبر کی ماں ہونے
سے ہے لیکن جناب فاطمہ زہرا کو تین نسبتوں سے شرف حاصل ہوا۔ اول یہ کہ وہ بیٹی تھیں
محمد مصطفےٰ ص کی۔ مریم کے باپ عمران نبی نہ تھے۔ دوسرے وہ بی بی تھیں سید الاوصیاء
مشکل کشائے دوعالم حضرت علی مرتضےٰ کی۔ جناب مریم شوہری نسبت کے شرف
سے محروم تھیں۔ تیسرے جناب فاطمہ کے دونوں زانوں پر دو معصوم بیٹھے تھے اور
کے زانو پر ایک۔ حکیم الامت جناب ڈاکٹر اقبال صاحب فرماتے ہیں۔

مریم از یک نسبت عیسےٰ عزیز — از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

عورت کا شرف یہ ہے کہ اچھی بیٹی بنے اچھی بی بی بنے اچھی ماں بنے اس شرف
میں بھی جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا جناب مریم سے افضل تھیں کیونکہ جناب
مریم کو اچھی بی بی بننے کا موقع نہ ملا۔

مریم نساء عالمین کی سردار تھیں اور فاطمہ زہرا نہ صرف نساء عالمین کی سردار تھیں بلکہ نساء اہل جنت کی بھی سردار ہیں۔ جناب مریم کے فرزند جناب عیسٰی علیہ السلام کی سیادت صرف اہل زمین تک محدود رہی لیکن حضرت فاطمہ زہرا کے فرزندوں کی سیادت کو جوانان جنت کی سرداری کا شرف حاصل ہوا۔ جیسا کہ رسول خدا نے فرمایا ہے۔ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔

۵۳۔ حضرت علی کا پیدا ہوتے ہی کلام کرنا

پ۱۶ مریم ع۲۔۱۲۔ آیت ۳۱۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا۔

(آغوش مادر میں حضرت عیسٰیؑ نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا ہے)۔ انبیاء میں صرف حضرت عیسٰیؑ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انہوں نے آغوش مادر میں کلام کیا اور اس کا اظہار کیا کہ وہ صاحب کتاب ہیں۔ دوسرے نبی جناب یحیٰیؑ ہیں جو بچپن ہی میں صاحب عقل و فہم تھے یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ وَ اٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا۔ (اے یحیٰی کتاب توریت کو مضبوطی کے ساتھ لو اور ہم نے انہیں بچپن ہی میں نبوت دی) یہ بھی بطن مادر ہی سے قوت گویائی لے کر آئے تھے۔ جناب ابراہیمؑ کو بھی اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں صاحب عقل سلیم بنایا تھا۔ وَ اٰتَیْنٰہُ الرُّشْدَ مِنْ قَبْلُ (ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے صاحب عقل سلیم بنایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام خدا کے یہاں سے علم و دانش اور عقل و فہم کامل لے کر آتے ہیں اور جب ضرورت ہو تو آغوش مادر ہی میں بولنے بھی لگتے ہیں جیسا کہ حضرت عیسٰیؑ نے کلام کیا اور اپنا صاحب کتاب ہونا ظاہر کیا لیکن جو کتاب خدا نے ان کو دی تھی وہ پڑھ کر سنائی نہیں۔

لیکن حضرت علیؑ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے بطن مادر سے جدا ہوتے ہی کلام بھی کیا اور کتاب خدا کا کچھ حصہ پڑھ کر بھی سنایا۔ لوگوں کو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے کیونکہ اول تو وہ عالم امر ہی کی مخلوق تھے۔ عالم خلق کی مخلوق کا ان پر قیاس نہ کرنا چاہیے دوسرے یہ گویائی اثر تھا لعاب رسول پیدا ہوتے ہی چوسنے کا۔ یہ لعاب نہ تھا بلکہ علوم الٰہیہ کا ایک چشمہ تھا جو زبان رسول سے پھوٹ کر سینۂ علیؑ میں چلا گیا۔ امیر المومنین نے فرمایا اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر ھٰذا اَسْفَطُ الْعِلْمِ ھٰذا لُعَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ (یہ علم کا خزانہ ہے یہ لعاب رسول کا اثر ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن کے نازل ہونے سے پہلے علیؑ نے قرآن کیسے سنا دیا

جبکہ وہ حضرت رسولِ خدا پر چالیس سال بعد نازل ہوا تھا۔ جواب یہ ہے کہ چالیس سال بعد تو اس کی تعلیم و تلقین کا وقت تھا ورنہ رسُول کے سینہ میں تو وہ پہلے ہی سے محفوظ تھا۔ چالیس سال پہلے رسول جاہل نہ تھے بلکہ علوم الٰہیہ کے مالک تھے اس کا ثبوت یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کنت نبیاً وادم بین الماء والطین (میں اس وقت نبی تھا جب آدم آب و گل میں تھے) کیسے ممکن ہے کہ آنحضرتؐ اس وقت نبی تو ہوں مگر جاہل ہوں نبی کے لئے صاحب علم ہونا ضروری ہے کیونکہ جو حجت خدا ہوتا ہے وہ کسی وقت اور کسی حالت میں یہ نہیں کہتا۔ لا ادری (میں نہیں جانتا) پس جب ثابت ہو گیا کہ علم قرآن اس وقت بھی رسولؐ کے سینہ میں تھا جب کہ آپ بطن مادر میں تھے اور اس وقت بھی جب کہ آپ پیدا ہوئے۔

دوسرا ثبوت یہ ہے کہ بعثت سے پہلے چالیس سال تک آپ نے کوئی عمل ایسا نہیں کیا جو تعلیم قرآن کے خلاف ہوتا ورنہ قرآن آپ کو ٹوکتا کہ اب ایسا نہ کرنا۔ پس جب رسُول کے لیے یہ امر ثابت ہو گیا تو علی کے لئے کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ نور رسُولؐ کا ایک جزو تھے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نور کا ایک جزو تو عالم رہے اور دوسرا جاہل قرار پائے۔

سورہ رحمٰن میں ہے الرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ (رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن کی تعلیم دی پھر انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان کرنا سکھایا) معلوم ہوا کہ وہ انسان جس کو قبل پیدائش علم قرآن دیا گیا وہ حضرت رسولِ خدا تھے۔

۵۴۔ علی لسان صدق ہیں

پ ۱۶ مریم ۴ ۔ ۳۲ ۔ آیت ۵۱ ؛۔ وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِيًّا۔

(ہم نے ان کے لئے علی کو سچی زبان بنایا) تفسیر صافی میں ہے بحوالہ تفسیر قمی امام حسن عسکریؑ سے منقول ہے کہ اس آیت میں ضمیر ھم کا مرجع حضرت ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ ہیں اور ساری آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ابراہیمؑ و اسحاقؑ و یعقوبؑ کے بعد اپنی رحمت سے اپنا رسُول محمد مصطفٰےؐ کو بنایا اور ان کے لئے سچائی کی زبان علیؑ بن ابیطالبؑ کو مقرر کیا یہ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا جواب ہے:-

وَاجۡعَلۡ لِّیۡ لِسَانَ صِدۡقٍ فِی الۡاٰخِرِیۡنَ (میرے لئے آخر زمانہ میں ایک سچی زبان قرار دے) جناب ابراہیم علیہ السّلام کو بعلم نبوت معلوم تھا کہ آخر زمانہ میں جب ظہور ختم الانبیاء ہو گا تو ایک لسان صدق کی ضرورت پیش آئے گی اور ملت ابراہیمی کی بقا اس پر موقوف

ہو گی - کیونکہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد دین اسلام تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گا -
اور ان میں سے ہر ایک حق پر ہونے کا دعویٰ کرے گا - موافق حدیث رسولؐ بہتر ان میں
سے ناری ہوں گے اور ایک ناجی ہو گا - لہٰذا ناجی کی شناخت کے لئے ایک لسان
صدق رکھنے والا موجود ہونا چاہیئے تاکہ جھوٹے مدعیان حق کا جھوٹ ظاہر ہو
جائے ورنہ اگر کوئی ایک بھی ان میں لسان صدق نہ ہو گا تو یہ امتیاز ہو کیسے سکے گا -
لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا کا یہ ترجمہ کرنا غلط ہے کہ ایک بچی اونچی زبان بنا دے - زبان کی
تعریف اونچی بیان کرنا ایک مہمل بات ہے - زبان کی تعریف اونچی نیچی نہیں بلکہ صداقت
سے ہوتی ہے لہٰذا لسان صدق کہنے کے بعد زبان کی تعریف تو ہو گئی - باقی رہا یہ امر
کہ وہ کس کی زبان ہو اس کو علیاً کہہ کر یہ بتا دیا گیا کہ وہ بچی زبان علیؑ ہیں - جنہوں نے
کبھی جھوٹ بولا ہی نہیں یہ وہی علیؑ ہیں جو آیہ کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ میں صادقین کے مصداق ہیں

---

۵۵ - علیؑ کی محبّت جزو ایمان ہے

پ ۱۶ مریم ع ۶ آیت ۹۶ : اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ
لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا

(جو لوگ ایمان والے ہیں اور جنہوں نے اچھے کام کئے ہیں خدا ان کی محبت
دلوں میں پیدا کر دے گا)

علامہ ابن مردویہ اور دیلمی نے برازر سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولِ خدا
نے حضرت علیؑ سے فرمایا - اے علیؑ کہو خداوندا میرے لئے عہد و پیمان و محبت
قرار دے اور مومنوں کے دل میں میری محبت قائم کر - اسی وقت یہ آیت نازل
ہوئی - بروایت ابن عباس خود حضرت علیؑ سے یہ روایت منقول ہے (تفسیر درمنثور سیوطی جلد ۴)

کون نہیں جانتا کہ بدون محبت اتباع ممکن نہیں اس لئے اللہ تعالےٰ نے آیۂ قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ میں ذوی القربیٰ رسول کی محبت کو واجب کیا ہے اس کے بغیر اجر رسالت ادا کرنا ممکن نہیں ہو سکتا۔

رسول اللہ نے اپنے بعد اپنے ذوی القربیٰ کو امت کا ہادی بنایا تھا اور اللہ نے ان کی محبت کو واجب قرار دیا تھا تاکہ کار دین میں خلل نہ پڑے اور لوگ وجوب محبت کی بنا پر ان کی ہر بات کان لگا کر سنیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ تجربہ بتاتا ہے کہ جن لوگوں کو آل رسول سے محبت نہیں ان کے اعتقاد و عمل ایسے بدلے کہ تعلیم رسول کے خلاف ہو گئے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک دین تہتر فرقوں میں تقسیم ہو گیا۔

آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کے فضائل کے سلسلے میں فرمایا ہے۔

النظر الی وجہ علیؑ عبادۃ (علیؑ کے چہرہ پر نظر کرنا عبادت ہے)

پھر اس خیال سے کہ جب علیؑ نہ ہوں گے تو لوگ اس عبادت سے محروم رہیں گے فرمایا ذکر علیؑ عبادۃ (علیؑ کا ذکر بھی عبادت) پھر اس خیال سے کہ اگر کسی زمانہ میں ذکر علیؑ جرم قرار پائے گا تو لوگ اس سعادت سے محروم رہیں گے۔ فرمایا حب علیؑ عبادۃ (علیؑ کی محبت عبادت ہے) جس پر کوئی روک ٹوک نہیں ہو سکتی اور یہ عبادت ہر جگہ اور ہر وقت بغیر کسی زحمت کے کی جا سکتی ہے۔

maablib.org

۵۶۔ خلافت علیؑ خلافت ہارونی کی مانند ہے

پ ۱۶ ط ع ۲ : ۔ قال رب اشرح لی صدری و یسر لی امری واحلل
آیت ۲۴ : ۔ عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی واجعل لی وزیرا من
اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری کی نسبحک کثیرا
ونذکرک کثیرا انک کنت بنا بصیرا (اے میرے پروردگار میرے سینے کو کشادہ

کردے۔ میرے اوپر رسالت آسان کردے میری زبان کی بستگی
کو کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھیں اور میرے خاندان سے میرے
بھائی ہارون کو میرا وزیر بنادے تاکہ ہم دونوں تیری زیادہ سے زیادہ
تسبیح کریں اور بکثرت تیرا ذکر کریں بیشک تو ہر بات سے باخبر ہے)

یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب حضرت موسیٰ کو وادی ایمن میں نبوت ملی تھی اور خدا
نے ان کو دو معجزے عصا اور ید بیضا دے کر فرمایا تھا تم فرعون کے پاس جاؤ اس
نے بڑی سرکشی اختیار کی ہے اس وقت حضرت موسیٰ کو یہ خیال آیا کہ فرعون صاحب
حکومت وقوت ہے میں تنہا جاکر اس پر کیونکر غالب آؤں گا لہٰذا اس وقت یہ دعا مانگی تھی۔

اس دعا میں بہت سی باتیں قابل غور ہیں

۱۔ میرے سینہ کو کشادہ کردے یعنی فرعون کے پاس جانے میں دل تنگی نہ ہو اور
میری ہمت میں کمزوری نہ آئے تاکہ میں مطمئن ہو کر پوری قوت سے اس کا مقابلہ کروں
شرح صدر کی یہ صورت نہیں جو مفسرین عامہ نے لکھی ہے۔

سورہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ کے تحت لکھی ہے کہ جب حضور مبعوث
رسالت ہوئے تو جبریل آپ کے پاس آئے اور آپ کے سینے کو چیر کر دل اندر سے
نکالا اور اس میں جو سیاہ نقطہ دسویدا) تھا جس سے وساوس شیطانی پیدا ہوتے
ہیں نوچ کر پھینک دیا اور دل اندر رکھ کر ٹھیک ٹھاک کر دیا۔

یہ ایک ایسی عجیب بات ہے کہ کسی طرح دل کو نہیں لگتی۔ ایسا آپریشن تو جسمانی
مریضوں ہی کے لئے موزوں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت دینا انتہائی سوء ادب ہے
اگر آنحضرتؐ کے لئے اس طرح شرح صدر ہوا تھا تو موسیٰ کے لئے بھی ایسا ہی
ہونا چاہیئے تھا ورنہ موسیٰ کا مرتبہ ہمارے رسولؐ سے افضل قرار پائے گا۔

۲۔ میرے اوپر رسالت آسان کردے اس میں شک نہیں کہ رسالت ایک لمبا

عظیم الشان عہدہ ہے کہ ہر شخص اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے
کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔ دشمنان دین سے ایسی حالت میں مقابلہ کرنا جبکہ
مرسلین کو کوئی سامان جنگ نہ دیا جائے نہ کسی سلطنت کے مالک ہوں نہ کوئی خزانہ
ان کے پاس ہو نہ کوئی فوج ہو۔ صاحب قوت حکمرانوں سے ٹکر لینا آسان کام نہیں۔ بڑے
بڑے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پس جناب موسیٰؑ یہی چاہتے تھے کہ فرعون
کے مقابلے میں جو مشکلات پیش آئیں میں ان میں ثابت قدم رہوں۔ امام جعفر صادق
علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ انبیاء علیہم السلام ضعیفۃ الحالات اور قوی النیات
ہوتے ہیں اس بنا پر وہ کسی وقت اور کسی حالت میں تبلیغ امر حق سے نہیں چوکتے۔
۳۔ میری زبان کی لستگی کو کھول دے۔ جب بحالت طفلی حضرت موسیٰ خانہ فرعون
میں پہنچے تو فرعون کی بی بی آسیہ نے جو زن مومنہ تھیں فرعون سے کہا یہ بچہ بہت
قبول صورت ہے مجھے بہت پسند آیا۔ ہم اسے اپنا بیٹا بنا کر پالیں گے فرعون
لاولد تھا اس نے بھی آسیہ کی یہ تجویز منظور کر لی اور موسیٰ کو اپنی گودی میں لے کر پیار
کرنے لگا۔ حضرت موسیٰ نے اپنے بائیں ہاتھ سے اس کی داڑھی پکڑ کر داہنے ہاتھ
سے ایک طمانچہ اس کے رخسار پر رسید کیا وہ بلبلا گیا اور موسیٰ کو زمین پر دے ٹپکا
اور کہنے لگا ہو نہ ہو یہ وہی بچہ ہے جس کے متعلق نجومیوں نے مجھے خبر دی ہے
کہ وہ میری ہلاکت کا باعث ہوگا۔ آسیہ نے کہا کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو نہ
بیچارہ کیا جانے کہ تم خدا بنے ہوئے ہو۔ اس نے کہا آسیہ یہ بات نہیں یہ بچوں کا
سا طمانچہ نہ تھا مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے ہتھوڑا مار دیا ہو۔ میرا تمام
جبڑا ہل گیا۔ آسیہ نے کہا پھر بات کیا ہے امتحان کر لو۔ چنانچہ ایک طشت
میں جلتے ہوئے کوئلے رکھے گئے اور دوسرے میں یاقوت سرخ۔ دونو کو موسیٰ کے
سامنے رکھا گیا یہ دیکھنے کے لیے کہ انگارہ اٹھاتے ہیں یا یاقوت اگر یاقوت اٹھا

اٹھالیا تو سمجھا جائے گا۔ یہ وہی بچہ ہے۔ جناب موسیٰؑ نے بوحی الٰہی جلتا کوئلہ منہ میں رکھ لیا جس سے ان کی زبان جل گئی اور اس کی وجہ سے تتلانے لگے۔

اسی کی وجہ سے یہ دعا کی کہ میری زبان کی بستگی کو کھول دے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھنے لگیں۔

۴۔ میرے خاندان سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وزیر بنانے کا اختیار انبیا کو بھی نہ تھا۔ امت کا تو ذکر ہی کیا۔ ہاں سفارش کر سکتے تھے جیسا کہ جناب موسیٰ نے جناب ہارون کے متعلق دعا کی۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کے جانشین ان کے خاندان ہی سے ہوا کرتے ہیں یا بھائی ہوں یا اولاد۔ دوسرے خاندان والوں کا اس سے تعلق نہیں ہوتا۔

۵۔ میری کمر کو اس سے مضبوط کر دے یعنی اسے میرا معین و مددگار بنا دے۔

۶۔ میرے امور رسالت میں اس کو شریک بنا یعنی ہم دونوں مل کر تیری رسالت کا کام انجام دیں یہاں سے معلوم ہوا کہ جو وزیر ہوتا ہے وہ شریک کار رسالت ہوتا ہے۔

۷۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رسالت کے آغاز ہی میں وزیر بنایا جاتا ہے بعد مرنے کے امت کو یہ اختیار نہیں ہوتا کہ جسے چاہیں وزیر بنالیں۔ دعوت ذوالعشیرہ میں جب حضورؐ نے اپنی رسالت کا آغاز کیا تھا۔ حضرت علی کو اپنا وصی و وزیر بنایا تھا جو بالکل سنت انبیاء کے مطابق تھا۔ آپ نے آغاز و انجام دونو موقعوں پر حضرت علی کی وزارت کا اعلان کیا چونکہ حضور بغیر وحی کلام نہیں کرتے تھے لہٰذا دونو جگہ کا اعلان بحکم خدا تھا۔

اگر حضور بغیر کسی کو اپنا جانشین بنائے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔ تو حضورؐ نے ایسا کیوں کیا۔

(الف) ۱۔ کیا وصی و جانشین پہلے سے بنانا سنت انبیاء و مرسلین کے خلاف تھا؟

ب :- اگر موسیٰ نے ایسا کیا تھا تو حضرت نے ایسا کیوں نہ کیا جب کہ آپ مثیل موسیٰ
تھے جیسا کہ خدا فرماتا ہے - انا ارسلنا الیکم رسولاً شاھداً علیکم کما ارسلنا
الی فرعون رسولاً (ہم نے تمھاری طرف اس طرح ایک رسول کو تم پر گواہ بنا کر
بھیجا جیسے فرعون کی طرف ایک رسول (موسیٰ) کو بھیجا تھا -

ج :- کیا حضور کو اس امر کا یقین تھا کہ آپ کی امت میں اتنی قدوسیت آگئی
ہے کہ اس بارے میں کوئی نزاعی صورت پیدا نہ ہوگی -

د :- کیا حضرت کو اس کا یقین تھا کہ امت کے منتخب خلیفہ میں وہی قدوسیت
ہوگی جو ایک منصوص من اللہ خلیفہ میں ہونی چاہیئے -

ہ - کیا حضرت کو یہ یقین تھا کہ جو خلیفہ اجماع سے بنایا جائے گا وہ معصوم ہوگا

و :- کیا حضرت کو اس کا یقین تھا کہ امت کا بنایا ہوا خلیفہ خدا اور رسول کے
بنائے ہوئے خلیفہ سے بہتر ہوگا -

اگر یہ سب کچھ نہیں تھا تو پھر وزارت کا پہلے سے اعلان کرنا اور اپنے جانشین
کا تعارف امت سے کرانا رسول کے فرائض میں داخل تھا -

ز :- حضرت کا یہ فرمانا یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ - (کیا تم اس پر
راضی نہیں ہو کہ تمھاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ
کے نزدیک تھی) اس کی دلیل ہے کہ جیسے ہارون موسیٰ کے وزیر منصوص من اللہ
تھے اور شریک کار رسالت تھے اس طرح اے علی تم بھی میرے منصوص من اللہ جانشین
ہو اور شریک کار رسالت بھی ہو -

اس کے بعد یہ بھی فرمایا الا انہ لا نبی بعدی ——— (مگر میرے
بعد کوئی نبی نہ ہوگا) پہلی بات کے ساتھ اس جملہ کو ضم کرنے کی کیا ضرورت تھی اس
کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے - کہ اگر میرے بعد کوئی نبی آنے والا ہوتا تو

اے علی وہ تم ہی ہوتے۔ ورنہ پہلے حدیث کے ساتھ مضمون سے اس جملہ کے مضمون کا کوئی واسطہ نہیں رہتا۔

۹۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہارون کی کیا منزلت موسیٰ کے ساتھ تھی۔

ا۔ ہارون موسیٰ کے بھائی تھے۔ اسی طرح علی رسولخدا کے بھائی تھے۔

ب۔ جس طرح ہارون کی مدد سے موسیٰ کی کمر مضبوط تھی اسی طرح علی کی مدد سے رسول کی کمر مضبوط تھی کیونکہ حضرت علی آپ کا بوجھ بٹائے ہوئے تھے۔

ج۔ جس طرح ہارون شریک کار رسالت تھے حضرت علی بھی تھے

د۔ جس طرح ہارون کی اولاد اولادِ موسیٰ کہلائی۔ اسی طرح اولاد علی اولاد رسول کہلائی

ھ۔ جس طرح ہارون جلوت وخلوت میں موسیٰ کے ساتھ رہے اسی طرح علی بھی رہے

۵۷۔ بعد رسول علی کی خاموشی

پ ۱۶ طٰہٰ ع ۵ :۔ قَالَ يَا بْنَ أُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ

آیت ۹۴ :۔ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي

(اے میرے ماں جائے میری داڑھی اور میرا سر نہ پکڑیے (قوم سے لڑنے میں بھی اس لئے) ڈرا کہ آپ کہیں گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میری نصیحت کا خیال نہ رکھا)

حضرت موسیٰ کے طور پر جاتے ہی گمراہی پھیل گئی اور انہوں نے سامری کے گئوسالہ کی پوجا شروع کر دی جب موسیٰ توریت لے کر پلٹے اور قوم کا یہ حال دیکھا تو غصہ میں توریت کو زمین پر پٹک دیا اور ہارون کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تاکہ باز پرس کریں کہ تم لڑے کیوں نہیں۔ حضرت ہارون نے کہا کہ میں اس

لئے نہ لڑا کہ آپ اگر کہتے کہ تم نے قوم بنی اسرائیل کے ٹکڑے کر دیئے ان میں گروہ بندی کرا دی۔ پس بعینہٖ یہی صورت حضرت علی کو بعد رسول پیش آئی اگر آپ لڑتے تو طوائف الملوکی پھیل جاتی کچھ آپ کی طرف ہوتے کچھ مہاجرین کی طرف کچھ انصار کی طرف۔ کچھ منافقین کی طرف۔ پھر قبائلیوں میں یہ آگ پھیلتی تو بن کی آگ بن جاتی۔ اس جھگڑے کو دیکھ کر نومسلم اپنے سابقہ دین کی طرف پلٹ جاتے غرض اسلام تباہ و برباد ہو جاتا اس لئے خاموشی سے صرف اپنے جائز حق سے محروم رہے تو اسے گوارا کر لیا۔ لڑنے میں اسلام کی تباہی تھی وہ جناب حضرت علی کسی طرح منظور نہیں کر سکتے تھے۔

۵۸۔ نور سے کون مراد ہیں

پ۱۸ النور ع ۵۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا مِصْبَاحٌ
آیت ۳۵۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّہَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ
مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُہَا
یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ یَہْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ
مَنْ یَّشَآءُ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ
عَلِیْمٌ فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْہَا اسْمُہٗ
یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْہَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ رِجَالٌ لَّا تُلْہِیْہِمْ تِجَارَۃٌ
وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ
یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ
لِیَجْزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَہُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ

maablib.org

وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝

(خدا سارے آسمان و زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثل ایسی ہے جیسے ایک طاق ہے جس میں چراغ روشن ہے اور وہ چراغ ایک شیشہ میں ہو اور وہ شیشہ اپنی جگمگاہٹ میں گویا ایک روشن ستارہ ہو اور وہ چراغ زیتون کے لیسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا گیا ہو جو نہ پورب کی طرف ہو نہ پچھم کی طرف۔ بلکہ بیچوں بیچ میدان میں ہو اس کا تیل ایسا شفاف ہو کہ اگر آگ اسے چھوتے بھی نہیں تو ایسا معلوم ہو کہ آپ ہی آپ روشن ہو جائے گا (غرض ایک نور نہیں بلکہ نور علیٰ نور یعنی نور پر نور کی جوت گر رہی ہو خدا اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور خدا لوگوں کو سمجھانے کے لئے مثلیں بیان کرتا ہے اور خدا تو ہر چیز سے خوب واقف ہے وہ چراغ ان گھروں میں روشن ہے جن کی نسبت خدا نے حکم دیا ہے کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان میں اس کا نام لیا جائے۔ صبح و شام وہ لوگ اس کی تسبیح کیا کرتے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں جن کو خدا کے ذکر کرنے نماز پڑھنے اور زکواۃ دینے سے نہ کوئی تجارت ہی غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت وہ لوگ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں خوف کے مارے دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی اس کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ خدا انہیں ان کے اعمال کا بہتر سے بہتر بدلہ دے اور اپنے فضل و کرم سے کچھ اور زیادہ دے خدا تو جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔)

ان آیات مبارکہ میں چند امور قابل بیان ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مَثَل بیان کی ہے مِثل نہیں۔ مَثَل اور مِثل میں یہ فرق ہے کہ مِثل میں مشابہت فی الذات ہوتی ہے اور مَثَل میں فی الصفات کوئی چیز اللہ کی مثل نہیں

جیسا کہ فرماتا ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (کوئی چیز اس کی مثل نہیں) لیکن ایسا نہیں کہ مثل ہی
جیسے کہ فرماتا ہے وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی (اللہ کے لئے اعلیٰ مثل ہے) پس اس نے نور کی
کمثل بیان کی مثل نہیں کہا۔

۲۔ اللہ آسمان و زمین کا نور ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ وہ آسمان و زمین میں پھیلا ہوا
ہے کیونکہ اس سے تو وہ صاحب مکان قرار پائے گا اور اللہ کے لئے کوئی مکان ہے نہ جگہ
پس اس کے یہ معنی ہوں گے کہ اللہ زمین و آسمان کا روشن کرنے والا ہے۔

۳۔ اس کے نور کی کمثل ایک طاقچہ کی سی ہے یہاں نور سے مراد حسب تصریح تفسیر صافی
بحوالہ التوحید جناب رسول خدا ہیں۔

مشکوٰۃ سے مراد سینہ جناب محمد مصطفےٰ ؐ ہے۔

مصباح سے مراد چراغ نبوت ہے جو سینے کے اندر روشن ہے۔

زجاجہ سے مراد امیر المومنین ہیں جس طرح شیشہ سے چراغ کی حفاظت
ہوتی ہے اسی طرح علی نے رسول کی حفاظت کی یا یہ کہ رسول کا علم علی کے سینہ میں اس
طرح آیا جیسے چراغ کی روشنی شیشہ میں داخل ہوتی ہے۔

۴۔ شیشہ کی روشنی ستارہ کی سی ہے جس میں کوئی داغ دھبہ نہیں۔ مراد یہ ہے کہ علی
کے علم میں شک و ریب کو دخل نہیں یا یہ کہ ان کی زندگی گناہ کے دھبہ سے خالی ہے۔

۵۔ یہ چراغ اس زیتون کے درخت کے تیل سے جل رہا ہے جو نہ مغربی ہے نہ
مشرقی۔ یعنی حضرت رسول خدا، نسل جناب ابراہیم علیہ السلام سے ہیں جو شجرۃ الانبیاء
کہلاتے ہیں وہ نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ نرے کھرے مسلمان یعنی خدا کے سچے
فرمانبردار تھے۔

۶۔ حضورؐ کی بعثت کے چراغ کو نار سے کوئی واسطہ نہیں یعنی کسی واسطہ سے
وہ روشن نہیں ہوا بلکہ یہ چراغ خدا کا جلایا ہوا ہے اور یہ اس درجہ روشن و تابندہ ہے کہ

نور پر نور چھوٹ رہا ہے معلوم ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ اس چراغ کے آگے بارہ شیشے لگے ہوئے ہیں جن کی جوت کا یہ عالم ہے کہ ان کی روشنی دامن قیامت کو جگمگا رہی ہے

۷۔ اللہ اس نور رسالت و امامت سے جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

۸۔ یہ باتیں لوگوں کو سمجھانے کے لئے ہیں ورنہ صفت نبوت و امامت کا سمجھنا انسان کے بس کی بات نہیں۔

اب یہ بتانا ہے کہ یہ نورانی پیکر محمد و آل محمد کس بیت کے اہل بیت ہیں یعنی کیسے مقدس گھروں میں رہتے ہیں یہ وہ گھر ہیں کہ تمام مخلوق پر ان کی تعظیم واجب ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان گھروں میں صبح و شام بکثرت اللہ کے نام کی تسبیح ہوتی ہے۔

۹۔ پھر یہ بتایا ہے کہ ان گھروں میں رہنے والے کیسے لوگ ہیں۔

ان کو ذکر الٰہی سے نماز پڑھنے سے زکوٰۃ دینے سے دنیا کا کوئی مشغلہ تجارت ہو یا باہمی لین دین نہیں روک سکتا وہ ذکر الٰہی چھوڑ کر کسی طرف متوجہ ہوتے ہی نہیں۔

۱۰۔ یہ سب اس لئے کرتے ہیں کہ اس دن کی ہولناکی سے ڈرتے ہیں۔ جس میں لوگوں کے دل اور آنکھیں لوٹ جائیں گی یعنی قیامت کا دن۔

۱۱۔ یہ ان کی عبادت و ریاضت کسی دنیوی فائدہ کے لئے نہیں ہوتی بلکہ اس لئے کہ ان کے اعمال کا بدلہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے دے یعنی ان کے مدارج روحانی میں ترقی عطا فرمائے۔

۱۲۔ اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے یہاں مراد رزق سے ایمانی و روحانی ہے۔

غور کرو محمد و آل محمد کی اس سے زیادہ کیا تعریف ہو سکتی ہے پہلے ان کی بے نظیر روحانیت کی تعریف کی۔ پھر ان کے قابل عظمت گھروں کی پھر ان کی عبادت کی پھر ان کے مدارج عالیہ کی۔

maablib.org

۵۹۔ خلافت الٰہیہ کا معیار

پ۱ النور ع ۱۷: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

آیت ۵۵: لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ

دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ

شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

(جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے خدا نے ان سے یہ وعدہ کیا ہے کہ ان کو (ایک نہ ایک دن) ضرور اپنا خلیفہ مقرر کرے گا جس طرح ان لوگوں کو بنایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور جس دین کو ان کے لئے پسند فرمایا ہے (اسلام) اس پر ان کو ضرور پوری پوری قوت دے گا اور ان کے خائف ہونے کے بعد (ان کے ہراس کو) امن سے ضرور بدل دے گا کہ وہ (اطمینان سے) میری عبادت کریں کسی کو میرا شریک نہ بنائیں۔ جو کوئی اس کے بعد بھی انکار کرے گا تو وہ لوگ بدکار ہیں)

ان آیات میں حسب ذیل امور پر غور کیجیے۔

۱۔ اللہ کا وعدہ ان لوگوں سے ہے جو ایمان لانے والے اور اعمال صالحہ کرنیوالے ہیں

۲۔ وعدہ یہ ہے کہ ان کو روئے زمین پر اس قاعدہ کے تحت خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے خلیفہ بناتا رہا ہے۔ یعنی اپنے ذاتی انتخاب سے امت کے اجماع سے نہیں

۳۔ دین اسلام کو ان کی وجہ سے قوت بخشے گا اور وہ ایسی قوت ہو گی کہ دین الٰہی تمام ادیان عالم پر غالب آجائے گا اور مشرق سے مغرب تک ایک ہی دین تمام دنیا میں نظر آئے گا۔ شیطان قتل کر دیا جائے گا اور عدل وانصاف کی فرماں روائی ہو گی

۴۔ ان کے خوف کو خدا امن سے بدل دے گا ہمارے تمام آئمہ بادشاہان ظلم وجور

کے ہاتھوں ہمیشہ تکلیف میں مبتلا رہے۔ زندانوں میں سالہا سال بسر کئے۔ زہر و تلوار سے قتل کئے گئے۔ مذہبی تبلیغ آزادانہ طور پر نہ کر سکے۔ آخر ان کے صبر و ضبط کا خدا ایک روز بدلہ دے گا کہ وہ بے خوف خطر اپنی زندگی بسر کریں گے اور نہایت اطمینان کے ساتھ مذہب حقہ کی تبلیغ کریں گے۔

۵- اللہ تعالیٰ کی بلا شرکت غیرے عبادت کریں گے اور لوگوں کو ہدایت کر کے معبود یکتا کا عبادت گزار بنائیں گے۔

۶- اگر اس پر بھی لوگ نہ مانیں اور خدا کے اس وعدہ کے پورا ہونے میں شک کریں تو پھر وہ فاسق ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو خلافتیں دنیا میں قائم ہوئیں وہ علی نہج النبوۃ نہ تھیں وہ حکمران منصوص من اللہ نہ تھے اس لئے ان کی حکومت، حکومت الٰہیہ نہیں کہی جا سکتی۔

۶۰۔ پیش خدا رسول امت کی شکایت کریں گے

پ ۱۹ الفرقان ع ۳۔ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ آیت ۲۷۔

(رسول روز قیامت کہیں گے اے میرے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو بیکار کر دیا تھا)

اس آیت میں اِنَّ قَوْمِی ہے جس سے مراد کلی قوم ہی ہو سکتی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن تو حضورؐ کے سامنے جس طرح لوگ پڑھتے تھے آج بھی پڑھتے ہیں پھر انہوں نے بیکار کیسے بنایا اور رسول کو یہ شکایت کیوں پیدا ہو گی۔

اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ قرآن تو ان کے پاس رہا لیکن اس پر صحیح عمل

نہ رہا ورنہ قرآن کو بیکار بنادینا یا چھوڑ دینا کیسے ثابت ہوگا۔ چھوڑ کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اس کو بکواس قرار دیا تھا لیکن سب لوگوں نے تو ایسا نہیں کیا تھا۔ ایسا اگر کیا تھا تو منافقوں نے کیا تھا مگر منافقین کی تو ایک مخصوص جماعت تھی ان کو پوری قوم کیسے کہا جا سکتا ہے۔

اس کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ قرآن کی تعلیم کا ذمہ دار جن لوگوں کو بنایا تھا قرآن کو ان سے نہ لیا گیا۔ اہل ذکر سے نہ پوچھا گیا اور جو راسخون فی العلم تھے آیات متشابہات کی تاویلیں ان سے نہ معلوم کی گئیں اس لئے اس کی تعلیم بیکار بن گئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتنی بڑی شکایت ہے کہ حضورؐ نے اس کو قیامت پر اٹھا رکھا ہے۔ پس اس روز قوم رسول سے ضرور مواخذہ ہوگا اور ان کو اس شکایت رسول کا جواب دینا ہوگا اس روز رسول بتائیں گے کہ انہوں نے قرآن کو کس طرح بیکار بنایا تھا۔

۱۷۔ دعوت ذو العشیرہ کا واقعہ

پ ۱۹ الشعراء ع ۱۱ :- وَانْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ
آیت ۲۱۴ :- لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ۔

(اے رسول تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب خدا سے ڈراؤ اور مومنین میں جو تمہارے پیرو ہیں ان کے لئے اپنا بازو جھکاؤ)

تفسیر معالم التنزیل میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ نے بیان کیا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے مجھ سے فرمایا خدا کا ایسا حکم آیا ہے چونکہ میں سمجھتا تھا کہ اس حکم کو سنانے سے رنج کے سوا کوئی فائدہ نہ ہوگا لہٰذا میں ساکت رہا اب دوبارہ یہ حکم آیا ہے اب کوئی چارہ نہیں تم ان کی دعوت کا انتظام کرو۔ علیؑ نے

پوچھا کیا ہونا چاہیئے فرمایا تھوڑی سی روٹی ۔ ایک بکرے کی ران اور ایک پیالہ دودھ کا انتظام کرو۔

جب شام ہوئی تو حضورؐ نے اپنے خاندان کے چالیس آدمیوں کو بلا بھیجا اور وہ کھانا ان سب کے سامنے رکھا گیا ۔ آپ نے پہلے اپنا ہاتھ لگایا اس کے بعد ان سے کھانے کے لئے فرمایا۔ سب کے سب کھا کر سیر ہو گئے اور کھانا بچ رہا حالانکہ بظاہر وہ کھانا ایک آدمی کی شکم سیری کے لئے کافی ہو سکتا تھا۔

کھانے کے بعد آپ نے چاہا کہ نبوت کے سلسلے میں کوئی بات کریں۔ ابولہب مردود نے بات کاٹ کر کہا تمھارے صاحب نے تم سب پر بڑا سخت جادو کیا ہے ۔ یہ سننا تھا کہ سب کے سب اٹھ کر چل دیئے ۔ دوسرے دن حضرت نے پھر ایسا ہی کیا ۔ جب سب کھا چکے تو آپؐ نے فرمایا اے فرزندان عبدؐ مناف ۔ میں تمھارے پاس خدا کی طرف سے دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کا پیغام لے کر آیا ہوں ۔ اس سے پہلے تمھارے پاس کوئی ایسا پیغام لے کر نہیں آیا ۔ مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اس کی الوہیت اور وحدانیت کی طرف دعوت دوں ۔ مجھے اس کام کے لئے ایک مددگار کی ضرورت ہے ۔ بتاؤ تم میں کون ایسا ہے جو میرا وزیر بنے اور اس کام میں میری مدد کرے تاکہ تمھارے درمیان وہ میرا بھائی میرا وصی، میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہو۔ کسی نے جواب نہ دیا سوائے علیؑ کے انہوں نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہؐ ۔ یہ خدمت میں انجام دوں گا ۔ اسی طرح حضرت نے تین بار قوم سے اس سوال کا جواب چاہا مگر ہر بار علیؑ کے سوا کوئی نہ بولا ۔ پس حضرت نے فرمایا اے علیؑ تم میرے بھائی میرے وصی، وزیر اور خلیفہ ہو۔ یہ روایت با اختلاف الفاظ تفسیر در منثور مسند احمد حنبل ۔ ریاض النضرۃ وغیرہ میں مذکور ہے اور مورخین نے بھی اپنی اپنی تاریخوں میں اسی واقعہ کو درج کیا ہے ۔

اس واقعہ کے سلسلے میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

۱۔ دعوت کا جو اہتمام مذکور ہوا وہ علی کے سوا کسی کے سپرد نہ ہوا۔ حالانکہ حضور کے گھر میں کچھ اور لوگ بھی تھے اور ان کے علاوہ وہ لوگ بھی تھے جو اس واقعہ سے پہلے خفیہ طور پر مسلمان ہو چکے تھے جن کی تعداد تقریباً پچاس تک پہنچ چکی تھی اس میں ضرور کوئی راز ہے۔ آپ جانتے تھے کہ یہ معجزانہ شان بغیر معصوم کے ہاتھ لگائے ظاہر نہیں ہو سکتی اس وقت سارے خاندان ہی سارے مسلمانوں میں علی کے سوا کوئی معصوم تھا ہی نہیں۔

۲۔ باوجودیکہ کار رسالت کی ابتدا تھی جس کے لئے آپ کو کسی وزیر کی ضرورت نہ تھی لیکن چونکہ آپ بعلم نبوت جانتے تھے کہ آگے چل کر کیا کیا ہونے والا ہے۔ لہٰذا ابھی سے اس کا انتظام شروع کر دیا۔ وہ لوگ ذرا دیکھیں جو کہتے ہیں کہ حضورؐ نے اپنا جانشین کسی کو مقرر نہیں کیا تھا اور بغیر اس کا اعلان کئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ حضورؐ نے اس اہم فریضہ کو نہ آغاز میں نظر انداز کیا نہ آخر میں نہ اپنی زندگی میں اپنے قول و عمل سے بار بار ظاہر فرماتے رہے کہ میرے وزیر علی ہیں۔ غدیر خم کے موقع پر تو صاف صاف آپ نے خلافت کا اعلان کیا۔

۳۔ حضرت علی کا بار بار کھڑے ہو کر اپنی خدمات پیش کرنا اور آپ کی امداد کا اعتراف کرنا اس کی دلیل ہے کہ آپ بالہام ربانی جانتے تھے کہ حضرت کا کام کس قدر اہم اور امداد طلب ہے۔ لڑائیاں بھی ہوں گی۔ سلطنت بھی ہو گی۔ تبلیغی مشکلات بھی پیش آئیں گی

۴۔ ایک انگریز مؤرخ لکھتا ہے یہ نوجوان ضرور اس قابل ہے کہ اس کی تعریف کی جائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ کی نبوت کے دعوے پر اس نوجوان کو جس کا نام علی ہے پورا پورا یقین تھا اس نے نہایت دلیری کے ساتھ سب کے سامنے کہا یا رسول اللہؐ میں آپ کے دشمن کی آنکھیں پھوڑ دوں گا۔ اس کی ٹانگیں توڑ دوں گا اور

آپ کی ہر طرح نصرت کروں گا۔

آیت کے آخر میں ہے کہ اے رسول جو تمہارا سچا پیرو ہے اس کے لئے اپنے بازو کو جھکا دو اس پر عمل اس وقت ہوا جب فتح مکہ کے بعد آپ کعبہ میں مع حضرت علی کے بت شکنی کے لئے آئے اور اپنے شانے جھکا کر علی کو اپنے کندھوں پر سوار کیا آنے کہیں اگر کہا جائے کہ واخفض جناحک کے معنی تواضع و انکساری پیش آنے کے ہیں تو حضورؐ کے اس خلق کا اظہار نہ صرف مومنین کے سامنے ہوتا تھا بلکہ کفار و مشرکین سے بھی آپ انکساری کے ساتھ ملتے۔ منافقین سے بھی نرمی کا سلوک کرتے تھے۔

---

۶۲ - اسم اعظم الٰہی کی قوت

پ ۱۹ النمل ع ۱۲ - قَالَ مَنْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِنَ الْکِتَابِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ
آیت ۴۰ - قَبْلَ اَنْ یَرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ۔

جس (آصف برخیا) کے پاس کتاب خدا کا تھوڑا سا بھی علم تھا اس نے سلیمان سے کہا میں پلک جھپکنے سے پہلے اس کو (بلقیس) لا کر حاضر کئے دیتا ہوں)

آصف برخیا جناب سلیمان کے بھانجے بھی لگتے اور وزیر بھی۔ حضرت سلیمان نے ان کو اسم اعظم تعلیم کیا تھا اسی کی بدولت انہوں نے طرفۃ العین میں سینکڑوں کوس دور سے تخت کو مع بلقیس حاضر کر دیا تھا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اسم اعظم الٰہی کے ستر حروف ہیں ان میں سے صرف ایک حرف کا علم آصف برخیا کے پاس تھا جس سے طرفۃ العین میں انہوں نے تخت کو حاضر کر دیا۔ تخت کیوں کر آیا زمین سمٹی یا انہوں نے ہوا میں پرواز کی اس کو کوئی

نہیں بتا سکتا۔ قرآن صرف اتنا ہی بتاتا ہے کہ تخت ملکہ بلقیس حضرت سلیمان کے سامنے تھا۔ غور کیجئے جب اسم اعظم کے ایک حرف میں یہ طاقت تھی تو جن کے پاس ۶۹ حرف ہوں گے اس کی طاقت کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ یہ سب باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں نہ ہم کو ان کے سمجھنے کی تکلیف دی گئی ہے۔ روحانی دنیا مادی دنیا سے بالکل الگ ہے اللہ کے خاص بندے جو روحانی قوتیں رکھتے ہیں مادی پیکر ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے۔

---

۶۳ - وارث حکومت ارضی کون ہیں

پ۲۰ القصص ع۱ - ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض
آیت ۱۵ - ونجعلھم ائمۃ ونجعلھم الوارثین ۝ ونمکن لھم فی الارض ونری فرعون و
ھامان وجنودھما منھم ما کانوا یحذرون ۝

(ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جو لوگ روئے زمین پر کمزور کر دیئے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور انہی لوگوں کو پیشوا بنائیں اور انہی کو اس زمین پر پوری قوت عطا کریں اور فرعون و ہامان اور ان دونوں کے لشکروں کو ان ہی کمزوروں کے ہاتھ سے وہ چیز دکھائیں جس سے یہ لوگ ڈرتے تھے)

maablib.org

ان آیتوں سے حسب ذیل باتیں معلوم ہوئیں۔

۱- جن باایمان لوگوں کو روئے زمین پر لوگوں نے کمزور بنا دیا ہے اور ان کو نہ عبادت کرنے میں آزادی ہے نہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے میں۔ اللہ ان پر اپنا احسان خصوصیت سے کرنا چاہتا ہے۔

۲- خدا چاہتا ہے کہ جو نیک بندے کمزور بنا دیئے گئے ہیں۔ انہی کو امام خلق بنائے اور انہی کو وارث و مالک زمین قرار دے۔

۳- یہ آیت یہ بھی بتاتی ہے کہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کی حکومتوں کے سزاوار خدا کے نیک بندے ہی ہیں۔ اگر ظالم لوگ ان کا حق غضب کر لیں تو وہ عذاب الٰہی سے بچ نہیں سکتے۔

۴- اللہ تعالیٰ ان ہی کمزور بندوں کو کسی وقت طاقت ور بنا دے گا کہ وہ روئے زمین پر پورے تصرف کے ساتھ حکومت کریں۔

۵- فرعون وہامان اور لشکر والوں کو جنہوں نے موسیٰ اور ان کی قوم کو کمزور بنا دیا تھا اور طرح طرح کے ان پر ظلم کیے تھے آخر ایک دن یہی کمزور قوم ان ظالموں پر غالب آئی اور جس عذاب الٰہی سے یہ لوگ ڈرا کرتے تھے اللہ نے اسی میں ان کو مبتلا کیا۔

اگرچہ یہ آیات قوم موسیٰ و ہارون سے متعلق ہیں لیکن یہ حکم صرف انہی مخصوص نہ تھا بلکہ جب کبھی ایسا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ایسا ہی کرے گا۔ جن لوگوں نے آل محمد کو ستایا اور ان کو حکومت سے رد کا ان کا بھی یہی حشر ہوگا۔ وقت ظہور قائم آل محمد ظالموں کے سر کچلے جائیں گے اور حکومت ارضی انہی معصوم ہستیوں سے متعلق ہوگی۔

۴۶- خدا نے ہارون کو موسیٰ کا قوت بازو بنایا تھا

پ ۲۰ القصص ع ۴: قَالَ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ

آیت ۳۳- ۳۴: وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ۔

(میں نے ان میں ایک شخص کو مار ڈالا تھا مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر ڈالیں گے پس میرے بھائی ہارون کو جو زبان میں مجھ سے زیادہ فصیح ہیں میرا مددگار بنا کر بھیج کہ وہ میری تصدیق کریں کیونکہ میں اس سے ڈرتا ہوں کہ

وہ مجھے یقیناً جھٹلائیں گے)

خدا نے حضرت موسیٰ کی اس دعا کو قبول فرما لیا اور یہ حکم بھیجا سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا فَلَا يَصِلُونَ اِلَيْكُمَا بِاٰيَاتِنَا اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغَالِبُوْنَ

(فرمایا اچھا ہم تمھارے بھائی کی وجہ سے تمہارے بازو کو قوی کر دیں گے اور تم دونوں کو ایسا غلبہ عطا کریں گے کہ فرعونی لوگ ہمارے معجزات کی وجہ سے تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے تم دونوں اور تمہاری پیروی کرنے والے غالب رہیں گے۔

ایسی ہی دعا حضرت رسولخدا نے اپنے بھائی حضرت علی کے لئے کی تھی۔ خدا نے ان کی دعا بھی قبول کی۔ جناب موسیٰ کی نبوّت کی سب سے پہلے تصدیق کرنیوالے ہارون تھے اور جس طرح ہارون بحیثیت قوت بازو ہونے کے قدم قدم پر حضرت موسیٰ کے ساتھ رہے۔ اسی طرح حضرت علی رسول خدا کے ساتھ رہے۔

---

۶۵ - آئمہ نار

پ ۲۰ القصص ع ۴ ۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۔

آیت ۴۱ :- ہم نے ان کو گمراہوں کا پیشوا بنایا یہ لوگوں کو جہنم کی طرف بلاتے ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ پیشوایان خلق دو قسم کے ہیں ایک جنت کی طرف بلانے والے ہیں اور دوسرے دوزخ کی طرف یعنی ایسے امام لوگوں کو غلط راستہ پر لے جا کر گمراہ بنا دیتے ہیں جو آئمہ برحق ہیں خدا ان کو خود منتخب کرتا ہے اور رسول بحکم ربانی ان کا تعارف کرا دیتے ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ آئمہ نار کو خدا نے امام کیوں بنایا۔ جواب یہ ہے کہ خدا نے اپنی طرف یہ نسبت مجازاً دی ہے کیونکہ خدا کے پیدا کردہ اسباب سے فائدہ اٹھا کر یہ لوگ خود امام بن جاتے ہیں۔ خدا نے ان کا انتخاب نہیں کیا بلکہ وہ اپنی قوت کا غلط استعمال

کر کے امام بن بیٹھے ہیں یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا گمراہ کرنے والوں کو امامت کے لئے انتخاب کرے۔ ان کے کردار ان کے ناپسندیدہ افعال خود اس کی گواہی دیتے ہیں کہ وہ خدا کے فرمانبردار بندے نہیں۔

۶۶۔ خدا جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے

پ ۲۰ - القصص ع ۷ :- وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ

آیت ۶۲ :- (اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے انتخاب کرتا ہے اس میں لوگوں کو اختیار نہیں)

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ خدائی عہدے صرف خدا ہی کے انتخاب سے حاصل ہوتے ہیں نبوت ہو یا امامت بندوں کے ہاتھ میں ہرگز اس کا انتخاب نہیں کیونکہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کوئی شخص کیسے رہے گا۔ عام لوگوں کا کیا ذکر اس انتخاب کو خدا نے انبیاء کے ہاتھ میں بھی نہیں دیا۔ صرف سفارش کر سکتے ہیں کیونکہ کسی کے باطن کا حال وہ بھی نہیں جانتے۔

حضرت موسیٰ نے طور پر جانے کے لئے جو ستر آدمی انتخاب کئے تھے وہ بظاہر سب سے بہتر صاحب ایمان تھے لیکن یہ انتخاب غلط ثابت ہوا۔ جب طور پر پہنچے تو کہنے لگے جب تک آپ ہمیں خدا کو ہماری آنکھوں سے نہ دکھا دیں گے ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔ آئے دن دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ جس شخص کو بڑے چاؤ پیار سے منتخب کرتے ہیں۔ اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا معاہدہ کرتے ہیں۔ چند روز بعد اسی کو قتل کر ڈالتے ہیں یا تخت سے اتار دیتے ہیں اور کسی دوسرے کا انتخاب کر لیتے ہیں پھر اس سے ناراض ہو کر تیسرے کا یہ ذہن انسانی کی وارفتگی اور عقل انسانی

کی کوتاہی کی بین مثال ہے۔ برخلاف اس کے جو لوگ کسی عہدہ الٰہیہ کے لئے خدا کی طرف سے منتخب ہوتے ہیں وہ کبھی معزول نہیں ہوتے۔ خدا نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء بھیجے لیکن آدمؑ سے لے کر خاتم الانبیاء تک کوئی بھی ایسا نہیں پایا گیا جس کو خدا نے عہدہ امامت سے الگ کر دیا ہو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔

ہمارا علم ناقص ہے مستقبل ہمارے سامنے تاریک ہے ایسی صورت میں کسی کے اعمال پر ہم کو کیسے وثوق حاصل ہو سکتا ہے ہم تو اپنے اعمال کے متعلق بھی یہ یقین نہیں رکھتے کہ کل ہم کیا کریں گے اور کیا بن جائیں گے۔

اس آیت نے صاف صاف بتا دیا کہ اس انتخاب میں کسی کا اختیار نہیں یہ ذمہ داری وہ کبھی اپنی مخلوق پر نہیں ڈالے گا۔ وہ نہیں چاہتا کہ نا اہل بندوں کی غلطی کا خمیازہ اس کے بیگناہ بندے بھگتیں۔

۶۷ - دار آخرت کن لوگوں کے لئے ہے

پ ۲۰۔ القصص ع ۹ - تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ
آیت ۸۳ - عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا۔

آخرت کا گھر تو ہم انہی لوگوں کے لئے خاص کر دیں گے جو کسی نہ کسی زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد برپا کرنا۔ سچ یہ ہے کہ اچھا انجام تو پرہیزگار لوگوں ہی کے لئے ہے)

دنیا میں جو لوگ عیش و نشاط میں زندگی بسر کرتے ہیں ان کے متعلق یہ نہ سمجھا جائے کہ آخرت میں بھی ان کا انجام اچھا ہوگا۔ یہاں کے جاہ و جلال اور حشمت و اقبال کے

جو ساز و سامان ہیں وہاں ان کی کوئی پرسش نہیں وہاں تو اعزازی مدارج صرف ان لوگوں کو دیئے جائیں گے۔ جنہوں نے اپنی زندگی خدا کی عبادت کرنے اور اعمال صالحہ بجالانے میں گزاری ہوگی اور سرکشی اور فساد انگیزی سے کوسوں دور رہے ہونگے امت محمدی میں آل رسول سے زیادہ صاحب تقویٰ اور قدوسیت پسند کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ اسی لئے تو خدا نے ان کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خریدا ہے انہوں نے اپنی جانیں مرضی الٰہی مول لینے کے لئے بیچ ڈالیں۔

۶۸۔ آیات بینات کن کے سینوں میں ہیں

پ ۲۱ العنکبوت ۴ ۵:۔ بل ہو آیات بینات فی صدور الذین اوتوا
آیت ۴۹:۔ العلم وما یجحد بآیٰتنا الا الظالمون

(بلکہ یہ روشن آیات ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو ہماری طرف سے علم دیا گیا ہے اور ہماری آیات سے انکار ظالموں کے سوا کون کرے گا)

(قرآن مجید کی آیات بطور ریفرنس (ORIGENAL) یا اصلی کاپی کے ان کے سینوں میں رکھی گئی ہیں جو خدا کی طرف سے حاصل کئے ہوئے آتے ہیں۔)

یہ اہتمام اس لئے کیا گیا ہے کہ قرآن کے پڑھنے یا لکھنے میں اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اس کو اصل کاپی سے ملایا جائے جو معصوم سینوں کے اندر رہتی ہے اور سینہ بسینہ چلتی ہے جب تک دنیا میں قرآن رہے گا یعنی قیامت تک اس وقت تک ایک شخص اس اصل کاپی کو اپنے سینے میں رکھنے والا بھی ضرور باقی رہے گا وہی امام زمانہ ہوگا۔

کتاب خدا بالقلم قدرت قلب رسول پر لکھی گئی تھی اس کو جب الفاظ کی صورت میں رسول نے سنایا تو اسے قرآن کہا گیا یعنی پڑھا ہوا پس قرآن زبانوں سے زبانوں پر

چلتا رہے گا اور کتاب سینہ سے سینہ میں چلتی رہے گی۔ اس اصلی کتاب سے صرف انہی لوگوں کا تعلق ہو سکتا ہے جو بمصداق آیت تطہیر پاک و پاکیزہ ہیں۔ جیسا کہ فرماتا ہے لَا یَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ یہاں مس کے معنی چھونے کے نہیں بلکہ تعلق رکھنے کے ہیں۔ اس کا ثبوت حضرت مریم کا یہ قول ہے۔ کَیْفَ یَکُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ یہاں مس کے معنی چھونے کے نہیں کیونکہ بعہد طفلی جسم مریم کو بہت سے لوگوں نے چھوا تھا بلکہ یہ معنی ہوئے کہ جب میرا تعلق کسی مرد سے نہیں رہا تو میرے بچہ کیسے ہوگا۔

۶۹ - ذوی القربیٰ رسول کون ہیں۔

پ ۲۱ الروم ۱۴۷ - آیت ۳۷ - عنوان نمبر ۵۱ کی آیت میں دیکھیں۔

۷۰ - حضرت رسول خدا و حضرت موسیٰ سے مشابہت

پ ۲۱ سجدہ ۴۷ : - وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا
آیت ۲۴ - وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ۔

(ہم نے کچھ لوگوں کو مصیبتوں پر صبر کرنے کی وجہ سے پیشوا بنا دیا جو ہمارے حکم سے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں)

یہ آیت بنی اسرائیل یا قوم موسیٰ کے ان لوگوں سے متعلق ہے۔ جنہوں نے مصیبتوں پر صبر کر کے کار ہدایت جاری رکھا یہ اوصیائے جناب موسےٰ تھے اس کے مصداق ہمارے رسول کے اوصیا بھی قرار پاتے ہیں۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت رسولخداؐ کے اکثر حالات ملتے جلتے ہیں۔ موسیٰ کو توریت

ملی حضرتؐ کو قرآن۔ موسیٰ کو بھی جہاد کا حکم تھا اور حضرتؐ کو بھی۔ موسیٰ کے بھی بارہ وصی تھے جو نقبائے بنی اسرائیل کہلاتے تھے آنحضرتؐ کے بھی بارہ وصی تھے جو امام کہلاتے تھے۔ موسیٰ کی بی بی صفورا نامی نے وصی موسیٰ یوشع بن نون سے لڑیں۔ آنحضرتؐ کی بی بی ام المومنین عائشہ آنحضرتؐ کے وصی حضرت علی سے لڑیں۔ موسیٰ کے بھائی ہارون ان کے مددگار تھے آنحضرت کے بھائی علی ان کے مددگار تھے۔ ہارون کی اولاد موسیٰ کی اولاد کہلائی اور حضرت علی کی اولاد حضرت رسول خدا کی اولاد کہلائی۔ موسیٰ کے وصی ہارون کے تین لڑکے تھے جن میں سے تیسرے بحالت طفلی فوت ہوئے آنحضرت کے وصی حضرت علی کے تین لڑکے تھے۔ جن میں سے تیسرے بحالت حمل فوت ہوئے۔ حضرت ہارون کے بیٹوں کے نام شبر و شبیر و مشبر تھے جن کا ترجمہ عربی میں حسن و حسین و محسن ہے۔

حضرت موسیٰ کے خاص دشمن فرعون نمرود و قارون تھے۔ آنحضرتؐ کے خاص دشمن ابوجہل و ابولہب و ابوسفیان تھے۔

۱۷۔ جنگ خندق میں مومنوں و منافقوں کا امتحان

پ ۲۱ الاحزاب ع ۲ : اِذْ جَاءُوكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ
آیت ۱۰ : وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا

(جس وقت لوگ تمہارے اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی پل پڑے اور اللہ کے متعلق کیسی کیسی بدگمانیاں تمہارے دلوں میں پیدا ہو گئی تھیں۔ یہاں پر مومنوں کا امتحان لیا گیا تھا اور خوب خوب جھنجوڑے گئے تھے۔ اس وقت

(تمہارا یہ حال تھا کہ تمہاری آنکھیں جھپکی جاتی تھیں اور دل کھنچکر منہ کو آرہے تھے)
قرآن میں یہ آیات پڑھتے ہوئے کلیجہ تھر تھراتا ہے۔ اصحاب رسول کی شان میں اور
یہ آیات اس جنگ میں تو وہی شریک تھے مومنوں کے لئے یہ بڑی آزمائش کا وقت تھا۔
عرب کا نامور پہلوان عمرو بن عبدود کفار کی فوج میں شامل تھا یہ وہ شخص تھا جو تن تنہا ایک
ہزار سپاہیوں پر بھاری تھا۔ مسلمانوں نے اپنے اور دشمن کے کیمپ کے درمیان ایک
گہری خندق کھود دی تھی تاکہ دشمن ادھر نہ آسکے۔ ایک طرف سے خندق ذرا کم چوڑی تھی
عمرو چند ساتھیوں کے ساتھ خندق پھاند کر اسلامی کیمپ میں آگیا اور جوش شجاعت سے
مست ہوکر شیر کی طرح دھاڑا۔ اے مسلمانو آؤ میں جلد جلد تم کو تمہاری جنت
میں بھیج دوں۔

یہاں کا یہ عالم تھا کہ مسلمان سر جھکائے ایسے خاموش بیٹھے تھے گویا سروں پر چڑیاں
بیٹھی ہیں۔ اس کی لاف وگزاف سن کر حضرت رسول خدا نے فرمایا۔ کون ہے کہ اس ملعون
کا سر کاٹ کر لے آئے۔ سب خاموش تھے۔ حضرت علی نے کہا حضورؐ میں جاتا ہوں آپ نے
فرمایا ٹھہرو۔ دوسری بار آپ نے یہی فرمایا۔ جب تیسری بار کہا تو ایک طرف سے آواز آئی حضورؐ
آپ کس کے مقابلے کے لئے بھیج رہے ہیں۔ راجرس کے چاقو کا قصائی کے چھرے سے
کیا مقابلہ۔ ایک بار ایک قافلے میں یہ ہمارے ساتھ تھا۔ ناگاہ ایک ہزار ڈاکوؤں نے
حملہ کیا اس اکیلے نے ان کا مقابلہ کیا اونٹ کے ایک بچے کی ٹانگ پکڑ کر ڈھال کی طرح ہاتھ
میں اٹھائے ہوئے تھا ذرا دیر میں اس نے بہت سے ڈاکو کاٹ کر زمین پر ڈال دیئے
آخر کار وہ سب ڈاکو سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے بھلا ایسے شخص کے سامنے جانا
اپنے کو موت کے منہ میں دے دینا ہے۔

جب کسی طرف سے کوئی آواز نہ آئی تو حضرت علی پھر اٹھے اور عرض کی یا رسول اللہؐ
ان کی طعن آمیز باتیں مجھ سے نہیں سنی جاتیں۔ اجازت دیجئے کہ میں جا کر اس کا سر کاٹ

لاؤں۔ اللہ اللہ کتنا بھروسہ تھا علی کو اپنی شجاعت پر۔ فرمایا اچھا جاؤ اور اس کافر کو اس کی بدزبانی کی سزا دو اور اس کا سر کاٹ کر لے آؤ کتنا اعتماد تھا رسول کو علی کی شجاعت پر حضورؐ نے چلتے وقت علی کے سر پر اپنا عمامہ باندھا اپنی زرہ پہنائی اور فرمایا جاؤ حفاظت خدا میں جب چلنے لگے تو فرمایا۔ برز الایمان کُلّہٗ الی الکفر کلّہٗ (پورا پورا ایمان پورے پورے کفر کے مقابل جا رہا ہے۔ حضرت علی شمشیر بدست جب پا پیادہ اس کے سامنے پہنچے تو عمرو نے کہا۔ اے جوان تجھے اپنی جان پیاری نہیں واپس جائیں تجھ جیسے خوش رو جوان کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا تو نہیں چاہتا مگر میں تجھے قتل کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا تو جانتا ہے میں کون ہوں میرا نام عمرو بن عبدوُد ہے میرا مقابل آج تک زندہ بچ کر گیا ہی نہیں۔ حضرت علی نے فرمایا تو مجھے بھی جانتا ہے میں کون ہوں میرا نام علی بن ابیطالب ہے یہ سن کر اس نے کہا ابوطالب میرے دوست تھے۔ میں نہیں چاہتا کہ اپنے دوست کے بیٹے کو قتل کروں۔ فرمایا تو جھوٹا ہے مومن و کافر میں کبھی دوستی نہیں ہوتی۔ مرنے کے لئے تیار ہو جا۔ پھر فرمایا۔

میں نے سنا ہے تو کہا کرتا ہے کہ جو میرے مقابل آتا ہے میں اسے اجازت دیتا ہوں کہ مجھ سے تین درخواستیں کرے میں ان میں سے ایک قبول کر لیتا ہوں۔ بیان کر حضرت نے فرمایا مسلمان ہو جا۔ اس نے کہا یہ ناممکن ہے۔ فرمایا۔ دوسری درخواست یہ ہے کہ اپنے لشکر کی طرف پلٹ جا اور خواہ مخواہ اپنی جان کا دشمن نہ بن۔ اس نے کہا یہ عار مجھ سے گوارا نہ ہوگا۔ فرمایا تیسری بات یہ ہے کہ میں پیادہ ہوں تو بھی پیادہ ہو جا۔ اس نے کہا ہاں یہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے گھوڑے کے پیر کاٹ دیئے اور شمشیر بکف ہو کر لڑنے پر تیار ہوا۔ کہنے لگا اے جوان پہلے تو حملہ کر کے اپنی بہادری کے جوہر دکھا پھر میری تلوار ہے اور تو۔ فرمایا۔ جنگ میں سبقت کرنا ہمارے دین میں جائز نہیں۔ پہلے تو حملہ کر۔

الغرض عمرو نے غصہ میں آ کر پے در پے کئی حملے کئے۔ حضرت اپنے کو بچاتے رہے

ایک بار اس کی تلوار آپ کے سر پر ایسی لگی کہ کئی انچ لمبا زخم سر میں ہو گیا اور خون کا فوارہ ابل پڑا۔ تب تو علی کو غیظ آ گیا اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ جب وہ زمین پر گرا تو اس کے سینہ پر بیٹھ کر اس کا سر کاٹ لیا۔ عمرو کی زرہ اور لباس دونوں بڑے قیمتی تھے۔ عرب کا یہ اصول تھا کہ قاتل مقتول کے ہتھیاروں اور لباس کا مالک ہوتا تھا۔ حضرت علی نے نہ تو اس کی زرہ لی اور نہ اس کا لباس اتار کر لاش کو برہنہ پڑا رہنا گوارا کیا۔ آپ فاتحانہ انداز میں بائیں ہاتھ میں اس کے سر کے بال پکڑے ہوئے اور اپنے داہنے ہاتھ میں خون ٹپکاتی ہوئی تلوار لیے یوں جھوم جھوم کر آنحضرتؐ کی طرف چلے جیسے ہلکی ہلکی بوندوں میں شیر چلتا ہے۔

یمشی کما یمشی الاسد تحت القطقط

لوگوں نے جب اس انداز سے آتے دیکھا تو طنزاً کہنے لگے کیسی متکبرانہ چال ہے اس وقت جبریل نازل ہوئے اور فرمایا یا رسول اللہ۔ خدا فرماتا ہے علی کی اس چال سے زیادہ مجھے کوئی چال پسند نہیں۔ الغرض حضرت علی نے عمرو کا سر آنحضرتؐ کے قدموں پر آ ڈالا۔ حضورؐ نے علی کو چھاتی سے لگا لیا اور فرمایا،

ضربۃ علی یوم الخندق افضل من عبادۃ الثقلین الی یوم القیامہ

(علی کی ایک ضربت یوم خندق دونوں جہاں کی عبادت سے افضل ہے قیامت تک)

مطلب یہ ہے کہ اگر علی اس روز عمرو پر فتح نہ پاتے اور وہ قتل عام کرتا ہوا حضرت تک پہنچ جاتا اور آپ کو شہید کر دیتا تو پھر اسلام کا خاتمہ تھا اور اسلام کے خاتمہ کے ساتھ قیامت تک اس کے سایہ میں ہونے والی عبادات کا بھی خاتمہ ہو جاتا۔

جہاں تک اس واقعہ کی تاریخی حیثیت تھی ہم نے اوپر بیان کر دی۔ اب مختصراً آیت نے جو مسلمانوں کی سراسیمگی کا نقشہ دکھایا ہے اس کو بھی سن لیجیے۔

۱۔ جن مسلمانوں کو اپنی بہادری اور اسلام دوستی پر ناز تھا۔ ان کی گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ تمہاری آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں اور کلیجے منہ کو آ رہے تھے۔ خیر اس کے متعلق

تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب جان پر آ بنتی ہے تو ایسی حالتیں ہو ہی جاتی ہیں۔

۲۔ لیکن یہ کیسا ایمان تھا کہ اللہ کے متعلق طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے۔ یہی خیال دل میں آ رہا ہو گا کہ مبلا، اسلام ہوا جان کے لالے پڑ گئے۔ اللہ نے ہمیں کس مصیبت میں پھانس دیا۔ اس سے زیادہ لکھنے کا موقع نہیں۔

۳۔ یہ مسلمانوں کے لئے بہت سخت امتحان کا وقت تھا اگر علی اس جنگ میں شریک نہ ہوتے تو اس جنگ کے حالات تاریخ اسلام میں کچھ اور ہی ہوتے۔ اس وقت تو علی کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا جا رہا تھا۔ لوگ ہر طرف سے تحسین و آفرین کے پھول برسا رہے تھے لیکن رسول کے بعد یہ سب فضیلتیں طاق نسیاں پر رکھ دی گئیں۔

۷۲۔ صادقین کے صدق کی تصدیق

پ ۲۱ الاحزاب ع ۳، آیت ۲۳ ؛ ۔ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ؕ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۔

(ایمانداروں میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ خدا سے انہوں نے جان نثاری کا جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ ان میں سے بعض مر کر اپنا وقت پورا کر گئے اور بعض حکم خدا کے منتظر بیٹھے ہیں اور انہوں نے اپنی بات کو ذرا نہیں بدلا)

یہ بھی جنگ خندق کے سلسلہ کی آیت ہے۔

جان نثاری کے وعدے جس طرح امیرالمومنین نے پورے کئے دوسروں سے ممکن نہ ہوئے۔ دعوت ذوالعشیرہ میں امیرالمومنین نے حضرت رسول خدا سے نصرت کا وعدہ کیا تھا اس وقت سے لے کر آنحضرتؐ کی وفات تک آپ برابر نصرت کرتے رہے۔ نصرت اور لوگوں نے بھی کی مگر علی کی نصرت کی شان ہی دوسری تھی اس نصرت

کا سلسلہ برابر جاری ہی رہا۔

۷۳۔ آیت تطہیر کا بیان

پ ۲۲ الاحزاب (۳۳) ۴۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس
آیت ۳۳۔ اھل البیت و یطھرکم تطھیرا

(اے پیغمبر کے اہل بیت خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو ہر طرح کی برائی سے دور رکھے اور جو پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاکیزہ رکھے)

شیعہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ آیت تطہیر کے مصداق حضرت رسولخدا حضرت علی، حضرت فاطمہ اور امام حسن اور امام حسین اور دیگر آئمہ اہلبیت علیہم السلام ہیں لیکن بعض علمائے اہل سنت کا خیال ہے کہ ازواج رسول بھی ان میں شامل ہیں۔ لیکن یہ خیال چند وجہ سے غلط ہے۔

اگر ازواج اس آیت کا مصداق ہوتیں تو جس طرح ماقبل و مابعد کی آیات میں ضمیر جمع مؤنث حاضر ہے اس آیت میں بھی وہی صورت رہتی لیکن ایسا نہیں اگر آیت تطہیر کو بیچ میں سے نکال لیں تو کوئی خرابی عبادت میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ ربط بڑھ جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت تطہیر یہاں بے جوڑ ہے اس کو خواہ مخواہ کسی مصلحت کے تحت داخل کر دیا گیا ہے اب ذرا ماقبل و مابعد کی آیات کو پڑھیے اور دیکھیے آیت تطہیر بیچ میں کیسی بے جوڑ ہے۔ آیت تطہیر سے پہلے

یانساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبه مرض وقلن قولا معروفا وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولی واقمن الصلوۃ

اٰتِینَ الزکوٰۃ وَ اطِعنَ اللّٰہَ وَ رسولَہٗ ط

خط کشیدہ تمام افعال جمع مؤنث حاضر کے ہیں۔

اس کے بعد آیت تطہیر ہے۔

آیت تطہیر کے بعد واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکنّ من ایات اللہ والحکمۃ ان اللہ کان لطیفاً خبیرا۔

یہاں بھی خط کشیدہ فعل اور ضمیر دونو جمع مؤنث حاضر کی ہیں۔

اب آیت تطہیر میں دیکھیے۔

انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرِّجس اھل البیت وَیُطھّرکُم تطہیراً

دونو ضمیریں جمع مذکر حاضر کی ہیں۔

غور کیجیے یہ یکایک کلام کا رخ کیسے بدل گیا۔ عورتوں سے بات چیت ہوتے ہوئے یہ مردوں سے کیسے ہونے لگی۔ نصیحت ہوتے ہوتے یہ تعریف کا سلسلہ کیوں چھڑ گیا۔

کہا یہ جا رہا تھا:۔

اے نبی کی بیبیو تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو اگر صاحب تقویٰ ہو تو چکنی چپڑی باتیں نہ کیا کرو ورنہ جس کے دل میں مرض ہے وہ بُری خواہش کرنے لگے گا۔ صاف صاف بات کیا کرو اور اپنے گھروں میں نچلی بیٹھی رہو اور زمانہ جاہلیت کی عورتوں کی طرح بناؤ سنگھار نہ کرو۔ نماز پابندی سے پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

آیت تطہیر کے بعد ہے:۔

اور خدا کی آیات اور حکمت کی باتیں جو تمھارے گھروں میں بیان ہوں ان کو یاد رکھو بیشک اللہ لطیف و خبیر ہے۔

دیکھا اوّل و آخر کی آیتیں کس طرح مربوط ہیں۔

اب بیچ میں آیت تطہیر آگئی ہے جس کا مضمون ماقبل ومابعد سے بالکل الگ ہے
پس کیسے سمجھا جائے کہ یہ بے جوڑ حصہ ازواج رسول کی شان میں ہے۔
۲۔ اگر ازواج رسول شامل ہوتیں تو ان کی تعداد بیک وقت نو ۹ تھی اور اہلبیت کی چار
تعداد تھی ان میں بھی ایک عورت (حضرت فاطمہ) ہیں پس مجموعہ ان سب کا تیرہ ہوا۔ دس
عورتیں تین مرد پھر بھی غلبہ عورتوں کا رہا۔ اس صورت میں باقاعدہ تغلیب آیت تطہیر
میں ضمیر اور صیغہ دونوں مونث کے ہونے چاہیئے تھے نہ کہ مذکر کے۔
۳۔ زید بن حارثہ کا قول ہے کہ ازواج اہلبیت میں نہیں کیونکہ یہ تو آج ہیں کل طلاق دی
تو الگ ہو گئیں بلکہ اہلبیت وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے صدقہ حرام کیا ہے اگر ازواج شامل
ہوتیں تو جس وقت خانہ ام سلمہ میں جہاں آیت تطہیر نازل ہوئی تھی اور ام سلمہ نے اس
چادر میں داخل ہونا چاہا تھا جس میں حضرت اہلبیت (علی و فاطمہ حسن و حسین) داخل تھے
رسول ان کے ہاتھ سے چادر کا کونہ یہ کہہ کر نہ کھینچ لیتے کہ تم نیک ضرور ہو مگر تحت
کسائی تمہارا داخلہ نہیں ہو سکتا۔
اس مطلب کی تائید میں حدیثیں مختلف اسناد سے موجود ہیں جن کو مختلف
علمائے اہلسنت نے جیسے احمد بن حنبل، ابن مردویہ، ثعلبی سیوطی وغیرہ نقل کی ہیں ان
کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت رسول خدا خانہ ام سلمہ میں آئے اور حضرت علی و فاطمہ
اور حسن و حسین کو بلا کر اپنے پاس بٹھایا پھر سب پر ایک چادر ڈال دی اور فرمایا۔ خداوندا
یہ میرے اہلبیت ہیں ان کو ہر برائی سے دور رکھ اور اچھی طرح پاک و پاکیزہ رکھ۔ یہ سن کر
ام سلمہ نے اس میں داخل ہونا چاہا تو روک دی گئیں اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد
جب آنحضرت علی کے مکان میں آتے تو فرماتے السلام علیکم یا اہل البیت (تفسیر
درمنثور منقول از حاشیہ قرآن مترجمہ مولانا فرمان علی صاحب قبلہ مرحوم)
حدیث کساء سے اس واقعہ کی اہمیت پر بڑی روشنی پڑتی ہے ہمارے

maablib.org

مسلمان بھائی یا ایھا المزمل کا ترجمہ تو بڑے ذوق و شوق سے کملی والا کرتے ہیں لیکن یا ایھا المدثر کا ترجمہ چادر والے اسی پیار بھرے لہجے میں نہیں پڑھتے جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اس کا تعلق اہلبیت علیہم السلام سے ہے۔

۴۔ حدیث کساء کا خلاصہ یہ ہے حضرت فاطمہ فرماتی ہیں کہ میں خانہ ام سلمہ میں تھی کہ میرے باباجان تشریف لائے اور اپنی بردیمانی اوڑھ کر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد میرا بیٹا حسنؑ آیا اور کہنے لگا اماں جان میں اپنے نانا حضرت رسول خدا کی خوشبو سونگھ رہا ہوں میں نے کہا ہاں وہ اس چادر کے نیچے ہیں حسن قریب آئے اور عرض کی نانا جان اجازت ہے کہ میں اس میں داخل ہو جاؤں فرمایا ہاں اجازت ہے آ جاؤ چنانچہ وہ داخل کساء ہو گئے۔ اسی طرح حسینؑ آئے وہ بھی داخل کساء ہو گئے پھر علی آئے وہ بھی اجازت لے کر داخل ہو گئے پھر میں نے اجازت چاہی اور داخل ہو گئی اس میں کوئی راز ہے کہ جو آتا تھا اجازت لے کر داخل ہوتا تھا یہ چادر تو وہی چادر ہے جس میں حسنین رسول کے پاس سوتے تھے۔ علی و فاطمہ بھی اس کو اوڑھ لیتے تھے لیکن آج اس کی عظمت و شان نرالی ہے۔ آج ہر ایک کو اجازت لے کر داخل ہونا ہے اس میں یہ راز ہے کہ کل کو کوئی یہ نہ کہے کہ یہ لوگ خود داخل ہو گئے تھے۔ مقصود یہ تھا کہ امت والے جان لیں کہ یہ اجازت نہیں ملی مگر باذن الٰہی جب رسول نے بلایا تب اندر داخل ہوئے۔

ملائکہ نے جب بکثرت نزول رحمت باری تعالیٰ کو ان اہل کساء پر دیکھا۔ تو تعجب سے کہنے لگے۔ بارالٰہا یہ کون لوگ ہیں جو اس چادر کے نیچے ہیں۔ غور طلب بات یہ ہے کہ ملائکہ تو رات دن اس گھر میں آتے جاتے تھے ان میں سے ایک ایک فرد کو پہچانتے تھے پھر یہ کیا بات ہے کہ آج تعجب سے پوچھ رہے ہیں بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ خمسہ نجباء کو علیحدہ علیحدہ تو دیکھا تھا ایک جگہ اس شان سے نہیں دیکھا تھا جب

ایک نور کے تمام اجزا ایک جگہ جمع ہوئے تو اس کی شعاعیں اس قدر تیز ہو گئیں کہ ملائکہ پہچاننے سے قاصر رہے۔

ملائکہ کے تعجب سے پوچھنے پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے آسمان کو نہیں بنایا زمین کا فرش نہیں بچھایا۔ سورج اور چاند کو نہیں چمکایا۔ دریاؤں میں کشتیوں کو نہیں چلایا مگر ان پانچ کی محبت میں۔

یہ مجمع ایسا غیر معمولی تھا کہ جبریل جیسے فرشتے نے عرض کی یا رسول اللہ اجازت ہے کہ میں بھی داخل ہو جاؤں۔ چونکہ فرشتہ معصوم تھا لہٰذا اجازت مل گئی۔ تب رسول اللہ نے فرمایا یا اللہ یہ ہیں میرے اہل بیت۔ ام سلمہ کو اجازت نہ ملی کیونکہ وہ نیک ضرور تھیں مگر معصوم نہ تھیں۔ حضرتؐ کے یہ فرمانے کے بعد آیت تطہیر نازل ہوئی۔

پس اس واقعہ سے یہ ثابت ہوا کہ اہل بیت کا اطلاق صرف انہی ہستیوں پر ہوتا ہے جو معصوم تھیں ازواج میں سے کسی بی بی کے سر پر عصمت کا سایہ نہ تھا اگر ازواج داخل اہل بیت ہوتیں تو آنحضرتؐ مباہلہ میں ضرور ان کو اپنے ساتھ لے لیتے۔ وہ تطہیر کاملہ کی مصداق کیسے ہو سکتی تھیں۔ جب کہ ان میں سے کوئی بھی حیض و نفاس کی نجاست سے محفوظ نہ تھی۔ یہ شرف تو صرف بنت رسول حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیھا ہی کو حاصل تھا۔

۷۳۔ رسولؐ اُمت میں سے کسی کے باپ نہیں

پ ۲۲ الاحزاب ع ۵ :۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ

آیت ۴۰ :۔ رَّسُولَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔

(محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور

اور خاتم الانبیا ہیں)

زید بن حارثہ جب کہ کمسن تھا آنحضرتؐ کی خدمت میں آ گیا تھا آپ کو اس سے بڑی محبت ہو گئی اس پر حضورؐ کی زیادہ شفقت دیکھ کر لوگ ابن رسول کہنے لگے۔ خداوند عالم نے اس کی تردید میں یہ آیت نازل کی جس سے ثابت ہوا کہ امت میں سے حضورؐ کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اپنے نواسوں کے باپ ہیں۔

رسول اللہ نے فرمایا ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ ذُرِّیَّۃَ کُلِّ نَبِیٍّ فِی صُلْبِہٖ وَجَعَلَ ذُرِّیَّتِی فِی صُلْبِ عَلِیِّ بْنِ اَبِی طَالِبٍ

(اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد اس کے صلب سے قرار دی ہے اور میری اولاد صلب علی ابن ابیطالب سے ہے) یعنی ان کے بیٹے میرے بیٹے ہیں اسی لئے حسن و حسین ابنائے رسول اللہ کہلاتے تھے اور اولاد حسین میں جتنے امام ہوئے وہ سب ابنائے رسول کہلائے۔

آیۂ مباہلہ نے اس کی تصدیق کر دی کہ حسن و حسین رسول کے فرزند ہیں اگر وہ فرزند رسول نہ ہوتے تو ابناءَنا کی تعمیل میں حسن و حسین کو ساتھ لے کر مباہلہ کے لئے کیوں نکلتے۔ رسول اللہ نے بارہا فرمایا ہے ھما ابنای دیہ دونو میرے فرزند ہیں جیسے ہارون کی اولاد اولاد موسیٰ قرار پائی اسی طرح علی کی اولاد، اولاد رسول ہے

---

۷۵ - درود

پ ۲۲ الاحزاب ع ۷ :- اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ
آیت ۵۶ :- اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔

بیشک اللہ اور اس کے ملائکہ نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی

ان پر درود بھیجو اور سلام بھیجو جو سلام بھیجنے کا حق ہے)

اس آیت کے متعلق بہت سی باتیں قابل بیان ہیں ۔

۱۔ کسی نبی پر اس طرح درود نہیں بھیجا گیا جس میں اللہ، ملائکہ اور مومنین سب شامل ہوں (۲) کسی نبی پر اس طرح درود نہیں بھیجا گیا۔ جس میں اللہ و ملائکہ اور مومنین کے درود کا مفہوم جداگانہ ہو۔ اللہ کا درود نزول رحمت ہے ملائکہ کا طلب مغفرت مومنین کا درود طلب رحمت ہے ۔

۳۔ محمدؐ و آل محمدؐ پر درود بھیجنا واجب ہے نہ بھیجے گا تو گنہگار ہوگا۔

۴۔ درود ہی وہ عبادت اور امر خیر ہے جس میں اللہ نے بھی شرکت کی ہے ۔

۵ ۔ درود کو شامل نماز کیا گیا ہے ۔

۶ ۔ لوگ کہتے ہیں آیت میں نبی پر درود بھیجنے کا حکم ہے۔ شیعوں نے اپنی طرف سے آل کو بھی شامل کر لیا ہے ۔ جواب یہ ہے شامل تو اسے کیا جاتا ہے جو پہلے سے خارج ہو۔ آل رسول تو آل سے جدا ہی نہیں ہیں۔ امام فخرالدین رازی نے لکھا ہے کہ آل محمد محمد کے ساتھ پانچ چیزوں میں شریک ہیں۔ (اسرار التنزیل تفسیر کبیر) اول صلوات دوسرے سلام تیسرے تحریم صدقہ چوتھے وجوب مودت پانچویں وجوب اطاعت ۔

۷ ۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے پوچھا حضورؐ آپ پر درود کیسے بھیجیں فرمایا یوں کہو ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ ۔ چونکہ آل محمد سے لوگوں کے دلوں میں بغض تھا ۔ اس لئے یوں کہنا شروع کیا ۔ اللھم صل وسلم علی محمد، جب حضور کو یہ معلوم ہوا تو آپؐ نے صحابہ کے بھرے مجمع میں فرمایا لا تصلوا علی صلوۃ بترا (میرے اوپر دم بریدہ صلوات نہ بھیجا کرو) لوگوں نے پوچھا دم بریدہ صلوات سے کیا مراد ہے ۔ فرمایا یہ نہ کہو اللھم صل علی محمد بلکہ یوں کہو اللھم صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

چونکہ حب ذمرہ دہ رسول آل محمد کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا لوگوں نے درود بھیجنا ہی چھوڑ دیا۔

۸۔ آلِ محمد درود میں شامل ہیں اس کی تائید امام شافعی کے ان اشعار سے ہوتی ہے

يَا اَهلَ بيتِ رسولِ اللّٰهِ حُبّكم۔ فرضٌ من اللّٰهِ في القرآن انزلهٗ
كفاكمُ بعَظيمِ القدرِ انّكمُ۔ مَن لم يصلِّ عليكم لاصلوٰة لهٗ

یعنی اے اہل بیت رسول تمہاری محبت اللہ نے فرض کی ہے اور قرآن میں اس کا ذکر ہے تمہاری عظمت قدر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جو تم پر درود نہ بھیجے گا اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔

امام بیہقی نے اپنی سنن میں لکھا ہے۔

مَن لم يصلِّ على آل محمد فليعد صلوٰتهٗ

(جو نماز میں آل محمد پر درود نہ بھیجے اسے چاہئے کہ اپنی نماز کا اعادہ کرے)

۹۔ حضرت رسولخدا نے فرمایا ہے:۔

(تمھارا درود مجھ پر تمہاری نمازوں کا پاسپورٹ ہے) یعنی جس طرح ایک ملک کا آدمی دوسرے ملک میں بغیر پاسپورٹ داخل نہیں ہو سکتا اور اس کو باغی سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح جب نمازیں اوپر کو جاتی ہیں تو فرشتے دیکھتے ہیں درود ان کے ساتھ ہے یا نہیں اگر نہیں ہوتا تو نمازی کے منہ پر مار دی جاتی ہیں۔

درود میں آل محمد کو شامل نہ کرنا ان سے بغاوت و بغض کا اظہار ہے اور اجر رسالت ادا نہ کرنے پر باغیانہ عمل۔

۱۱۔ درود بھیجنے میں درود بھیجنے والے ہی کا فائدہ ہے۔ کیونکہ محمد و آل محمد خزان رحمۃ برکات ہیں۔ رحمتِ الٰہی وہاں جمع ہوتی رہتی ہے وہیں سے درود بھیجنے والوں پر تقسیم ہوتی ہے۔

۷۶ - وراثت کتاب اللہ

پ ۲۲ فاطر ع ۴ :- ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا
آیت ۳۲ :- فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرٰتِ

(ہم نے اپنے بندوں میں سے ان کو قرآن کا وارث بنایا ہے جنہیں ہم نے انتخاب کیا ہے پس ان بندوں میں سے کچھ تو (نافرمانی کر کے) اپنی جان پر ستم ڈھاتے ہیں اور کچھ ان میں نیکی و بدی کے درمیان ہیں اور کچھ ان میں سے نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں)

اس آیت میں چند باتیں قابل غور ہیں۔

۱- یہ وراثت مالی وراثت نہیں جس میں عالم و جاہل بچہ جوان بوڑھا نکو کار و بدکار سب شامل ہو جاتے ہیں بلکہ یہ وراثت علمی ہے جس کا تعلق مرد جاہل و بدکار و ظالم سے ہو ہی نہیں سکتا۔

۲- وارث کتاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عالم کتاب ہو اور وہ علم ہمیشہ اس کے اندر باقی رہے اور کسی مسئلہ کے جواب میں یہ نہ کہے کہ میں نہیں جانتا۔

۳- خدا نے اپنے بندے تین قسم کے ظاہر فرمائے ہیں۔

(۱)- ظالم لنفسہ یعنی جس نے نیکیاں ترک کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ گروہ وارث کتاب اللہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا عمل تعلیم کتاب کے خلاف ہے۔ جو اس کی جہالت کی دلیل ہے۔

ب :- مقتصد یعنی میانہ رو۔ کچھ نیکیاں بھی کرتا ہے اور کچھ بدیاں بھی یہ بھی وارث کتاب اللہ نہیں بن سکتا۔ کیونکہ یہ بھی تعلیم کتاب کے خلاف عمل کرتا ہے اس سے اس کے ایمان و عقل کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے دوسرے جب اس سے اوپر کا ایک طبقہ

(سابق بالخیرات) موجود ہے تو اس کو وارث کتاب کیوں بنایا جائے۔

ج :- سابق بالخیرات یعنی جو شخص اکتساب خیر اور عمل صالح بجالانے میں سب سے آگے آگے ہو پس یہی وارث کتاب ہو سکتا ہے۔

د - نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والا وہی ہو سکتا ہے جس کے سینہ میں پوری کتاب کا علم ہو اور کوئی بات اس سے پوشیدہ نہ ہو۔

۴ - یہ صفت حضرت علی سے زیادہ کسی میں نہیں پائی گئی۔ صرف وہی بر سر منبر یہ کہنے کے حقدار تھے۔ سَلُونِی قَبْلَ اَنْ تَفْقِدُونِی جیسا کہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ عام صحابہ میں سوائے حضرت علی کے کسی نے سلونی قبل ان تفقدونی کا دعویٰ نہیں کیا۔ ظاہر ہے اگر آپ عالم کتاب نہ ہوتے تو ہرگز یہ دعویٰ نہ کرتے آپ فرمایا کرتے تھے خدا کی قسم کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر میں جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور کس وقت اور کہاں نازل ہوئی ہے۔ صحابہ ہوں یا تابعین یا تبع تابعین یا آئمہ اربعہ۔ کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں پوری کتاب کا عالم ہوں۔ یہ دعویٰ علی کے سوا کسی اور کو زیب بھی نہیں دیتا تھا۔

۵ - سابق بالخیرات کے متعلق مروی ہے کہ مامون نے ایک روز اپنے درباری عالم یحییٰ بن اکثم سے پوچھا یہ بتاؤ جس دن حضرت رسول خدا مبعوث برسالت ہوئے سب سے بڑی نیکی کیا تھی۔

یحییٰ - حضورؐ کی رسالت پر ایمان لانا۔

مامون :- یہ بتاؤ اس نیکی کی طرف سب سے پہلے کس نے سبقت کی یعنی سب سے پہلے کون اسلام لایا۔

یحییٰ :- سب سے پہلے اسلام لانے والے تھے تو علی ہی مگر

مامون :- (چونک کر) یہ اگر مگر کیسی صاف صاف بتاؤ۔

یحییٰ: حضور وہ کم عمر تھے حد بلوغ کو بھی نہیں پہنچے تھے لہٰذا ان کا صرف اسلام لانا تقلیدی تھا نہ کہ تحقیقی۔

مامون: یہ کیسے۔

یحییٰ: چونکہ حضرت ؐ کے گھر ہی پرورش پائی تھی۔ لہٰذا جیسا عام قاعدہ ہے کہ جو کام بڑے کرتے ہیں بچے بھی بے سوچے سمجھے وہی کرنے لگتے ہیں۔

مامون: اچھا یہ بتاؤ کیا رسول کی دعوت دیئے بغیر علی ایمان لائے تھے۔

یحییٰ: معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔

مامون: تو یہ ماننا پڑے گا کہ علی اس وقت کامل العقل تھے کہ دعوت دینے سے پہلے اسلام کی خوبیوں کو جانتے تھے۔

یحییٰ: بچپن میں ایسے کامل العقل کیسے ہو سکتے تھے۔

مامون: اچھا پھر یہ کہو کہ رسول ؐ نے ان کو دعوت اسلام دی اگر ایسا تھا تو رسول ؐ نے اپنی طرف سے دعوت دی تھی یا حکم خدا سے اگر اپنی طرف سے دی تھی تو یہ ما ینطق عن الھویٰ الا وحی یوحیٰ کے خلاف تھا اور اگر خدا کے حکم سے دعوت دی تھی تو ایسے شخص نے خدا کے لئے دعوت دینے کا کیوں حکم دیا۔ من لا یجوز علیہ الحکم جو ابھی مکلف نہ تھا۔ یہ سن کر یحییٰ کے حواس باختہ ہو گئے اور کہا جو حضور فرماتے ہیں وہی ٹھیک ہے۔

مامون: یحییٰ تم کو یہ ماننا پڑے گا کہ بعہد طفلی علی کامل العقل تھے۔

۵۔ اگر حضرت علی وارث کتاب نہ ہوتے تو حضرت رسول خدا یہ نہ فرماتے علی مع القرآن والقرآن مع علی علی و علی قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن علی کے ساتھ ہے۔

۶۔ اگر علی وارث کتاب اللہ نہ ہوتے تو قضایا کے فیصلہ کرنے اور قرآن سے

ثبوت دینے میں کبھی قرآن سے چوک ہوتی مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔

۷۷۔ امام مبین

پ ۲۲ یٰس ع ۱۔ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ۝

آیت ۱۲ (ہم نے ہر شے کا احصا امام مبین میں کر دیا ہے)

تفسیر درمنثور مطبوعہ مصر جلد ۵ میں ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابوبکر و عمر حضورؐ کے پاس کھڑے تھے دونوں نے پوچھا کیا امام مبین سے توریت مراد ہے فرمایا نہیں پھر کہا کیا انجیل مراد ہے فرمایا نہیں۔ پھر کہا کیا قرآن مراد ہے فرمایا نہیں اتنے میں حضرت علیؑ سامنے سے نمودار ہوئے فرمایا یہ ہے۔ امام مبین اس کی موید وہ روایت ہے جو جلال الدین سیوطی نے بیان کی ہے کہ عبد بن حمید بن جریر اور ابن ابی سالم نے اس آیت کے بارے میں روایت کی ہے کہ ہر چیز ایک پیشوا میں خدا کے نزدیک محفوظ ہے اور وہ علیؑ ہیں۔

تفسیر قمی میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا خدا کی قسم وہ امام مبین میں ہوں میں حق و باطل کو صاف صاف بیان کر دیتا ہوں اور میں نے یہ عہدہ حضرت رسول خدا سے ورثہ میں پایا ہے۔

احتجاج طبرسی میں حضرت رسول خدا سے یہ حدیث منقول ہے۔

کوئی علم ایسا نہیں جو میرے پروردگار نے مجھے تعلیم نہ فرمایا ہو اور میں نے علیؑ کو نہ سکھایا ہو۔ جو علم خدا نے مجھ میں احصا فرمایا ہے میں نے امام المتقین میں اس کا احصا کر دیا ہے۔

احصا علمی شمار کو کہتے ہیں۔ عرب کا قاعدہ تھا کہ جب کسی چیز کے شمار میں ان کو

بھول جانے کا اندیشہ ہوتا تھا تو وہ کنکریوں پر شمار کرتے تھے جس سے بھول لینے کا احتمال جاتا رہتا تھا۔ حصاۃ کنکری کو کہتے ہیں۔ اسی سے احصا فعل بنا ہے۔ پس اب آیت کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے ہر حکم کی عملی صورت امام مبین میں رکھ دی ہے۔ لہٰذا عمل اس سے لو۔ قرآن کتاب مبین ہے اور علی امام مبین ہیں۔ امام پیشوا رہنما ہوتا ہے جس کے ساتھ عملی صورت وابستہ ہوتی ہے۔ کتاب لکھی ہوئی ہوتی ہے جس سے علم کا تعلق ہوتا ہے۔

۷۸۔ قیامت میں کچھ لوگوں کو روک لیا جائے گا

پ ۲۳ والصّٰفّٰت :۔ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَسْئُوْلُوْنَ

(انہیں روک لو ان سے کچھ پوچھا جائے گا)

تفسیر صافی بحوالہ تفسیر قمی منقول ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان سے جناب امیر علیہ السلام کی ولایت کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ امالی اور عیون اخبار الرضا میں بھی یہی مضمون ہے۔ علل الشرائع میں جناب امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آنحضرت ص نے اس تفسیر میں بتایا کہ کوئی شخص ایک قدم بھی نہ اٹھائے گا جب تک اس سے ان چار باتوں کا سوال نہ کیا جائے۔

جوانی کس طرح بسر کی۔ عمر کن کاموں میں گذاری۔ مال کہاں کہاں سے جمع کیا۔

اہلبیت کی محبت میں کیا کیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رسالت کا اجر ذوی القربیٰ کی محبت قرار دیا ہے تو اس کی روز قیامت پوچھ گچھ بھی ہوگی۔ آنحضرت ص ضرور اپنی امت سے یہ سوال کریں گے اور جب تک اس کا ثبوت پیش نہ کرے گا ہرگز داخل جنت نہ ہوگا۔

۷۹۔ آلِ یٰسین پر سلام

پ ۲۳ - آیت ۱۳۰۔ سلامٌ علیٰ اِلیاسین (سلام ہو آلِ یٰسین پر)

امام رازی کلبی اور فضل بن روزبہان جیسے علمائے اہلِ سنت نے یہ مان لیا ہے کہ اس سے مراد آلِ محمد ہیں کیونکہ یٰسین آنحضرت ص کا نام ہے اور قراء سبعہ میں سے ابن عامر نافع اور یعقوب کی قراءت بھی آل یٰسین ہے اس کی مؤید یہ روایت ہے جسے ابن ابی حاتم طبرانی اور ابن مردویہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آل یٰسین آلِ محمد ہیں۔

(درمنثور سیوطی)

حضرت الیاس نبی کی اولاد میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں پائی جاتی جس سے وہ خدائی سلام کے مستحق ہوں۔ تفسیر صافی میں بحوالہ تفسیر قمی لکھا ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ نے آلِ محمد کا ذکر فرمایا۔ اور ترکنا علیہ فی الاٰخرین سلام علیٰ آلِ یاسین فرمایا پس یٰسین محمد ہیں اور آلِ یٰسین آلِ محمد ہیں۔ معانی الاخبار میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ یٰسین جناب رسولِ خدا ہیں اور آلِ یٰسین ہم ہیں۔ سورہ یٰسین میں آپ کا یہ نام ذکر ہوا ہے۔ الیاسین یا تو کاتب نے غلط لکھا یا از راہ تعصب جمع قرآن کے وقت آل یٰسین کی جگہ الیاسین کر دیا گیا۔

۸۰۔ مصدق رسالت

پ ۲۴ الزمر ۴۔ وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

آیت ۳۳ :۔ (جو شخص (رسول) سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کی تصدیق کی یہی لوگ تو پرہیزگار ہیں)

اس آیت پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت علیؑ ہیں ان ہی کی تعریف میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن مردویہ نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ نے، فرمایا کہ جس نے تصدیق کی ہے وہ علیؑ ہیں (درمنثور)

ایک دوسری حدیث ہے کہ صدیق تین ہیں حزقیل مومن آل فرعون جس نے موسیٰ کی تصدیق کی۔ حبیب النجار مومن آل یاسین اور علی ابن ابی طالب (صواعق محرقہ) اس بنا پر حضرت فرمایا کرتے تھے۔ انا الصدیق الاکبر۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے تصدیق کے بعد پھر حضرت کی نبوت میں کبھی شک نہیں کیا اور نہ آنحضورؐ کے حکم بجالانے میں غفلت یا سستی سے کام لیا۔

۱۴۔ جنب اللہ کون ہے

پ ۲۴ الزمر ع ۶ :۔ اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ یّٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ
آیت ۵۶ :۔ جَنۡۢبِ اللّٰهِ

(کوئی شخص کہے گا ہائے افسوس میری کوتاہی پر جو میں نے خدا کی بارگاہ کا تقرب حاصل کرنے میں کوتاہی کی)

ایک حدیث میں ہے کہ جنب اللہ حضرت علیؑ کا خطاب ہے تب اس کا ترجمہ یوں ہوگا ہائے ہم نے اہل بیت رسولؐ کی پیروی کرنے میں کوتاہی کی اور اس صورت میں حدیث ثقلین اس آیت کی تفسیر واقع ہوگی۔ کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جنب اللہ سے مراد حضرت علیؑ ہیں اور ان کے بعد ان کے اوصیا۔ ——— تفسیر عیاشی میں انہی حضرت سے منقول ہے کہ اس سے خدا کی غرض اپنے خلیفہ کی تعریف کر کے اس کی قرب

منزلت کا ظاہر کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کچھ ایسے رموز رکھے ہیں کہ ان کو اس کے سوا یا اس کے انبیاء و اوصیائے انبیاء کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ صرف الفاظ کا ترجمہ کر لینے سے وہ حقائق تو بیان میں نہیں آتے جو صیغہ راز میں رکھے گئے ہیں۔

۸۲۔ اجر رسالت

پ۲۵ شوریٰ ع ۴ :۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ

آیت ۲۳ :۔ (اے رسول اپنی امت سے) کہہ دو کہ میں تم سے کوئی اجر رسالت نہیں چاہتا سوائے اپنے رشتہ داروں کی محبت کے)

اس آیت کی شان نزول یہ ہے۔

انصار ایک جلسہ میں فخر و مباہات سے بیان کر رہے تھے کہ ہم نے یہ کیا اور وہ کیا جب ان کی باتیں حد سے گزریں تو ابن عباس سے نہ رہا گیا۔ کہنے لگے تم لوگوں کو فضیلت سہی مگر ہم لوگوں پر ترجیح نہیں ہو سکتی۔ اس مناظرہ کی خبر حضرت رسول خدا کو پہنچی۔ تو آپ خود ان کے مجمع میں تشریف لائے اور فرمایا اے گروہ انصار کیا تم ذلیل نہ تھے۔ خدا نے ہماری بدولت تمہیں عزت بخشی۔ انہوں نے کہا بیشک ایسا ہی ہے۔ فرمایا کیا تم لوگ یہ نہیں کہتے کہ جب تمہاری قوم نے تم کو نکال باہر کیا تو ہم نے تم کو پناہ دی۔ تمہاری قوم نے جھٹلایا۔ ہم نے تصدیق کی تمہاری قوم نے ذلیل کیا۔ ہم نے تمہاری مدد کی۔ غرض اس قسم کی باتیں آپ فرماتے جاتے تھے اور وہ خاموش سن رہے تھے۔ جب حضور فرما چکے تو انہوں نے عرض کی حضور جو کچھ از قسم مال و متاع ہمارے پاس ہے وہ سب خدا اور رسول کا ہے یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:۔

سنو جو آل محمد کی دوستی پر مرتا ہے ۔ وہ شہید مرتا ہے
" " " " پر مرے گا وہ مغفور ہو گا۔
" " " " پر مرے گا اس کی توبہ قبول کی ہوئی ہوگی ۔
" " " " پر مرے گا وہ کامل الایمان مرے گا۔
" " " " پر مرے گا اس کو فرشتے بہشت کی خوشخبری دیں گے۔
" " " " پر مرے گا بہشت میں اس طرح جائے گا جیسے دلہن دولہا
" " " " پر مرے گا کے گھر جاتی ہے۔
سنو جو کوئی آل رسول کی دشمنی پر مرا اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا رحمت خدا سے مایوس
" " " " پر مرا وہ کفر کی موت مرے گا۔
" " " " پر مرا وہ بہشت کی بو نہ سونگھے گا۔

کسی نے پوچھا جن کی محبت خدا نے واجب کی ہے وہ کون ہیں ۔ فرمایا علی و فاطمہ حسن و حسین اور اولاد حسین سے لو امام ۔ آگاہ ہو جو کوئی میرے اہلبیت پر ظلم کرے اور مجھے میری عترت کے بارے میں اذیت دے بہشت اس پر حرام ہو گا ۔

(تفسیر کشاف جلد ۳ ۔ صحیح بخاری و مسلم وغیرہ)

قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذوی القربیٰ کی محبت کو واجب کیوں کیا ہے اور اسے اجر رسالت کیوں قرار دیا ۔ اس کا جواب یہ ہے ۔

۱۔ کسی کی اطاعت بدوں محبت نہیں ہو سکتی ۔ پس جن کو ان سے محبت نہ ہو گی وہ حلقہ اطاعت سے باہر ہو جائیں گے ۔

۲۔ اجر رسالت اگر دولت کو قرار دیا جاتا تو بہت کم لوگ اس کو ادا کرتے کیونکہ ہر شخص کو مال پیارا ہوتا ہے وہ خمس و زکوٰۃ نہیں دیتے وہ اجر رسالت کیا دیتے ۔

۳۔ مال کی صورت میں اجر رسالت صرف مالدار ہی دے سکتے ہیں مفلس و تنگ دست

اس کے ادا کرنے سے قاصر رہ کر اس سعادت سے محروم ہو جاتے۔

۴۔ مال دیتے وقت انسان کا دل دکھتا ہے اور کراہت پیدا ہوتی ہے اور اس کو اپنے اوپر بار سمجھتا ہے۔

۵۔ ہر جگہ اور ہر حالت میں یہ اجر نہیں دیا جا سکتا تھا لیکن محبت ایسا اجر ہے کہ ہر جگہ اور ہر حالت میں دے سکتا ہے۔

۶۔ ذوی القربیٰ کی محبت کو اس لئے اجر رسالت قرار دیا گیا کہ قیامت تک ہدایت ان کے دم سے وابستہ رہے گی۔ نیز یہ کہ معصوم ہونے کی بنا پر ان سے غلطی کا امکان نہ تھا نہ ان کے گمراہ ہونے کا اندیشہ۔

۷۔ ذوی القربیٰ کا عمل ہر حالت میں قابل تاسی تھا۔

۸۔ اگر مسلمان اس اجر رسالت کو ادا کرتے رہتے تو ایک دین تہتر فرقوں میں تقسیم ہوتا۔

۴۳۰۔ کلمہ باقیہ سے کیا مراد ہے

پ ۲۵ الزخرف ۳ ع : - وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ

آیت ۲۸ :- انہی کی اولاد میں ہمیشہ باقی رہنے والی بات چھوڑ دی تاکہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں)

تفسیر صافی اور علل الشرائع میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نے فرمایا یہ آیت ہماری شان میں نازل ہوئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ قیامت تک اولاد حسین میں جو آئمہ ہوں گے ان کا ایک فرد باقی رہے گا۔ یہی مضمون المناقب اور تفسیر مجمع البیان میں بھی ہے۔

---

۸۴ - رحمت رب قابل تقسیم نہیں

پ ۲۵ الزخرف ۴ ۳ :- اَھُمۡ یَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّکَ نَحۡنُ قَسَمۡنَا

آیت ۳۲ :- بَیۡنَھُمۡ مَّعِیۡشَتَھُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَرَفَعۡنَا

بَعۡضَھُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعۡضُھُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِیًّا وَرَحۡمَتُ رَبِّکَ خَیۡرٌ مِّمَّا یَجۡمَعُوۡنَ

(کیا یہ لوگ تمھارے رب کی رحمت کو بھی تقسیم کرنے لگے ہم نے تو ان کے درمیان ان کی دنیوی زندگی میں روزی تقسیم کر دی ہے اور ایک کے دوسرے پر بلند مرتبے کئے ہیں تاکہ ان میں ایک دوسرے سے خدمت لے اور جو مال و متاع یہ لوگ جمع کرتے ہیں خدا کی رحمت (رسول) اس سے کہیں بہتر ہے)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ عہدہ الٰہیہ کو تقسیم کرنا چاہتے تھے خدا نے ان کو بتایا کہ رحمت الٰہی تقسیم کرنے کی چیز نہیں۔ تقسیم والی چیزیں دنیا کا مال و متاع ہے جسے ہم نے کم و بیش سب میں تقسیم کر ہی دیا ہے اور ایک دوسرے پر فوقیت دے ہی دی ہے لیکن رحمت رب یعنی خلافت الٰہی کی تقسیم کیسی یہ تو خدا جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ دنیا والوں کو یہ اختیار نہیں کہ بطور خود جسے چاہیں اپنا پیشوا بنالیں۔

---

۸۵ - امام حسینؑ کی ایک خصوصیت

پ ۲۶ الاحقاف : وَوَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡهِ اِحۡسَانًا حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ کُرۡهًا

آیت ۱۵ :- وَّوَضَعَتۡهُ کُرۡهًا وَحَمۡلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا

ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس کی ماں نے رنج ہی کی حالت میں اسے پیٹ میں رکھا اور رنج ہی کی حالت میں اس کو جنا اس کے

حمل اور دودھ بڑھائی کی مدت تیس ماہ ہے)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بچہ کا ذکر ہے اس کی مدت حمل صرف چھ ماہ تھی
کیونکہ دو سال یعنی چوبیس ۲۴ ماہ دودھ بڑھائی کی مدت نکالنے کے بعد مدت حمل صرف چھ ماہ
باقی رہتی ہے کوئی بچہ چھ ماہ حمل میں رہ کر زندہ نہیں رہا۔ یہ شرف امام حسین علیہ السلام
ہی سے مخصوص ہے۔

۸۶- رسول کے ساتھیوں کی تعریف

پ ۲۶ ع ۴ :- محمدٌ رسول والذین معہٗ اشدّاء علی الکفّار
آیت ۴۹ :- رحماءُ بینھم تراھم رکعاً سجداً یبتغون فضلاً من اللہ
و رضواناً سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔

(محمد خدا کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر بڑے
سخت ہیں۔ آپس میں بڑے رحمدل تو ان کو دیکھے گا کہ خدا کے سامنے سربسجود
ہیں۔ خدا کے فضل اور خوشنودی کے خواستگار ہیں۔ کثرت سجود کے اثر
سے ان کی پیشانیوں میں گٹے پڑے ہوئے ہیں)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول کے ایک خاص ساتھی کی صفات بیان کی ہیں

۱۔ کافروں پر بڑے سخت ہیں یعنی میدان جنگ میں ڈٹ کر لڑتے ہیں بھاگتے
نہیں۔ اس صفت میں کچھ اور لوگ بھی شامل کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہاں ذکر افضلیت
کا ہے یعنی کبھی ایسا ہوا ہی نہیں کہ کسی معرکہ میں بکثرت کافروں کو قتل نہ کیا ہو۔

۲۔ آپس میں بڑے رحمدل ہیں یعنی عزیزوں کی مدد کرنے، محتاجوں کو کھانا کپڑا دینے
بیماروں کی عیادت کرنے، لوگوں کی مشکلات دور کرنے اور سب سے تعلق د

مدارات پیش آنے میں وہ سب سے آگے رہتے ہیں۔

۳۔ ایسے رکوع و سجود کرنے والے ہیں کہ تمام تمام رات عبادت الٰہی میں بسر کرتے ہیں

۴۔ خدا کے فضل و کرم کے خواستگار رہتے ہیں کوئی ذاتی غرض نہیں رکھتے اس کو معبود حقیقی سمجھ کر عبادت کرتے ہیں نہ کہ جنت کے طمع میں۔ نہ دوزخ کے خوف میں۔

۵۔ کثرت سجود سے ان کی پیشانیوں پر گٹے پڑے ہوئے ہیں۔

غور سے دیکھا جائے تو سوائے علی بن ابیطالب علیہ السلام اور کسی صحابی میں من حیث المجموع یہ تمام صفات نہیں پائی جاتیں۔

لوگ کہتے ہیں یہ آیات خلفائے اربعہ کی شان میں ہیں اس طرح کہ الذین معہ سے مراد حضرت ابوبکر ہیں اشداء علی الکفار سے مراد حضرت عمر ہیں۔ رحماء بینھم سے مراد حضرت عثمان ہیں اور تراھم رکعا سجدا سے مراد حضرت علی ہیں یعنی کسی ایک میں یہ صفتیں نہیں پائی جاتیں بلکہ اللہ نے ان کو تقسیم کر دیا ہے۔

اگر اس آیت کی ترکیب نحوی پر غور کیا جائے تو یہ تفسیر درست نہیں معلوم ہوتی اگر الذین معہ سے مراد حضرت ابوبکر ہیں تو یہ بتایا جائے کہ ان کے متعلق بیان کیا کیا گیا۔ کوئی صفت تو ذکر ہی نہیں کی گئی جملہ ہی ناتمام ہے ایک شخص کی صفات کو چار جگہ تقسیم کر دینے سے عبارت بے ربط ہو جاتی ہے

ہم کہتے ہیں کہ یہ صفات اگر چار شخصوں کی ہیں تو اس میں کوئی خصوصیت نہیں پائی جاتی کیونکہ ہر صفت میں اور لوگوں کی شرکت بھی پائی جاتی۔ حضرت کے ساتھ ہونا صرف ابوبکر ہی سے مخصوص نہ تھا بہت لوگ سخت سے سخت مرحلوں میں رسول کے ساتھ تھے اسی طرح اشداء علی الکفار کی صفت صرف حضرت عمر ہی سے مخصوص نہ تھی اس میں بھی بہت سے لوگ شریک تھے اسی طرح رحماء بینھم میں بھی بہت سے لوگوں کی شرکت پائی جاتی ہے۔ ہم تو کوئی ایسا آدمی دیکھنا چاہتے ہیں جس میں یہ تمام صفات من حیث المجموع

پائی جاتی ہوں۔ اس کو رسول کی معیت اس طرح حاصل ہو کہ جلوت و خلوت، سفر و حضر، رزم و بزم ہر وقت سایہ کی طرح رسول کے ساتھ رہا ہو۔ کافروں پر ایسا سخت کہ میدان جنگ میں جو اس کے سامنے آگیا بچ کے گیا ہی نہیں۔ بقول ابن عباس علی جیسا بہادر کون ہے جس نے دس ہزار کفار و مشرکین کو تہ تیغ کیا۔

پھر مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہمدردی کرنے والا کہ اس کے دروازے سے کبھی کوئی سائل ناکام گیا ہی نہیں۔ جس نے دوسروں کی حاجت برآری میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھا اور پیوند دار لباس پہنا۔ جس نے عبادت کی تو اس شان سے کہ بغیر ایک ہزار رکعت پڑھے بستر سے پیٹھ لگائی ہی نہیں۔ پیر پھیلا کر سوئے ہی نہیں۔

اوصاف علی بگفتگو ممکن نیست گنجائش بحر در سبو ممکن نیست
من ذات علی بواجبی کے دانم الا دانم کہ مثل او ممکن نیست

۴۷۔ شک سے خالی ایمان

پ ۲۶ حجرات ع ۲ - اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
آیت ۱۵ ۔ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝

واللہ نے کچھ لوگوں کی تعریف یوں بیان فرمائی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایسا پکا ایمان لائے ہوئے ہیں کہ ان کے دل میں کبھی شک گزرا ہی نہیں نہ چھوٹا نہ بڑا۔ آتا کہاں سے شک تو وسوسۂ شیطانی ہے اور شیطان کا ان کی ذات اقدس و جلال میں گزر کہاں۔ ایسی ذات علی کے سوا کون تھی ایمان والے تو بہت تھے مگر کل ایمان تو کوئی بھی نہ بنا یہ سہرا تو

رسول اللہ نے علی کو دی۔

دوسری صفت اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ راہ خدا میں اپنے جان و مال سے جہاد فی سبیل اللہ جہاں مال لٹانے کی ضرورت تھی مال لٹایا اور اتنا لٹایا کہ ان کے گھر میں خیر و برکت کے سوا اور کوئی سامان زندگی نظر ہی نہ آیا۔ خود فاقے کئے اور دوسروں کا پیٹ بھرا خود پیوند لگائے اور دوسروں کو نئے نئے لباس پہناتے رہے جہاد تو ہر موقع پر سر دھڑ کی بازی لگا کر میدان میں آئے اور ایسے قدم جما کر لڑے کہ دشمن نے کسی معرکہ میں ان کی پیٹھ دیکھی ہی نہیں۔

۴۸۔ کتاب مکنون کیا ہے

پ ۲۷ واقعہ ۳ :۔ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ

آیت ۷۷ :۔ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ

(یہ قرآن کریم ایک چھپی ہوئی کتاب کے اندر ہے) کتاب مکنون کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد لوح محفوظ ہے بعض کہتے ہیں سینہ رسول ہے۔ جس پر کتاب خدا لکھی گئی۔ اصلی کتاب اللہ وہی ہے اس کا مفہوم جب خدائی الفاظ میں رسول نے پڑھ کر سنایا تو وہ قرآن کہلایا۔ اسی چھپی ہوئی کتاب سے تعلق نہیں رکھتے مگر وہ پاک و پاکیزہ لوگ جو مصداق آیہ تطہیر ہیں۔

دوسری آیت میں ہے ما کان ھذا القراٰن ان یفتریٰ من دون اللہ

لکن تصدیق الذی بین یدیہ وتفصیل الکتاب لا ریب فیہ۔

(یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف افترا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تصدیق ہے ان کتابوں کی جو سامنے ہیں اور تفصیل ہے اس کتاب کی جس میں شک نہیں)

ذلک الکتاب لاریب فیہ ذلک اشارہ بعید کے لیے آتا ہے - یعنی وہ کتاب
بعض نے ذلک کا مشارٌ الیہ لوح محفوظ کو مانا ہے - بعض اس کتاب کو جو مکنون
بید اللہ بینہ رسول میں ہے - یہی درحقیقت اس قرآن کی اور جنل یعنی اصلی کاپی ہے - جو
قیامت تک ایک معصوم کے سینہ میں محفوظ رہے گی - جیسا کہ قرآن میں فرماتا ہے
بَلْ ھُوَ آیاتٌ بینات فی صدور الذین اوتوا العلم یعنی یہ آیات بینات ان
لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں جن کو خدا کی طرف سے علم دیا گیا ہے -

قرآن کی قرأت میں اختلاف ہے کتابت میں اختلاف ہے - ترتیب آیات
میں اختلاف ہے - تفاسیر میں اختلاف ہے - آیات متشابہات کی تاویلوں میں اختلاف
ہے لیکن جو اور جنل کاپی ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں -

اختلاف بندوں کا پیدا کیا ہوا ہے - اللہ کی کتاب میں اختلاف کہاں جیسا کہ
فرماتا ہے اگر یہ کتاب اللہ کے سوا کسی دوسرے کی ہوتی تو جدوا فیہ اختلافا کثیرا
متکلم کے کلام کے ایک ہی معنی ہو سکتے ہیں نہ کہ دس -

---

۴۹ - مرسلین کتاب و میزان اپنے ساتھ لاتے ہیں

پ ۲۷ الحدید ع ۳ - لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم
آیت ۲۵ - الکتٰب والمیزان لیقوم الناس بالقسط -

(ہم نے اپنے پیغمبروں کو واضح اور روشن معجزے دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ
کتاب و میزان کو نازل کیا)

اس آیت میں کئی باتیں قابل غور ہیں -

۱ - معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے رسول بطن مادر سے کتاب و ترازو لے کر آتے ہیں

حالانکہ ایسا دیکھا نہیں گیا۔ مرسلین پر کتاب کا نزول بعد میں ہوتا ہے اگر میزان سے مراد انصاف کرنا مراد لیا جائے تو اس کا موقع بھی ان کو بعد میں ملتا ہے۔

۲۔ معلوم ہوتا ہے کہ کتاب و میزان کا مفہوم کوئی دوسرا ہے۔ کتاب دو قسم کی ہوتی ہے ایک تشریعی جس میں احکام شریعت ہوتے ہیں اور وہ تبلیغ کے لئے مرسلین کو دی جاتی ہے۔ دوسرے کتاب وجودی۔ ہر شخص کا وجود خدا کی ایک کتاب ہے۔ جو بہت سے ابواب و فصول پر مشتمل ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

اتزعم انک جرم صغیر وفیک انطوی عالم الاکبر

وانت الکتاب العظیم الذی باحرفہ یظھر المضمر

اے انسان تو یہ گمان کرتا ہے کہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ حالانکہ تیرے اندر ایک بہت بڑا عالم چھپا ہوا ہے تو خدا کی وہ عظیم الشان کتاب ہے جس کے ایک ایک حرف سے قدرت کے بڑے بڑے راز ظاہر ہوتے ہیں۔ مرسلین کی کتاب وجودی ہم سے جداگانہ حیثیت رکھتی ہے بظاہر وہ جسمانی شکل میں ہم ہی جیسے معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی قوتیں ظاہری ہوں یا باطنی ہماری جیسی نہیں ہوتیں۔ ان کے حواس ہمارے سے نہیں ہوتے ہم ایک محدود فضا میں دیکھ سکتے ہیں ایک حد خاص تک دیکھ سکتے ہیں۔ ایک حد تک ہماری آواز جا سکتی ہے۔ لیکن رسولوں کے لئے ایسا نہیں۔ دیکھئے

۱۔ حضرت ابراہیم نے بحکم خدا جب لوگوں کو حج کے لئے بلایا تو ہوا نے ان کی آواز کو تمام عالم ناسوت میں پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ ان بچوں نے بھی سن لی جو بطن مادر میں تھے اور ان نطفوں نے بھی جو صلب پدر میں تھے۔

۲۔ مرسلین علیہم السلام کی قوت سماعت اتنی قوی ہوتی ہے کہ وہ ہلکی سے ہلکی آواز کو بھی سن لیتے ہیں۔ جیسے حضرت سلیمان نے وادی نمل میں چیونٹی کی آواز کو بھی

سن لیا تھا۔

۳- ان کی قوت باصرہ بھی اس قدر تیز ہوتی ہے کہ جناب سلیمان نے وادی نمل کی کھلی فضا میں چیونٹیوں کے دل کے اندر اس چیونٹی کو دیکھ لیا جس نے کہا تھا اے چیونٹیو اپنے اپنے سوراخوں میں چلی جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر انہیں کچل ڈالے تمہیں۔ یا حضرت ابراہیم نے زمین پر سے ملکوت سماوات و ارض کو دیکھ لیا یا حضرت رسول خدا نے شب معراج حجاب قدس و جلال کو ایسا نظر جما کر دیکھا کہ آپ کی آنکھوں کو ذرا خیرگی بھی نہ ہوئی۔

۴- قوت شامہ کا یہ حال کہ حضرت یعقوب نے قمیص یوسف کی بو سونگھ لی جب کہ حضرت یوسف کا فرستادہ مصر سے کنعان کو روانہ ہوا حالانکہ کنعان مصر سے کوسوں دور تھا اسی طرح ان کی تمام قوتیں ہماری قوتوں سے ممتاز ہوتی ہیں۔ ان کی یہ کتاب وجودی خود ان کے دعویٰ رسالت پر گواہ ہوتی ہے اور جب وہ بطن مادر سے پیدا ہوتے ہیں تو ان تمام قوتوں کو ساتھ لئے ہوئے آتے ہیں کسی سن کی قید نہیں ہوتی۔

یہ صرف مرسلین ہی سے مخصوص نہیں۔ حضور سرور کائنات کے اوصیاء بھی ایسی ہی قوتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ جیسے علی علیہ السلام نے بچپن میں کلہ اژدر چیر ڈالا پیدا ہوتے ہی کلام کیا۔ رسول کو پہچانا۔ امام حسن کمسنی میں آواز وحی سن لیتے تھے۔ امام حسین کی آواز استغاثہ زمین سے ملاء اعلیٰ تک پہنچی۔

اب رہا میزان کا مسئلہ تو ہر چیز کے تولنے کی ایک جداگانہ میزان ہوتی ہے لکڑی تولنے کی میزان کچھ اور ہوتی ہے دال آٹا تولنے کی اور، اور سونا چاندی تولنے کی اور، ایک مال کو تولنے کی اور بخار کو تولنے کی اور اس کی میزان تھرمامیٹر ہے اگر شعر کو تولا جائے تو اس کی میزان الفاظ ہوتے ہیں جن کو وزن شعر کہا جاتا ہے لیکن اگر صفات کو تولا جائے تو یہ سب میزانیں بیکار ہو جاتی ہیں وہاں انسانی

صفات کا مقابلہ کسی دوسرے انسان کی صفات سے کیا جاتا ہے جیسے بہادر آدمی کی صفات کی میزان شجاعت رستم قرار دی جاتی ہے۔ حاتم کی سخاوت اور نوشیرواں کی عدالت بھی میزان بنتی ہے۔
پس مرسلین کی امتوں کے اعمال مرسلین کے اعمال کو سامنے رکھ کر جانچے جائیں گے ان کے ان اعمال کا سلسلہ ان کو کتاب وجود ملتے ہی شروع ہو جاتا ہے مثلاً پیدا ہوتے ہی سجدہ کرنا۔ خدا کی توحید کی گواہی دینا۔
پس امت محمدی کے اعمال کو جانچنے کے لئے قیامت میں جو میزان ہوگی۔ وہ عمل رسول اور اہل بیت رسول ہوگا۔ جیسا کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے یا علی انت الصراط المستقیم و میزان الاعمال (اے علی تم صراط مستقیم اور میزان الاعمال ہو) یعنی علی کے اعمال برابر رکھ کر ہر شخص کے اعمال کی جانچ کی جائیگی

۹۰۔ نزول حدید سے کیا مراد ہے

پ ۲۷ الحدید ع ۳ :۔ وانزلنا الحدید فیه باس شدید و منافع للناس و لیعلم الله من ینصره و رسله بالغیب ان الله قوی عزیز

آیت ۲۵ :۔

(ہم نے لوہے کو نازل کیا جس سے لڑائی کا سامان) ہے اور لوگوں کے لئے بہت سی نفع کی باتیں ہیں) تاکہ خدا دیکھ لے کہ بے دیکھے بھالے خدا اور اس کے رسول کی کون مدد کرتا ہے بیشک خدا بڑی قوت اور عزت والا ہے)

اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد تلوار ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ وہ کونسی تلوار ہے جسے خدا نے نازل کیا اور وہ کس کو ملی۔ ذوالفقار کے سوا کوئی

دوسری تلوار مراد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ذوالفقار ہی جنگ احد میں حضرت علی کے لئے نازل ہوئی تھی اور اس کی تعریف میں جبریل نے یہ آواز بلند کی تھی۔

لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار

یہی وہ تلوار ہے جس سے حضرت علی نے خدا اور رسول کی نصرت کی طبری نے بھی اپنی تاریخ میں اس کا اقرار کیا ہے۔ اہلبیت علیہم السلام کی تفسیر بھی یہی ہے یہی وہ تلوار ہے جو کبھی کسی بیگناہ پر نہیں چلی۔ یہی وہ تلوار ہے جس کے مقابل آنے والا کبھی جان بچا کر نہیں لے جا سکا۔

۹۱۔ رحمتِ خدا کے دو حصے

پ ۲۷ الحدید آیت ۲۸:۔ یا ایها الذین آمنوا اتقوا اللہ وآمنوا برسولہ یؤتکم کفلین من رحمتہ ویجعل لکم نورا تمشون بہ ویغفر لکم واللہ غفور رحیم

(اے ایمان والو خدا پر ایمان لاؤ خدا سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ تو خدا تم کو اپنی رحمت کے دو حصے عطا فرمائے گا اور ایسا نور عطا فرمائے گا جس کی روشنی میں تم چلو گے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے)

غور طلب بات یہ ہے کہ وہ کون رحمت کے دو حصے ہیں جو ایمان والوں اور متقی لوگوں کو عطا کئے جائیں گے اور وہ ان کے نور کی روشنی میں چلیں گے۔ ظاہر ہے کہ سرکار دو عالم رحمۃ للعالمین ہیں ان کی رحمت کے دو حصے حسن و حسین ہیں پس جو ان سے محبت کرے گا وہ خدا کی دوہری رحمت کا مستحق ہو گا اور ہدایت کی روشنی میں چلے گا۔

۹۲۔ حضرت علی کی رسول سے سرگوشی

پ ۲۸ المجادلہ ۲۷ ع ۱۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین آیت ۱۱ ع ۱۔ یدی نجواکم صدقۃ ذالک خیر لکم واطہر۔

(اے ایمان والو جب پیغمبر سے کوئی بات کان میں کہنی چاہو تو اس سرگوشی سے پہلے کچھ خیرات دیدو کہ یہ تمہارے لیے بہتر اور پاکیزہ بات ہے)

اصحاب رسول اس کے بہت حریص تھے کہ رسول سے تخلیہ میں باتیں کریں جب ہر شخص اس کا خواہشمند ہوا تو رسول کو تکلیف ہونے لگی اور بیچارے غریبوں کو اس کا موقع نہ ملنے سے دل شکنی ہوتی تو خدا کا یہ حکم ہوا کہ جو سرگوشی کرنا چاہے وہ پہلے کچھ صدقہ دیدے اس میں یہ فائدہ تھا کہ سرگوشی کرنے والوں کا رش کم ہو اور غریبوں کو فائدہ پہنچے۔ یہ حکم ہوتے ہی تخلیہ پسند لوگ الگ ہو گئے۔ دس روز تک حضرت کے پاس کوئی نہ آیا مگر حضرت علی باوجود تنگدستی کے رات اور دن صبح و شام برابر صدقہ دے کر تخلیہ میں حضورؐ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہیں۔ یہ فضیلت حضرت علی کی خصوصیات سے ہے اگر آپ بھی دستکش ہو جاتے تو یہ حکم بغیر متعمل رہ جاتا کیونکہ چند روز بعد یہ حکم اٹھا لیا گیا۔ جناب امیر فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں ایک آیت ایسی بھی ہے جس پر میرے سوا کسی نے عمل نہیں کیا۔

۹۳۔ اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دینے والے

پ ۲۸ الحشر ع ۱۔ ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ (ایسے لوگ بھی
آیت ۹ ع ۱۔

ہیں کہ چاہے ان کے نفسوں پر کیسی ہی تنگی کیوں نہ ہو وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں)

مروی ہے کہ ایک روز جناب امیر نے حضرت سیدہ سے دوپہر کا کھانا طلب کیا۔ انہوں نے قسم کھا کر کہا آج گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہیں آپ یہ سن کر باہر نکلے اور ایک دینار کسی سے قرض لے کر بازار کی طرف چلے کہ کچھ سودا خریدیں راہ میں دیکھا کہ مقداد رضی اللہ عنہ باحال پریشان چلے آرہے تھے۔ حضرت نے سبب پوچھا انہوں نے کہا احوال پرسی نہ کیجیے اور مجھے جانے دیجیے۔ حضرت نے فرمایا بھائی مجھ سے راز چھپانا زیبا نہیں۔ تب مقداد نے کہا کیا بتاؤں بچے اس وقت بھوک سے رو رہے ہیں مجھ سے ان کا حال تباہ دیکھا نہیں گیا۔ اس پریشانی میں گھر سے نکلا ہوں۔ فرمایا جو باعث تمہارے گھر سے نکلنے کا ہے وہی میرے گھر سے نکلنے کا ہے مگر میں اپنے اوپر تم کو ترجیح دیتا ہوں یہ کہہ کر وہ دینار ان کے حوالے کر دیا اور خالی ہاتھ گھر کو واپس آئے اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ کیا علیؑ کے سوا یہ صورت کسی اور سے بھی ممکن تھی؟

۹۴۔ صالح المومنین

پ ۲۸ التحریم آیت ۴ :۔ ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملائکۃ بعد ذلک ظہیر۔

اے نبی کی دو نو بیبیو تم دونوں کے دل ٹیڑھے ہوگئے ہیں اور اگر تم نے رسول کے خلاف شورہ پشتی کی تو اس کا مددگار اللہ ہے اور جبریل ہیں

اور صالح المومنین ہیں اور اس کے بعد سب ملائکہ پشت پناہ ہیں)

رسول کی دو بی بیوں کا قصہ بہت طولانی ہے۔ تفسیروں میں دیکھ لیجئے باتیں کچھ ایسی ہی تھیں کہ اللہ و رسول دونو خفا ہو گئے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ ازواج تو امہات المومنین ہیں۔ جب ماؤں سے ایسی غلطیاں ہوں تو اولاد کا کیا ذکر اور غلطی بھی ایسی سخت کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمھارے دل ٹیڑھے ہو گئے۔ سمجھ میں نہیں آتا ایسی بیبیاں آیت تطہیر میں کیوں کر داخل ہوں گی۔

لوگ کہتے ہیں انہوں نے توبہ کر لی تھی۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کی تھی یا نہیں قرآن میں اس کا ذکر نہیں۔

دیکھنا تو یہ ہے کہ کیسی زبردست شورہ پشتی تھی کہ رسول کی مدد کے لیے اللہ نے بھی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ جبریل و صالح المومنین یعنی حضرت علی کو بھی مددگار بنایا اس پر بس نہیں بلکہ تمام ملائکہ کو بھی نے آنے کا وعدہ ہے۔ دو عورتوں کے مقابلہ میں اور اتنی زبردست فوج خدا کی پناہ۔ اللہ کی باتیں اللہ ہی جانے یا پھر اس کا رسول ہم کیا سمجھیں۔ خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔

ہمیں اس جھگڑے سے غرض نہیں ہمیں تو صرف یہ دکھانا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی کو صالح المومنین کا لقب دیا ہے جس کی صلاحیت فی الدین والدنیا سب ہی مراد ہو سکتی ہیں۔ اللہ اللہ کیا شان ہے اس خدا کے خاص بندے کی۔ کیا کیا نہ بنے امیر المومنین۔ صالح المومنین۔ یعسوب الدین۔ امیر البررة قاتل الکفرة۔ اسد اللہ۔ ید اللہ، نفس اللہ جنب اللہ۔ عین اللہ۔ نفس رسول، زوج بتول۔ کرار غیر فرار، صدیق اکبر، فاروق اعظم، عالم کتاب اللہ، وجہ اللہ وغیرہ وغیرہ ؛

٩٥ ۔ خدا کس کو دوست رکھتا ہے

پ ٢٨ ۔ الصف آیت ٤ ۔ اِنَّ اللہ یُحِبُّ الذین یقاتلون فی سبیلہٖ صفًّا کَاَنَّھُم بنیانٌ مَرصُوص ٥

(بیشک اللہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح پرا باندھ کر لڑتے ہیں گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں)

مروی ہے کہ ایک روز کچھ لوگ آپس میں یہ بات چیت کر رہے تھے کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ فلاں عمل خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے تو ہم اپنی جان و مال سے بھی اس کے کرنے میں دریغ نہ کریں ۔ اس کے جواب میں مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی مگر یہی لوگ جو بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے تھے جنگ اُحد میں ایسے بھاگے کہ رسول پکارتے رہ گئے مگر انہوں نے مڑ کر بھی نہ دیکھا اور حضرت رسول خدا کو دشمنوں میں چھوڑ کر چل دئیے اگر حضرت علی نہ ہوتے تو رسول شہید ہو جاتے ۔

٩٦ ۔ تمنائے موت کرنے والے

پ ٢٨ جمعہ آیت ٦ ۔ قُل یا ایُّھا الذین ھادوا اِن زعمتم انکم اولیاء للہ من دونِ النّاس فتمنّوا الموت ان کنتم صادقین

(اے رسول کہہ دو کہ اے یہودیو! اگر تمہارا گمان یہ ہے کہ تم ہی اللہ کے نرالے دوست ہو تو اگر تم اس دعوے میں سچے ہو ذرا تمنائے موت تو کرو)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمنائے موت کرنا اولیائے خدا کی خصوصیت ہے تین قسم کے آدمی دنیا میں پائے جاتے ہیں اول وہ جو موت سے بھاگنا چاہتے

ہیں۔ دوسرے وہ جو مرضی خدا پر راضی رہتے ہیں۔ تیسرے وہ جو رضائے الٰہی کے شوق میں تمنائے موت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ سوائے اہل بیت رسول کہاں پائے جاتے ہیں۔

امیر المومنین علیہ السلام کے یہ قول مشہور ہیں۔ یابنی ان اباک یستانس الموت من الطفل بثدی امہ بیٹا تمہارا باپ موت کا اس سے زیادہ مشتاق ہے جتنا ایک بچہ اپنی ماں کے پستان کا مشتاق ہوتا ہے۔

۲۔ علی کو اس کی پرواہ نہیں کہ موت اس پر آپڑے یا وہ موت پر جا پڑے۔ انتہا یہ ہے کہ جب ۱۹ رمضان کو ابن ملجم ملعون کی تلوار بحالت سجدہ حضرت کے سر اقدس پر لگی تو آپ نے فرمایا فزت برب الکعبۃ (خدا کی قسم میں کامیاب ہوگیا)

۹۷۔ منافقوں سے جہاد علی سے متعلق تھا

پ ۲۸۔ التحریم آیت ۹۔ یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم (اے نبی کفار و منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کو کفار و منافقین دونوں سے جہاد کا حکم تھا لیکن حضرت نے تمام عمر کفار سے جہاد کیا منافقوں سے نہیں۔ سوال یہ ہے کہ پورے حکم کی تعمیل کیوں نہ ہوئی۔ مفسرین عامہ کہتے ہیں۔ منافقوں سے جہاد باللسان کیا۔ لیکن عرض ہے کہ یہ آیت مدنی سورہ کی ہے۔ حضورؐ مکہ میں تیرہ برس جہاد باللسان ہی کرتے رہے۔ پھر یہ حکم مدینہ میں خصوصیت سے کیوں آیا۔ دوسرے جہاد باللسان کا سختی سے کیا تعلق ہے۔ حالانکہ آیت کہتی ہے ان پر سختی کرو۔ دوسری آیت کہتی ہے۔ جادلھم بالتی ھی احسن (کفار سے باحسن طریق مباحثہ کرو

لہٰذا ماننا پڑے گا کہ چونکہ علی شریک کار رسالت تھے لہٰذا منافقین سے انہوں نے جہاد کیا۔

۹۴۔ ولایت علی سے انکار کرنے والے پر عذاب

پ ۲۹۔ المعارج ۱۔ سَاَلَ سَآئِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ لِّلْکٰفِرِیْنَ

آیت ۱۔ ۲ لَیْسَ لَہٗ دَافِعٌ

(ایک مانگنے والے نے کافروں پر ہو کر رہنے والا عذاب مانگا جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا)

تاریخیں بتاتی ہیں کہ جب حضورؐ نے جناب امیر علیہ السلام کو غدیر خم میں اپنا خلیفہ نامزد کیا اور یہ خبر اطراف و اکناف میں پھیلی تو حرث بن نعمان فہری مدینہ آیا اور اپنے ناقہ کو باندھ کر حضرت کے پاس پہنچا۔ آپ اس وقت اصحاب کے مجمع میں تشریف فرما تھے وہ آتے ہی نہایت بیباکی سے کہنے لگا۔ اے محمدؐ آپ نے جس بات کا حکم دیا ہم نے مان لیا۔ اب آپ نے اپنے چچازاد بھائی کو ہمارے اوپر حاکم بنا دیا۔ یہ آپ نے اپنی طرف سے کیا ہے یا حکم خدا سے فرمایا میں نے جو کچھ کیا ہے حکم خدا سے کیا ہے یہ سن کر وہ یہ کہتا ہوا چلا گیا۔ یا اللہ اگر یہ تیرا حکم ہے تو میرے اوپر عذاب نازل کر۔ ابھی وہ اپنی سواری تک نہیں پہنچا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر اس کے سر پر گرا جو سارا جسم چیرتا ہوا پاخانہ کے مقام سے نکل گیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ (تفسیر ثعلبی)

جو لوگ مولا کے معنی حدیث غدیر میں دوست و ناصر کے لیتے ہیں وہ سمجھ لیں کہ حرث بن نعمان فہری نے اگر یہ سمجھا ہوتا تو ہرگز اپنے اوپر عذاب طلب نہ کرتا بدو عرب تھا اہل زبان تھا۔ واقعہ کی نوعیت اور کلام کے سیاق و سباق سے سمجھ گیا

کہ مولا کے معنی اولیٰ بالتصرف ہی کے ہیں۔

۹۹۔ پورا سورہ دہر کس کی شان میں ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ پہلے اس کی شان نزول بیان کر دیں۔

ایک بار امام حسن اور امام حسین علیہما السلام بیمار ہوئے اور بیماری نے طول پکڑ لیا۔ ایک روز جبریل امین حضرت رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے کہنے لگے اپنے اہل بیت سے کہیے کہ تین تین روزے مانیں اللہ شفا دے گا۔ چنانچہ آنحضرت اپنی بیٹی کے گھر تشریف لائے اور جبریل کا قول بیان کیا۔ سب نے معہ جناب فضہ تین روزے مان لیے۔ جب شہزادے اچھے ہو گئے اور ایفائے نذر کا وقت آیا۔ تو حضرت علی جناب فاطمہ حسنین اور فضہ نے پہلا روزہ رکھا لیکن گھر میں افطار کا کوئی سامان نہ تھا۔ آپ نے ایک یہودی سے کچھ جو اون کاتنے کی اجرت میں لئے اور گھر آ کر جناب سیدہ سے کہا یہ اون ہے اس کی کتائی کی اجرت یہ جو ہیں معصومہ عالم نے اون کے تین حصے کئے اور جو کے بھی۔ پہلے ایک حصہ اون کاتی۔ جب اس کی اجر کی مستحق ہوئیں تو تہائی جو چکی میں پیسے پھر آٹا خمیر کیا۔ پھر خود ہی پانچ روٹیاں پکائیں جب افطار کے وقت سب کھانے بیٹھے ابھی لقمہ توڑ کر منہ میں رکھنا چاہا ہی تھا کہ دروازہ سے کسی کی آواز آئی۔ میں ایک مسکین ہوں۔ اے اہلبیت رسول مجھے کھانا دو اللہ تمہیں جنت کے دستر خوان سے دیگا۔ مسکین کی آواز سنتے ہی اپنی بھوک بھول گئے اور سب نے اپنی روٹیاں اٹھا کر حضرت علی کو دیں اور انہوں نے اس سائل کو دیدیں اور پانی سے افطار کر لیا۔ دوسرے دن پھر یہی عمل ہوا جب کھانے بیٹھے تو ایک یتیم آ پکارا۔ سب نے پھر اپنی اپنی روٹیاں اسے دیدیں اور پانی سے افطار

کر کے بیٹھ رہے۔ تیسرے روز پھر یہی صورت پیش آئی اب کی بار سائل نے کہا۔
میں قیدی ہوں۔

جب تین روز نذر کے پورے ہو گئے تو جبریل امین سورہ دہر لے کر نازل ہوئے
اب اس کی چند آیات کا ترجمہ سنیئے :-

۱- یہ وہ لوگ ہیں جو نظریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی سختی
ہر طرف پھیلی ہوئی ہوگی۔

۲- وہ خدا کی محبت میں محتاج اور یتیم و اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔

۳- (کھانا دے کر) ان سے کہتے ہیں ہم تو محض خوشنودی خدا کے لئے تمہیں
کھانا دے رہے ہیں نہ تم سے بدلے کے خواستگار ہیں نہ شکر گذاری کے

۴- ہم کو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر ہے جس میں لوگوں کے منہ بن جائیں
گے اور چہروں پر ہوائیاں اڑتی ہوں گی۔

اب سنیئے اس سخاوت کا اللہ کی طرف سے کیا بدلہ ملے گا۔

۱- اللہ انہیں اس دن کی تکلیف سے بچالے گا اور ان کو تازگی اور خوشدلی عطا فرمائیگا

۲- ان کے صبر کے بدلے بہشت کے باغ اور ریشمی پوشاک عطا فرمائے گا اس
کا لطف تو انہی کو آئے گا جنہوں نے بندگان خدا کی ہمدردی میں پیوند دار لباس
پہنے ہوں گے۔

۳- وہاں وہ تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے نہ وہاں آفتاب کی دھوپ
دیکھیں گے نہ شدت کی سردی گھنے درخت ان پر جھکے ہوئے ہوں گے
اور میووں کے گچھے ان کے بہت قریب ہوں گے اور ان کے اختیار میں ہوں گے
یہ سب ضیافت کا سامان انہی کے لئے ہوگا جنہوں نے زندگی میں اکثر اوقات
خوشنودی خدا کے لئے روزے رکھے ہوں گے اور فاقہ پر فاقہ کیا ہوگا۔

maablib.org

۴۔ ان کے سامنے چاندی کے ساغر اور شیشے کے نہایت شفاف گلاس کا دور چل رہا ہوگا۔ شیشے بھی کانچ کے نہیں چاندی کے جو صحیح اندازے سے بنائے گئے ہوں گے (بیشک صلہ ان ہی کے لئے ہوگا جنہوں نے تین دن بھوکے پیاسے رہ کر راہ خدا میں اپنی جانیں دی ہوں گی۔

۵۔ انہیں ایسی شراب پلائی جائے گی جس میں زنجبیل کے پانی کی آمیزش ہوگی۔ یہ بہشت میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے۔

۶۔ ان کے سامنے ہمیشہ ایک حالت پر رہنے والے نوجوان لڑکے چکر لگاتے ہوں گے کہ جب تم ان کو دیکھو تو سمجھو کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔

۷۔ جب تم وہاں نگاہ اٹھاؤ گے تو ہر طرح کی نعمت اور عظیم ترین سلطنت دیکھو گے

۸۔ ان کے اوپر سبز کریب اور اطلس کی پوشاک ہوگی۔

۹۔ انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے یہ بدلہ ہوگا ان کی اس تکلیف کا جو اعدائے دین نے ان کو ہتھکڑیاں اور بیڑیاں پہنا کر دنیا میں پہنچائی تھیں وہ آج دیکھیں گے کہ پیش خدا ان کا کیا مرتبہ ہے۔

۱۰۔ ان کا پروردگار انہیں پاکیزہ شراب پلائے گا۔

۱۱۔ یہ سب تمہاری کارگزاریوں کے صلہ میں ہوگا۔

۱۲۔ تمہاری کوششیں بیشک قابل شکرگزاری ہیں۔

یہ تھے اہل بیت رسول۔ افسوس ہے کہ دنیا والوں نے ان کی کوئی قدر نہ کی اور طرح طرح کے ظلم ان پر روا رکھے۔

۱۰۰۔ نبأ عظیم کیا ہے

پ ۳۰ نبأ ع ۱ - آیت ۱ تا ۲ - عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ

ھم فیہ مختلفون ۔

(یہ لوگ آپس میں کس خبر کا حال پوچھتے ہیں ایک بڑی خبر کا حال جس میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں)

اس میں اختلاف ہے کہ وہ بڑی خبر کیا ہے ۔ بعض نے قیامت سمجھا ہے بعض نے قرآن اور بعض نے علی علیہ السلام کی ولایت سمجھا ہے ۔ چنانچہ سدی نے حضرت رسول خدا سے روایت کی ہے کہ جس چیز کا قبر میں لوگوں سے سوال کیا جائے گا وہ علی بن ابی طالب کی ولایت ہے کوئی مرنے والا خواہ مشرق میں مرے یا مغرب میں خشکی میں مرے یا تری میں ایسا نہ ہوگا جس سے منکر و نکیر ولایت علی کے متعلق سوال نہ کریں ۔ ہر میت سے پوچھا جائے گا بتا تیرا دین کیا ہے تیرا رب کون ہے ۔ تیرے نبی کون ہیں اور تیرا امام کون ہے ۔

---

۱۰۱ ۔ حضرت علی کو خلیفہ بنانے کا حکم

پ ۳۰ الشراح ع ۱ : ۔ الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک

آیت ۱ : ۔ الذی انقض ظھرک ورفعنا لک ذکرک فان مع العسر یسرا

ان مع العسر یسرا فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب

(اے رسول کیا ہم نے تمہارے سینہ کو علم سے کشادہ نہیں کر دیا ضرور کیا ، اور کیا تم پر سے وہ بوجھ اتار نہیں دیا جس نے تمھاری کمر توڑ رکھی تھی اور ہم نے تمھارے ذکر کو بھی بلند کر دیا ہے تو ہاں ہر مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے اور بیشک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے پس جب تم فارغ ہو جاؤ تو مقرر کر دو پھر اپنے پروردگار کی طرف رغبت کرو)

اس سورہ میں چند باتیں قابل ذکر ہیں۔

۱۔ شرح صدر سے کیا مراد ہے۔ مفسرین اہل سنت نے لکھا ہے کہ جب آنحضرتؐ مبعوث برسالت ہوئے تو جبرئیل نے آکر حضرتؐ کے سینہ کو چاک کیا اور اس کے اندر سے دل نکالا اور دل کے اندر سے وہ سیاہ نکتہ نکالا جو باعث صدر در گناہ ہوتا ہے اس کے بعد سینہ میں رکھ کر برابر کر دیا۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ علمی دنیا میں یہ روایت مقبول ہو سکتی ہے یا نہیں۔ ہمارے علماء نے تو یہ بتایا ہے کہ علم دے کر سینہ کشادہ کر دیا جس سے دل تنگی دور ہو گئی اگر شرح صدر کی یہ صورت ہوتی تو حضرت موسیٰ کا شرح صدر بھی یوں ہی ہوا ہوتا۔

۲۔ وہ کیا بھاری بوجھ تھا جس سے حضرتؐ کی کمر ٹوٹی جا رہی تھی اور خدا نے اسے اتار کر بوجھ ہلکا کر دیا ظاہر ہے ایک رسول کے لئے سب سے زیادہ پریشان کن یہ چیز ہوتی ہے کہ اس کے دین کی بقاء کا پورا پورا بندوبست نہ ہو یہ تو ظاہر ہے کہ دین اسلام قیامت تک چلنے والا ہے تو اس کے محافظ بھی ہونے چاہئیں اگر اس کے متعلق کوئی انتظام نہ ہو تو دین کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ جب حضرت علی کو آنحضرتؐ نے دعوت ذوالعشیرہ کے دن اور ۱۸ ذی الحجہ کو اپنا خلیفہ بنا دیا تو حضرت کو اطمینان ہو گیا کہ اب علی کی نسل سے قیامت تک میرے دین کا ایک ہادی اور محافظ باقی رہے گا۔

۳۔ تمہارے ذکر کو بلند کر دیا یعنی اللہ نے یہ ذمہ داری اپنے اوپر لی ہے کہ قیامت تک مسجد و منبر و اذان و قیامت و نماز میں تمہارا ذکر ہوتا رہے گا۔

۴۔ ہر تنگی کے بعد فراخی ہوتی ہے یعنی آغاز رسالت میں تم کو دشواریوں کا سامنا ضرور ہوا۔ لیکن بعد میں یہ ضلالت کی گھنگھور گھٹائیں چھٹ گئیں اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ مشرق سے مغرب تک صرف تمہارا ہی دین ہو گا۔

۵۔ جب کارِ رسالت سے فارغ ہو جاؤ تو اپنا جانشین معین کر دینا۔
صاحبانِ انصاف بتائیں کہ اگر اس سے مراد حضرت علی کا خلیفہ مقرر کرنا نہ تھا تو اور کونسا امر تھا جس کے نصب کرنے کا حکم دیا گیا۔

۶۔ اپنے رب کی طرف اس کے بعد چلے آؤ سے تو صاف یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حکم آنحضرتؐ کی آخری عمر میں تھا اس کے بعد بس آپ کو خدا کی طرف جانا ہی تھا۔ کارہائے رسالت سب ختم ہو گئے تھے۔ خلافت امیرالمومنین کے متعلق اس سے زیادہ واضح آیت اور کیا ہو گی۔

۱۰۲۔ شب قدر اور نزول امر

پ ۳۰۔ القدر آیت ۴۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔

(اس رات میں فرشتے اور جبرئیل ان کے رب کی اجازت سے سال بھر کی بات کا حکم لے کر نازل ہوتے ہیں اور یہ طلوعِ فجر تک سلسلہ جاری رہتا ہے)

قابلِ غور بات یہ ہے کہ شبِ قدر ہر سال آتی ہے اور اس میں صبح تک فرشتوں کی آمد و رفت رہتی ہے اور خدا کی طرف سے ہر امر کو جو سال بھر تک ہونے والا ہے لے کر آتے ہیں۔

کوئی ہمیں بتائے کہ رسول تو اب دنیا میں موجود نہیں۔ پھر فرشتے یہ احکام لے کر آتے کس کے پاس ہیں۔ ماننا پڑے گا کہ آنحضرت کے بعد ہر زمانہ میں کوئی صاحب امر معصوم اس دنیا میں ضرور رہے گا۔ اگر یہ نہیں مانا جاتا تو پھر بتایا جائے کہ کس کے پاس آتے ہیں۔ کیا بعد رسول کسی صحابی یا کسی عالم نے آج تک یہ دعویٰ

کیا ہے کہ شبقدر میں فرشتے میرے پاس آتے تھے اور پیغام لاتے تھے۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ جب مخالفوں سے مناظرہ ہو تو اس آیت کو پیش کرو وہ ہرگز اس کا جواب نہ دے سکیں گے۔ (کافی)

۱۰۳۔ زمین کس سے بات کرے گی

پ ۳۰ زلزال :۔ اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا

(جب زمین بڑی روانی کے ساتھ زلزلہ میں آجائے گی اور زمین اپنے اندر کے تمام معدنیات نکال پھینکے گی اس وقت ایک انسان کہے گا اس کو کیا ہو گیا ہے اس روز وہ اپنے سب حالات اپنے رب کے حکم سے بیان کر دے گی)

احادیث سے ثابت ہے اور مفسرین کا قول بھی ہے کہ اس آیت میں الانسان سے مراد حضرت علی ہیں۔ چنانچہ جب آپ کے سامنے یہ سورہ پڑھا گیا تو آپ نے فرمایا وہ انسان میں ہوں مجھ سے زمین حالات بیان کرے گی۔

حسب ذیل واقعہ سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں ایک بار مدینہ میں ایسا سخت زلزلہ آیا کہ لوگ گھبرا کر گھروں سے نکل پڑے۔ حضرت عمر کو تشویش ہوئی۔ آپ نے حضرت عباس ابن عبدالمطلب سے کہا آپ لوگ جو خاندان رسول سے ہیں دعا کریں۔ عباس حضرت علی اور دیگر بنی ہاشم کو اپنے ساتھ لے کر شہر سے باہر گئے۔ حضرت علی نے زمین پر ایک جگہ ہاتھ رکھ کر فرمایا مالک لا تسکنی تجھے کیا ہو گیا ہے سکون

نہیں حاصل کرے گی) اس کے بعد وہ زلزلہ ختم ہو گیا (مدینۃ المعاجز)

۱۰۳ - رسول کو اللہ نے کثیر اولاد دی

پ ۳ - کوثر - اِنَّا اعطینٰکَ الکوثر (اے رسول ہم نے تم کو کثیر اولاد دی)

کفار قریش آنحضرتؐ کو ابتر یعنی بے اولاد ہونے کا طعنہ دیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لوگوں نے کوثر سے مراد حوض کوثر لی ہے لیکن یہ تو وہی بات ہوئی۔ سوال دیگر جواب دیگر۔ اس صورت میں ان کی طعن کا کیا جواب ہوگا۔

اگرچہ آنحضرتؐ کی اولاد ذکور میں سے کوئی نہ تھا لیکن اولاد علی و فاطمہ کو آپ نے اپنی اولاد فرمایا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ ذُرِّیَّۃَ کُلِّ نَبِیٍّ فِی صُلبِہٖ وَجَعَلَ ذُرِّیَّتِی فِی صلب علی بن ابی طالب (اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد اس کے صلب سے قرار دی ہے اور میری اولاد صلب علی سے ہے) چونکہ اولاد علی بکثرت دنیا میں پائی جاتی ہے اور قیامت تک باقی رہے گی لہٰذا اس صورت میں کفار کی طعن کا صحیح جواب ہوگا۔

maablib.org

حصّہ دوم

وہ احادیثِ رسول

جو

جناب حضرت علی علیہ السّلام

اور

آئمہ اہلبیت کے بارے میں

ہیں

maablib.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علی مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے

منقول از کتاب اربعین مصنف ابو المکارم الحسن الدامغانی۔
کتاب نزل السائرین از شرف الدین وزرینی شافعی۔
مناقب خطیب خوارزم، مودۃ القربیٰ از سید علی ہمدانی۔ مسند احمد بن حنبل، بحر الانساب از

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا۔

كنتُ انا وعلیٌ بين يدى الله مطيعاً يسبحُ الله ذلك النورُ ويقدسهُ قبلَ ان يخلق آدمَ باربعةَ عشرَ الفِ عامٍ فلما خلق الله آدمَ ركبَ ذالكَ النورَ فی صلبهِ فلم يزلْ ينقلبُ من صلب الی صلبٍ حتیٰ اقرہُ فی صُلب عبد المطلب فقسمهُ قسمين نصيرَ قسمتی فی صلب عبد الله وقسمَ علیٍّ فی صلب ابی طالبٍ فعلیٌّ منّی وَ انا منه۔

میں اور علی ایک نور سے تھے اور وہ نور پیدائش آدم سے چودہ ہزار سال پہلے خدا کی بارگاہ میں اظہار طاعت وتقدیس کرتا تھا یہاں تک کہ اس کو ایک صلب سے دوسرے صلب کی طرف منتقل کرتا ہوا صلب عبد المطلب تک لایا وہاں سے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ پس میرا نور صلب عبد اللہ میں آیا اور علی کا نور صلب ابوطالب میں گیا پس میں علی سے ہوں اور علی مجھ سے ہیں۔

۲۔ علی کا نام باب جنت پر لکھا ہے

صحاح ستہ اور مودت القربیٰ میں ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکتوبٌ علی باب الجنۃ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ محمدٌ رسول اللہِ علیٌ اَخُ رسولِ اللہِ قبل ان

یخلق السمٰوات بالفی عام۔

آسمانوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے باب جنت پر لکھا گیا۔ اللہ کے

سوا کوئی معبود نہیں محمد خدا کے رسول ہیں اور علی رسول خدا کے بھائی ہیں۔

۳۔ علی ولی کل مومن ومومنہ ہیں

صحاح ستہ۔ صواعق محرقہ۔ مسند احمد حنبل۔ مشکوٰۃ۔

قال النبیؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انّ علیا مِنّی وانا من علیٍ

وھو ولیّ کُلِّ مومنٍ ومومنۃٍ بعدی لایُوَدّی عنی دینی الا علیٌ

(علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں وہ ہر مومن ومومنہ کے ولی ہیں میرے

بعد میرے قرض کو علی کے سوا کوئی ادا نہ کرے گا)

۴۔ علی افضل صدیقین ہیں

شرح مصابیح وصواعق محرقہ۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ الصدیقون ثلاثۃٌ حبیبُ النجارِ مومن

ال یٰسٓ وحزقیل مومن آلِ فرعون وعلیؑ وھُوَ افضلُھُم۔
(صدیق تین ہیں حبیب النجار مومن آل یاسین۔ حزقیل مومن آل فرعون
اور علی اور وہ ان سے افضل ہیں)

۶۔ علی اوّل مُسلمین و اوّل مومنین ہیں

اربعین ابوالمکارم۔ رنزل السائرین بروایت ابن عباس
یاعلی انت اوّل المُسلمین اسلاماً وانت اوّل المومنین ایماناً
وانت منی بمنزلہ ھارون من موسیٰ
(اے علی تم بلحاظ اسلام سب سے پہلے مسلمان ہو اور بلحاظ ایمان سب سے
پہلے مومن ہو تم میرے لئے ایسے ہی ہو جیسے ہارون موسیٰ کے لئے تھے۔)

۷۔ علی رسول کے بھائی تھے دنیا و آخرت میں

صحیح ترمذی، مصابیح، مشکوٰۃ۔ صواعق محرقہ۔ (بروایت عبداللہ بن عمر
یاعلی انتَ اخی فی الدنیا والاخرہ (اے علی تم میرے بھائی ہو دنیا و آخرت میں
مسند احمد حنبل میں ہے:۔ اِنّما ترکتک لنفسی انت اخی وانا اخوک
فَاِن ذکرکَ احدٌ فقل انا عبداللہ واخُ رسولِ اللہ لایدّعیھا بعدک
اِلّاکذّابٌ والّذی بعثنی بالحق مَا اخّرتک الالنفسی وانت منی
بمنزلَۃِ ھارون من موسیٰ غیراَنّہٗ لا نبیّ بعدی۔
(اے علی میں نے (مواخات کے سلسلہ میں) تمہیں آخر میں نہیں رکھا مگر اپنی

ذات کے لیے۔ تم میرے بھائی ہو میں تمہارا بھائی ہوں۔ اس کے بعد اگر کوئی تم سے پوچھے تو کہو میں عبداللہ ہوں میں رسول اللہ کا بھائی ہوں۔ تمہارے بعد اس کا دعویٰ جو کوئی کرے گا وہ سب سے بڑا جھوٹا ہے جس نے مجھے نبی برحق بنایا ہے اس کی قسم میں نے تم کو بعد میں رکھا ہے اس لیے کہ تم میری جان کے ساتھ ہو۔ تمہاری منزلت میرے نزدیک وہی ہے جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی۔

۸۔ علی کو اذیت پہنچانے والے کا حشر

مسند احمد حنبل میں ہے من اذی علیا بعثہ اللہ یوم القیامۃ یھودیا او نصرانیا۔

(جو علی کو ستائے گا روز قیامت اللہ تعالیٰ اس کو یہودی یا نصرانی بنا کر اٹھائیگا)

۹۔ علی ہادی ہیں ان سے لوگ ہدایت پائیں گے

فردوس الاخبار میں ابن مسعود سے اور اربعین میں ابن عباس سے منقول ہے۔
انا منذر و علی الھادی یا علی بک یھتدی المھتدون۔

(میں ڈرانے والا ہوں اور علی ہدایت کرنے والے ہیں اے علی تم سے لوگ ہدایت پائیں گے)

۱۰۔ علی وزیر و شریک امر رسالت ہیں

مسند احمد حنبل اور ہدایت السعداء میں ہے۔

اِنِّی اَقُولُ کَمَا قَالَ اَخِی مُوسٰی اجعل لی وزیراً من اھلی علیاً اخی اشدد بہ اَزرِی وَ اشرکہ فی امری۔

(میں بھی یہی کہتا ہوں جیسا موسیٰ نے کہا تھا۔ میرا وزیر میرے اہل سے میرے بھائی علیؑ کو بنا اور میری پشت کو اس سے مضبوط کر دے اور میرے امر میں اسے شریک بنا دے)

۱۱۔ علیؑ کی مثال ایسی ہے جیسے قل ہو اللہ احد قرآن میں

اربعین اور فردوس الاخبار میں ہے۔

مَثَلُ علیؑ فی الناس کمثل قل ھو اللہ احد فی القرآن۔

(علیؑ کی مثال لوگوں میں ایسی ہے جیسے قرآن میں قل ہو اللہ احد)

۱۲۔ علیؑ کی محبت گناہوں کو کس طرح کھاتی ہے

اربعین اور مودات میں عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔

حُبُّ علیؑ یاکل الذنوب کما تاکل النار الحطب

(علیؑ کی دوستی گناہوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جیسے آگ سوکھی لکڑی کو)

۱۳۔ علیؑ کو حکمت کے نو حصے ملے ہیں

تفسیر ثعلبی میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔

قُسِّمَتِ الحکمۃُ عشرۃ اجزاءٍ فاُعطِیَ علیٌ تِسعۃ اَجزاءٍ

وللناس جزءٌ واحِدٌ

(حکمت دس حصوں میں تقسیم ہے ان میں سے نو حصے علی کو ملے ہیں اور ایک حصہ کل آدمیوں کو)

۱۴۔ علی باب مدینۃ العلم ہیں

صحیح ترمذی، حلیۃُ الاولیا۔ مسند بزار اوسط طبرانی میں جابر ابن عبداللہ سے

انا مدینۃُ العلمِ وعلیٌ بابُھا فمن ارادَ العلم فلیاتِ الباب

(میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں جو علم حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ دروازہ سے آئے۔)

۱۵۔ علی باب حکمت ہیں

صحیح ترمذی۔ مستدرک حاکم۔ مشکوٰۃ مصابیح۔ حلیۃ الاولیا۔ صواعق محرقہ

بروایت امیر المومنین رسول اللہ نے فرمایا:

انا دارُ الحکمۃِ وعلیٌ بابُھا

(میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں)

۱۶۔ علی کا حق امت پر کتنا ہے

اربعین میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے

حق علیٍّ علیٰ ھٰذہِ الاُمّۃِ کحقِ الوالدِ علی الولد

(علی کا حق اس امت پر اتنا ہے جتنا باپ کا حق اولاد پر)

۱۷- علی اُمّت میں سب سے زیادہ عالم ہیں

اربعین میں جناب سلمان فارسی سے مروی ہے اَعلمُ اُمّتی علی بن ابی طالب (میری امت میں سب سے زیادہ عالم علی ہیں)

۱۸- علی میزان علم کے دو پلڑے ہیں

اربعین ابن عباس سے مروی ہے انا میزانُ العلم و علیٌّ کفتاہ والحسن والحسین خیوطہٗ و فاطمہ علاقتہٗ والائمۃ عمودہٗ یوزن اعمال المحبین والمبغضین لنا۔

(میں علم کا ترازو ہوں علی اس کے دو پلڑے ہیں اور حسن وحسین اس کے دوڑے اور فاطمہ اس کا علاقہ (لٹکانے کا ذریعہ) اور باقی آئمہ اس کا ستون (لمبا حصہ) اس ترازو میں ہمارے دوستوں اور دشمنوں کے اعمال تولے جاتے ہیں۔ یعنی سب کی دوستی سے اعمال کی جانچ ہوگی)

۱۹- علی کی دوستی اور دشمنی رسول کی دوستی و دشمنی ہے

مسند ابویعلی۔ مسند بزار، صواعق محرقہ اور استیعاب میں سعد وقاص سے

مروی ہے من اَحَبَّ علیاً فقد اَحبَّنی ومَن ابغَضَ علیاً فقد ابغضنی ومَن اَذٰی علیاً فقد اذانی ومن اٰذانی فقد اذی اللہ

(جس نے علی سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جس نے علی سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا جس نے علی کو ستایا اس نے مجھے ستایا جس نے مجھے ستایا اس نے خدا کو ستایا۔

۲۰۔ علی کی تین خاص فضیلتیں

شرف النبی میں الحمرا سے مروی ہے۔ یا علی اُوتیتَ ثلاثاً لم یُوتَ مثلھا احدٌ ولا اَنَا اُوتیتَ صھراً مثلی ولم اوت انا مثلی واُوتیتَ صدیقۃً بنتی فاطمۃ الزھراء ولم اوت مثلھا واُوتیتَ الحسن والحسین من صلبک ولم اوت من صلبی مثلھما ولکنکم منی وانا منکم۔

(اے علی تم کو تین فضیلتیں ایسی دی گئی ہیں کہ تمہاری مثل کسی کو نہیں دی گئیں اول یہ کہ تم کو مجھ جیسا خسر ملا (اس سے معلوم ہوا کہ حضرت کے داماد صرف علی تھے) میرا خسر ایسا نہیں تم کو بی بی صدیقہ میری بیٹی فاطمہ میرے لئے ایسی کوئی بی بی نہیں (صدیقہ نام کی) تم کو اپنے صلب سے حسن وحسین جیسے بیٹے ملے میرے صلب سے ایسے نہیں لیکن تم مجھ سے ہو اور میں تم سے)

۲۱۔ علی میں صفات انبیا جمع تھیں

صحیح واقدی میں ابوالحمراء سے مروی ہے۔

مَن اَرَادَ اَن ینظر الی اٰدم فی علمہٖ والی نوحٍ فی فہمہٖ والی یحییٰ فی

زہدہ والی موسیٰ فی بطشہ فلینظر الی علی ابن ابی طالب

(جو چاہتا ہے آدم کو ان کے علم میں دیکھے نوح کو ان کی فہم میں یحییٰ کو ان کے زہد میں موسیٰ کو ان کی ہیبت میں وہ علی بن ابی طالب کو دیکھ لے)

اور کتاب شرف النبی میں ابو الحمرا سے مروی ہے۔

(جو چاہے کہ آدم کو ان کے علم میں نوح کو ان کی فہم میں ابراہیم کو ان کے حلم میں موسیٰ کو ان کی ہیبت میں دیکھے اسے علی کو دیکھنا چاہیئے)

۲۲۔ علی کی شکایت نہ کرو

حلیۃ الاولیا میں بروایت ابو سعید خدری مروی ہے۔ یا ایہا الناس لاتشکوا علیا فواللہ انہ لاخشن فی دین اللہ

(لوگو علی کی شکایت نہ کرو خدا کی قسم وہ امر دین میں بہت سخت ہیں دکسی سے دبتے نہیں)

۲۳۔ منافق علی کا دوست نہیں ہوتا اور مومن دشمن

مسند احمد حنبل، صحیح ترمذی، مشکوٰۃ میں ام سلمہ سے مروی ہے۔

لایحب علیا منافق ولا یبغضہ مومن

(منافق علی کا دوست نہیں ہوتا اور مومن علی سے دشمنی نہیں رکھتا)

۲۴۔ علی کو گالی دینے کی ممانعت

مسند حاکم۔ صواعق محرقہ، بحر المعارف من سب علیا فقد سبنی (جس نے

علی کو گالی دی اس نے مجھے گالی دی)

۲۵-علی کی طرف نظر کرنا عبادت ہے

معجم طبرانی - مستدرک حاکم - صواعق محرقہ میں ابن مسعود سے مروی ہے!

اَلنَّظرُ اِلٰی عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ (علی کی طرف نظر کرنا عبادت ہے)

۲۶- ذکر علی عبادت ہے

صواعق محرقہ، بحر المعارف، فصل الخطاب میں مروی ہے-

ذِکرُ عَلِیٍّ عِبَادَۃٌ (علی کا ذکر عبادت ہے)

۲۷-علی کا خون رسول کا خون ہے-

دستور الحقائق - آنحضرت ص نے حضرت علی سے فرمایا!-

دمک دمی ولحمک لحمی وقلبک قلبی ونفسک نفسی ورد حک ذوحی

(تمہارا خون میرا خون ہے تمہارا گوشت میرا گوشت ہے تمہارا دل میرا دل ہے اور تمہارا نفس میرا نفس ہے)

۲۸-جس نے حق علی کو پہچانا وہ پاک اور خوش ہوا

مَن عَرَفَ حق علی ذکی وطاب ومن انکر حقہ لعن وخاب (جس نے علی کا

حق پہچانا وہ پاک ہوا اور خوش رہا۔ جس نے انکار کیا ملعون وخاسر رہا۔

۲۹۔ مسجد میں بحالتِ جنابت علی کے سوا کوئی نہیں سکتا تھا

صحیح ترمذی، مصابیح، مشکوٰۃ، ہدایۃ السعداء میں ابوسعید خدری سے مروی ہے

یا علی لا یحل لاحد ان یجنب فی ھذا المسجد غیری و غیرک

(اے علی کسی کے لئے نہیں کہ اس مسجد میں جُنب ہو سوائے تمہارے اور میرے)

۳۰۔ علی کے شیعہ جنت میں راضی خوشی جائیں گے

صواعق محرقہ میں ابن عباس سے مروی ہے یا علی انت و شیعتک تاتی

یوم القیامۃ راضین مرضیین ویاتی عدوک غضبان۔

(اے علی تم اور تمہارے شیعہ جنت میں خوش خوش جائیں گے اور تمہارے دشمن دوزخ جانے پر خشمناک ہوں گے)

۳۱۔ علی بہترین انسان ہیں۔

ہدایۃ السعدا۔ مودۃ القربیٰ علی خیر البشر من ابیٰ فقد کفر (علی سب آدمیوں سے بہتر ہیں جس نے اس سے انکار کیا وہ کافر ہے)

۳۰ - علی بمنزلہ سر رسول تھے

مناقب خطیب براء بن عاذب سے اور فردوس الاخبار اور صواعق محرقہ میں ابن عباس سے مروی ہے علیؑ منی بمنزلۃ الراس من بدنی (علی میرے لئے ایسے ہیں جیسے میرا سر میرے جسم کے لئے)

۳۳ - علی باب حطہ کی مانند ہیں -

دار قطنی صواعق محرقہ - ابن عباس سے مروی ہے

علیؑ باب حطۃ من دخل فیہ کان مومناً و من خرج منہ کان کافراً

(علی کی مثال باب حطہ کی ہے جو اس میں داخل ہوا وہ مومن ہے اور جو خارج ہوا وہ کافر ہے)

۳۴ - علی و رسول ایک ہی درخت سے ہیں

اوسط طبرانی صواعق محرقہ جابر بن عبداللہ انصاری

انا و علیؑ من شجرۃ واحدۃ والناس من اشجار شتیٰ -

(میں اور علی ایک درخت سے ہیں اور عام لوگ مختلف درختوں سے)

۳۵ - علی کی اولاد رسول کی اولاد ہے

اوسط طبرانی صواعق محرقہ فردوس الاخبار بروایت جابر ان اللہ جعل ذریۃ کل نبی فی صلبہ وجعل ذریتی فی صلب (اللہ نے ہر نبی کی اولاد کو اس

علی بن ابی طالب

کے صلب سے قرار دیا اور میری اولاد کو صلب علی بن ابی طالب سے)

۳۶- علی نہ ہوتے تو فاطمہ کا کوئی کفو نہ ہوتا

فردوس الاخبار مودت القربیٰ لو لم یخلق اللہ علیاً ما کان لفاطمہ کفو' (اگر علی نہ ہوتے تو فاطمہ کا کوئی ہمسر و کفو نہ ہوتا)

۳۷- صحیفہ مومن کا عنوان علی ہے

مناقب خطیب و صواعق محرقہ میں انس بن مالک سے مروی ہے۔

عنوانُ صحیفۃ المومن حبّ علی بن ابی طالب

(صحیفہ مومن کا عنوان محبت علی ہے)

۳۸- جس درخت کی رسول اصل ہیں اسکی فرع علی ہیں

مسند احمد بن حنبل، حلیۃ الاولیا جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے

اِنّ اللہ خلق الانبیا من اشجارٍ شتّیٰ وخُلقتُ انا و انت من شجرۃٍ واحدۃٍ فانا اصلُھا و انت فرعھا والحسن والحسین اغصانُھا فمن تعلق بغصنٍ منھا ادخلہُ اللہُ الجنّۃ

اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو مختلف درختوں سے پیدا کیا ہے لیکن میں اس درخت کی جڑ ہوں اور تم اس کی شاخ ہو اور حسن و حسین اسکی چھوٹی شاخیں ہیں پس جس نے اس کی کسی شاخ سے تعلق رکھا خدا اسکو

جنت میں داخل کرے گا۔

۳۹۔ علی قسیم نار و جنت ہیں

سنن دار قطنی، صواعق محرقہ میں مرقوم ہے

یا علی انت قسیم النار والجنۃ یوم القیامۃ

(اے علی روز قیامت تم جنت و نار کے تقسیم کرنے والے ہو گے)

۴۰۔ اہلبیت کی اطاعت رسول کی اطاعت ہے

فردوس الاخبار میں ابن عباس سے مروی ہے

ان اللہ افترض طاعتی وطاعۃ اہل بیتی علی الناس خاصۃ وعلی الخلق کافۃ

(اللہ نے فرض کیا ہے میری اور میرے اہل بیت کی اطاعت لوگوں پر خاص کر اور خلق پر عموماً)

کسی نے پوچھا یا رسول اللہ آدمیوں سے کیا مراد ہے اور مخلوقات سے کیا فرمایا آدمیوں سے مراد ہیں اہل مکہ اور مخلوق سے مراد ہیں تمام ذی روح جو اللہ نے پیدا کئے ہیں۔

maablib.org

۴۱۔ علی کی محبت حسنہ ہے

فردوس الاخبار میں ابن عباس سے مروی ہے

حب علی حسنۃ لایضر معہا سیئۃ وبغضہ سیئۃ لاینفع معہا حسنۃ

علی کی محبت ایسی نیکی ہے کہ اس کے ساتھ گناہ نقصان نہیں دیتا اور ان کا بغض ایسا گناہ

کہ کوئی نیکی فائدہ نہیں دیتی)

۴۲- علی فارق حق و باطل ہیں

فردوس الاخبار میں ابولیلیٰ غفاری سے مروی ہے۔

ستکون من بعدی فتنۃ فاذا کان ذلک فالزموا علی بن ابی طالب فانہ فارق بین الحق والباطل

(عنقریب میرے بعد فتنے پیدا ہوں گے جب ایسا ہو تو علی کے ساتھ رہنا کیونکہ وہ حق و باطل میں فرق کرنے والے ہیں)

۴۳- علی کی محبت عبادت ہے اور بغض نفاق

حلیۃ الاولیاء میں ابوذر غفاری سے مروی ہے۔

علی باب علمی ومبین لامتی ما ارسلت بہ من بعدی حبہ ایمان ولبغضہ نفاق والنظر الیہ رافۃ ومودتہ عبادۃ۔

(علی میرے علم کا دروازہ ہے اور میرے بعد امت کے لئے ہر اس چیز کا بیان کرنے والا ہے۔ جس کے ساتھ مجھ کو بھیجا گیا ہے یعنی وہ میرے بعد احکام الٰہی کا پہنچانے والا ہے اس کی دوستی ایمان ہے اور اس کی دشمنی نفاق ہے اور اس کی طرف نظر کرنا مہربانی ہے اور اس کی دوستی عبادت ہے)

۴۴- علی کو تمام صحابہ پر ستر گنی فضیلت دی گئی ہے

خلاصۃ المناقب فضل علی بن ابی طالب علی جمیع الاصحاب بسبعین مرۃ

(علی کو تمام صحابہ پر ستر گنی فضیلت دی گئی ہے)

۴۵ - محبت علی کے بغیر ایمان قبول نہیں

خلاصۃ المناقب عاہدنی ربی ان لا یقبل ایمان عبد الا بمحبتہ علی

(خدا نے مجھ سے یہ عہد کیا ہے کہ کسی بندہ کا ایمان بغیر محبت علی قبول نہ کریگا)

---

۴۶ - قرآن اور اہل بیت ساتھ ہیں

تفسیر ثعلبی۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الشفاء، نصاب الاخبار - اربعین میں زید بن ارقم سے مروی ہے :- انی تارک فیکم الثقلین احدھما اعظم من الاخر کتاب اللہ حبل ممدود من السماء الی الارض وعترتی اھل بیتی ولن یفترقا حتی یردا علی الحوض فانظروا کیف تخلفونی فیھما

(میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ ان میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہے - ایک کتاب خدا جو آسمان سے زمین تک کھنچی ہوئی رسی ہے دوسری چیز میری عترت میرے اہل بیت ہیں اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں - پس تم دیکھو کہ تم ان دونو سے میرے بعد کیسا سلوک کرتے ہو -

---

۴۷ - حُبّ اہل بیت اساس دین ہے

مسند احمد حنبل - ہدایۃ السعداء - لکل شیءٍ اساسٌ واساس الدین حب اھل بیتی (ہر شے کی ایک بنیاد ہوتی ہے دین کی بنیاد محبت اہل بیت ہے)

۴۸- اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے

مسند احمد بن حنبل، مشکوٰۃ، شرف النبوۃ، ہدایت السعداء میں ابوذر غفاری سے مروی ہے۔ اِنّ مَثَلَ اهل بیتی فیکم کمثل السفینۃِ نوحٍ من رکبها نجیٰ ومن تخلّف عنها غرق دهوی (تم میں میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پائی اور جو اس سے بھاگا وہ ڈوب گیا اور ہلاک ہو گیا)

۴۹- اہل بیت کی لڑائی رسول کی لڑائی ہے

شرح مشکوٰۃ۔ نصاب الاخبار۔ فصل الخطاب۔ ہدایت السعداء، خلاصۃ المناقب۔ اَنَا حربٌ لمن حاربهم وسلمٌ لمن سالمهم (ان کی لڑائی میری لڑائی ہے اور ان کی صلح میری صلح ہے)

۵۰- علی کو خدا نے برگزیدہ کیا

فردوس الاخبار یا فاطمۃ اما ترضین ان اللہ اطلع علی الارض فاختار اباک وزوجک (اے فاطمہ تو اس پر راضی نہیں کہ اللہ نے اہل زمین پر نظر کی پس ان میں سے تیرے باپ اور شوہر کو چن لیا)

۵۱- معرفت آل محمد دوزخ سے نجات دلانے والی ہے

معانی الاخبار فصل الخطاب معرفۃ آل محمد براءۃ من النار

وحب آلِ محمدٍ جوازٌ علی الصراطِ المستقیم وولایۃ آلِ محمدٍ امانٌ من العذاب

(معرفت آل محمد نارِ جہنم سے بچانے والی ہے۔ محبت آلِ محمد صراط مستقیم سے گزرنے کا ذریعہ ہے ولایت آل محمد امان ہے عذاب سے)

۵۲۔ علی نیکوں کے امیر قاتل کفار ہیں انکا ناصر کامیاب ہے

مستدرک حاکم، صواعق، مودات میں جابر بن عبداللہ انصاری سے مروی ہے کہ حضرت نے علی کا ہاتھ یوم حدیبیہ پکڑ کر فرمایا۔ ھذا امیر البررۃ قاتل الکفرۃ منصورٌ من نصرہ مخذول من خذلہ۔

(یہ نیکیوں کا امیر ہے قاتل کفار ہے جو علی کی نصرت کرے اس کی نصرت کی جائے گی اور جو اس کو ترک کرے گا وہ ترک کر دیا جائے گا)

۵۳۔ جو مضبوط رسی سے تمسک چاہے وہ علی سے محبت کرے

دستور الحقائق من اراد ان یتمسک بحبلِ المتین فلیحب علیا وذریتہ

(جو مضبوط رسی سے تمسک چاہے وہ علی اور ان کی اولاد سے محبت کرے)

۵۴۔ علی بہترین انسان ہیں جس نے شک کیا وہ کافر ہے

یا علی انت خیر البشر من شک فیہ فقد کفر۔

(اے علی تم بہترین انسان ہو جس نے اس میں شک کیا وہ کافر ہو گیا)

۵۵۔ مومن علی سے محبت کرتا ہے اور کافر عداوت

لا یحبُّ علیاً الا مومنٌ ولا یبغضہٗ الّا کافرٌ

(مومن علی کو دوست رکھتا ہے اور کافر بغض)

۵۶۔ علی خیر الاوصیا ہیں

فردوس الاخبار :۔ علیٌ وصیّی وھو خیر الاوصیا فی الدنیا والآخرۃ

وانا الداعی وھو المضی۔

(علی میرے وصی ہیں اور دنیا و آخرت میں سب سے بہتر وصی ہیں۔ وہ خدا کی طرف دعوت دینے والا ہوں اور علی اس راہ کی روشنی ہیں۔)

۵۷۔ جس کے ولی نبی اس کے ولی علی

سورۃ القربیٰ ۔ من کنت ولیہٗ فعلیٌ ولیہٗ ومن کنت امامہٗ فعلیٌ امامہٗ

(جس کا میں ولی اس کے علی ولی جس کا میں امام اس کے علی امام)

۵۸۔ اُمت میں سب سے زیادہ عالم علی ہیں

المناقب :۔ اعلمُ امتی من بعدی علی بن ابی طالب

(میرے بعد میری امت میں سب سے بڑے عالم علی ہیں)

۵۹- رجال عالمین سے افضل علی ہیں

افضل رجال العالمین فی زمانی ہذا علی وافضل من نساء
الاولین والاخر بن فاطمہ (میرے زمانہ میں تمام مردوں سے افضل علی
ہیں اور تمام عورتوں سے افضل فاطمہ ہیں)

۶۰- اہل بیت کی فضیلت میں شک کرنے والا اجر عبادت نہ پائیگا

مناقب لو ان احداً عبد اللہ حق عبادتہ ثم شک فیک واہل بیتک وھو
افضل الناس کان فی النار (اگر کوئی اللہ کی پوری پوری عبادت کرے
پھر اے علی تمہارے اہل بیت کے بارے میں شک کرے چاہے افضل الناس ہی
کیوں نہ ہو۔ وہ داخل جہنم ہوگا۔)

۶۱- جنت کی بو کون نہ سونگھے گا۔

ارحج المطالب:- لو عبد عبدٌ مثل ما قام نوحٌ فی قومہ والفق
ذھباً فی سبیل اللہ مثل احدٍ وحج الف حجۃٍ علیٰ قدمیہ وقتل مظلوما
بین الصفا والمروہ ولم یحبک یا علی فلا یشم رائحۃ الجنۃ
(اگر کوئی اتنی مدت عبادت کرے جتنی مدت نوح اپنی قوم میں رہے تھے
یعنی ڈھائی ہزار سال اور کوہ احد کی برابر سونا راہ خدا میں دے اور ایک ہزار حج پا
پیادہ بجالائے اور صفا مروہ کے درمیان مظلوم مقتول ہو تو اے علی وہ جنت
کی بو تک نہ سونگھ سکے گا جب تک اس کو تم سے محبت نہ ہو)

۶۲- قیامت میں علی اور ان کے شیعہ کامیاب ہوں گے

ابرح المطالب :- علیؑ وشیعتہ الفائزون یوم القیامۃ (علی اور ان کے شیعہ قیامت میں کامیاب ہوں گے۔)

۶۳- اس اُمّت میں بھلائی نہیں جس میں اہلبیت میں کوئی نہ ہو

کوکب دری - لاخیر فی اُمّۃٍ لیس فیھا احدٌ من ولد علیؑ یامرُ بالمعروف وینھیٰ عن المنکر (ایسی امت کے لیے کوئی نیکی نہیں جس میں اولاد علی سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا کوئی نہ ہو)

۶۴- اسلام میں پہلا رخنہ کیا ہے

کوکب دری اوّلُ ثلمۃ فی الاسلام مخالفۃ علیؑ

(اسلام میں پہلا رخنہ علی کی مخالفت اور ان کی پیروی نہ کرنا ہے)

۶۵- علی سے محبّت کرو

المناقب :- یا ایھا الناس اَحِبّوا علیا فان اللہ یُحِبُّہٗ واستحیوا منہ فان اللہ یستحی منہ (لوگو علی سے محبت کرو کیونکہ علی سے خدا محبت کرتا ہے اور اس سے حیا کرو۔ کیونکہ اللہ اس کے دوستوں کو سزا دینے میں حیا کرتا ہے)

maablib.org

۶۶ ۔ علی کا دوست کن کے ساتھ ہوگا

من احبک یا علی کان مع النبیین فی درجتھم یوم القیامۃ ومن مات یبغضک فلا یبالی مات یھودیا او نصرانیا ۔

(جو علی سے محبت کرتا ہے وہ روز قیامت انبیاء کے درجہ میں ہوگا اور جو بغض رکھتا ہے پس کوئی پرواہ نہیں وہ یہودی محشور ہو یا نصرانی)

---

۶۷ ۔ بہترین مرد و عورت و جوان کون ہے

خیر رجالکم علیؑ وخیر نساءکم فاطمہ بنت محمد وخیر شبابکم الحسن والحسین (مردوں میں بہترین مرد علی، عورتوں میں بہترین عورت فاطمہ اور جوانوں میں بہترین جوان حسن وحسین ہیں)

---

۶۸ ۔ علی وزیر و خلیفہ رسول ہیں ۔

ان اخی وزیری وخلیفتی فی اھلی وخیر من اترک بعدی یقضی موعدی علی بن ابی طالب

(میرا بھائی میرا وزیر میرا خلیفہ میرے خاندان میں اور جس کو میں اپنے بعد چھوڑوں گا اور جو میرا وعدہ پورے کرے گا علی بن ابی طالب ہے)

۶۹ ۔ علی پر خروج کرنے والا جہنمی ہے

عھد الی ان من خرج علی علی فھو کافر واجدہ بالنار حضرتؐ نے فرمایا خدا

مجھ سے عہد کیا ہے کہ جو علی پر خروج کرے گا وہ کافر ہے اور جہنمی ہو گا)

۷۰۔ اللہ نے اپنے دین کو علی سے مدد پہنچائی

انّ اللہ اَیّدھٰذ الدین بعلیؑ وانا منہ وبیہ انزل افمن

کان علیٰ بینۃٍ من رّبہٖ

اللہ نے اس دین کی مدد علی کے ذریعہ سے کی اور میں اس سے ہوں اور علی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ۔ افمن کان ۔ الخ

۷۱۔ پیدائش آدم سے پہلے علی ولی تھے ۔

حضرت علی نے فرمایا ۔ کنت ولیّاً وآدمُ بین الماء والطین

(میں اس وقت ولی تھا جب آدم مٹی اور پانی میں تھے)

۷۲۔ روز قیامت قبولیت اعمال کی صورت

یاتی الناس یوم القیامۃ بالاعمال فلا ینفعھمُ اِلّا من

قبلت انا وعلی ۔ ابی طالب عملہ بعد قبول اللہ

رسول اللہ نے فرمایا کہ لوگ قیامت کے دن اپنے اعمال لے کر آئیں گے لیکن ان کے اعمال کچھ نفع نہ دیں گے جب تک اللہ کے قبول کرنے کے بعد میں اور علی قبول نہ کریں)

۷۳۔ رسول کے بعد بارہ امام ہوں گے

قال رسول اللہ صلعم انا سید النبین وعلیؑ سیدُ الوصیین وان اوصیائی

بعدی اثنا عشرا ولھم علیؑ واٰخرھم القائمُ المھدی حضرت نے فرمایا میں انبیاء کا سردار ہوں اور علی اوصیا کے سردار ہیں اور میرے بعد میرے بارہ وصی ہونگے جن کے پہلے علی ہیں اور

حصّہ سوم

خصائص علویہ

MAAB 143
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

۲۰۰

خصائص علویہ

ذیل میں ہم وہ خصوصیات درج کرتے ہیں جو علی کے سوا امت میں سے کسی کو حاصل نہیں اگر کسی کو کوئی خصوصیت حاصل ہے تو نہ اس پلے کی ہے جو علی کو حاصل ہے۔

۱۔ علی عالم نور میں شریک نور رسالت تھے۔

۲۔ نور رسول کی طرح علی بھی اوّل مخلوق ہیں۔

۳۔ رسول کی طرح تحت عرش الٰہی علی بھی تقدیس و تسبیح الٰہی کرتے تھے۔

۴۔ آدم کے پیدا ہونے سے پہلے جس طرح رسول نبی تھے علی بھی ولی تھے۔

۵۔ نبی کی طرح علی کا نور بھی اصلاب انبیاء میں منتقل ہوتا رہا ہے۔

۶۔ علی خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے یہ سعادت علی سے پہلے کسی کو نصیب ہوئی نہ بعد میں۔

۷۔ علی نے پیدا ہوتے ہی کتب آسمانی پڑھ کر سنائیں۔

۸۔ علی نے دنیا میں آکر سب سے پہلے چہرہ رسول پر نظر کی۔

۹۔ علی مسلمان ہی پیدا ہوئے۔

۱۰۔ علی کی سب سے پہلی غذا لعاب رسول تھی۔

۱۱۔ علی نے پیدا ہوتے ہی اس سانپ کو قتل کیا جو کعبہ کے اندر رہتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں عرب کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی مشکوک بچہ پیدا ہوتا تھا کہ تو اسے خانہ کعبہ میں رکھ دیتے تھے وہ سانپ آکر اس کو سونگھتا تھا اگر حرامی ہوتا تھا تو اس کو ڈس کر ہلاک کر دیتا تھا۔ رسول اللہ نے فرمایا۔ اب حرامی وحلالی کی شناخت علی کی محبت سے ہوگی۔

۱۲۔ علی کی ولادت کے لئے دیوار کعبہ شق ہوئی اور اس سے ان کی والدہ داخل کعبہ ہوئیں۔

۱۳- علی نے کبھی آنِ واحد کے لئے کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔

۱۴- علی عہدِ طفلی سے پرورش رسول میں رہے۔

۱۵- علی کی ماں کو رسول نے اپنی ماں کہا۔ اُمّی بعد اُمّی فرمایا۔

۱۶- علی کی والدہ کو رسول نے اپنی قمیص کا کفن دیا اور خود تلقین کی۔

۱۷- سب سے پہلے رسول کی رسالت پر ایمان لائے۔

۱۸- علی نے تمام مسلمانوں سے سات برس پہلے رسول کے پیچھے نماز پڑھی

۱۹- دعوت ذوالعشیرہ کا اہتمام علی نے کیا۔

۲۰- دعوت ذوالعشیرہ میں سب سے پہلے آنحضرتؐ نے خلافت و وزارت و علی کا اعلان کیا۔

۲۱- شب ہجرت علی فرش رسول پر سوئے۔

۲۲- شب ہجرت فرشتوں نے علی کی حفاظت کی۔

۲۳- شب ہجرت علی نے اپنے نفس کو مرضی الٰہی خریدنے کے لئے بیچا۔

۲۴- علی کا نفس خدا کا نفس قرار پایا۔

۲۵- نبی نے وقت ہجرت لوگوں کی امانتوں کا امین علیؑ کو بنایا۔

۲۶- علی نے رسول کا قائم مقام ہو کر لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کیں۔

۲۷- جنگ بدر میں جو ستر مشرک قتل ہوئے تھے ان میں ۳۵ علی نے قتل کیے

۲۸- علی کے گھر کو رسول اللہ نے اپنا گھر کہا۔

۲۹- علی رسول اللہ کے داماد تھے۔

۳۰- علی کو فاطمہ جیسی بی بی ملی۔

۳۱- علی کی اولاد رسول کی اولاد کہلائی۔

۳۲- علی کا نفس رسول کا نفس تھا۔

۳۳- علی کا خون رسول کا خون تھا۔ علی کا گوشت پوست رسول کا گوشت پوست تھا

۳۴- علی کی جنگ رسول کی جنگ تھی علی کی صلح رسول کی صلح تھی

۳۵- علی رسول کی دس سالہ تبلیغ کے عینی گواہ تھے

۳۶- رسول نے قرآن کے ساتھ علی کو کیا۔

۳۷- علی اہلبیت رسول تھے۔

۳۸- علی مصداق آیت تطہیر تھے۔

۳۹- علی کے ساتھ ہونے کا خدا نے حکم دیا۔

۴۰- علی کی محبت خدا نے واجب کی۔

۴۱- علی پر صدقہ حرام تھا۔

۴۲- رسول کے ساتھ علی پر درود واجب۔

۴۳- علی کی اطاعت رسول کی طرح سب پر واجب ہے

۴۴- علی خدا کے ولی اور تمام مسلمانوں پر حاکم تھے۔

۴۵- علی نے بحالت رکوع انگوٹھی سائل کو دے کر اپنی ولایت کا خدا سے اعلان

۴۶- علی کے لئے آسمان سے تلوار اتری۔

۴۷- علی نے لافتیٰ الا علی کی سند حاصل کی۔

۴۸- علی اشجع العرب تھے۔

۴۹- علی نے کبھی کسی جنگ سے فرار نہیں کیا۔

۵۰- علی میدان جنگ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح قدم جما کر لڑتے

۵۱- علی سے زیادہ کسی نے کفار و مشرکین کو قتل نہیں کیا۔

۵۲- علی خدا اور رسول کو اور خدا رسول علی کو دوست رکھتے تھے۔

۵۳- علی کرار غیر فرار تھے۔

۵۴- علی کل ایمان تھے۔

۵۵- علی کی ایک ضربت عبادت ثقلین سے بہتر تھی۔

۵۶- علی کی منزلت رسول کے نزدیک وہی تھی جو ہارون کی منزلت موسیٰ کے نزدیک تھی۔

۵۷- علی شریک کار رسالت تھے۔

۵۸- علی کو رسولؐ نے اس طرح تعلیم دی جیسے طایر اپنے بچہ کو بھراتا ہے۔

۵۹- علی مدینہ علم کے دروازے تھے۔

۶۰- حکمت کے گھر کے دروازے تھے۔

۶۱- علی رسول کا قرضہ ادا کرنے والے تھے۔

۶۲- علی تبرکات رسول کے وارث تھے۔

۶۳- علی وارث کتاب اللہ تھے۔

۶۴- کل قرآن کا علم علی کے سینہ میں تھا۔

۶۵- علی کے ہر عمل کی قرآن نے تعریف کی۔

۶۶- علی کی اولاد میں گیارہ معصوم ہوئے۔

۶۷- علی کتاب و حکمت کے مالک تھے۔

۶۸- فصل قضایا میں علی سے بہتر کوئی نہ تھا۔

۶۹- علی سب سے زیادہ عبادت گزار تھے۔

۷۰- علی اپنے نفس پر دوسروں کے نفس کو ترجیح دیتے تھے۔

۷۱- علی نے محتاجوں کی خاطر اپنے پیٹ پر پتھر باندھا۔

۷۲- علی نے سب سے زیادہ سخاوت کی۔

۷۳- علی نے مال دنیا میں کوئی چیز اپنے گھر میں نہیں رکھی۔

۷۴- علی کی نظر میں دنیا بکری کی چھینک سے بھی زیادہ حقیر تھی۔

۷۵- علی نے دنیا کو تین طلاقیں دی تھیں۔

۷۶- علی نے بیت المال سے اپنے لئے ایک کوڑی کبھی نہیں لی۔

۷۷- علی نے ہمیشہ پیوند دار لباس پہنا اور دوسروں کو نئے لباس پہنائے۔

۷۸- علی کو رسول نے قسیم النار والجنہ کہا۔

۷۹- رسول کی مسجد میں بحالت جنابت رسول و علی کے سوا کوئی نہیں جا سکتا تھا۔

۸۰- علی کے دروازہ کے سوا مسجد کے صحن کی طرف جتنے دروازے کھلے تھے بحکم خدا سب بند کرا دیئے گئے۔

۸۱- سورۃ برآت کی تبلیغ علی سے مخصوص ہوئی۔

۸۲- تبلیغ میں علی مثلِ رسول تھے۔

۸۳- علی لسان صدق تھے۔

۸۴- مواخات کے وقت رسول نے علی کو اپنا بھائی بنایا۔

۸۵- سورہ دہر پورا علی اور ان کی اولاد کی شان میں آیا۔

۸۶- علی نے روز فتح مکہ دوشِ رسول پر چڑھ کر کعبہ کو بتوں سے پاک کیا۔

۸۷- علی اور رسول ایک ہی درخت سے تھے۔

۸۸- علی کی شان میں سب سے زیادہ آیتیں نازل ہوئیں۔

۸۹- آیت نجویٰ پر علی کے سوا کسی نے عمل نہ کیا۔

۹۰- آیات بینات علی کے سینہ میں تھیں۔

۹۱- علی صراط مستقیم ہیں۔

۹۲- علی میزان الاعمال ہیں۔

۹۳- فضائل چہار گانہ حکمت، عفت، عدالت، شجاعت کی سند علی نے

خدا ور رسول سے حاصل کی۔

۹۴- علی نے کسی کو اپنی ذاتی غرض کی وجہ سے قتل نہیں کیا۔

۹۵- علی منصوص من اللہ امام تھے۔

۹۶- اسم اعظم میں نو حصے علی کے پاس تھے اور ایک حصہ آصف برخیا کے پاس تھا

۹۷- علی کے علم کے مقابل تمام صحابہ کا علم ایسا تھا جیسے سات سمندر کے مقابل ایک قطرہ۔

۹۸- علی سب سے زیادہ صبر کرنے والے تھے۔

۹۹- علی نے ہمیشہ جو کی روٹی کھائی گندم کی طرف توجہ نہ کی۔

۱۰۰- علی نے راہ اسلام میں سب سے زیادہ قربانی دی۔

۱۰۱- علی کی اولاد نے حفاظت اسلام میں جان و مال کسی چیز سے دریغ نہ کی۔

۱۰۲- علی کی اولاد نبی کی اولاد قرار پائی۔

۱۰۳- علی نے طفلی میں کلہ اژدر کو چیرا۔

۱۰۴- علی نے عرب کے نامور بہادروں اور سرکشوں کو زیر کیا۔

۱۰۵- ہر غزوہ میں علی لشکر اسلام کے علمبردار رہے۔

۱۰۶- اللہ کے نزدیک علی احب خلق تھے جیسا کہ حدیث طیر سے ظاہر تھے۔

۱۰۷- علی مشکل کشائے خلق ہیں۔

۱۰۸- علی کا نام باعث قوت روح و دل ہے۔

۱۰۹- علی رسول کے قوت و بازو تھے۔

۱۱۰- علی کی اکثر غذا جو کی سوکھی روٹی کے ٹکڑے نمک کے پانی میں چور ہوتے تھے

۱۱۱- علی صاحب معجزات کثیرہ ہیں۔

۱۱۲- علی اہل تصوف کا مرجع اور مرکز اوّل ہیں۔

۱۱۳- علی نے بادشاہ بن کر بھی فقیری کو نہیں چھوڑا۔

۱۱۴- علی نے اپنے دشمنوں کی بھی مدد کی اور صحیح مشورہ دینے سے کبھی نہ رکے

۱۱۵- علی کافروں پر سب سے زیادہ سخت تھے اور مومنوں کے مقابل سب سے زیادہ نرمی کا برتاؤ کرنے والے۔

۱۱۶- علی کے بغض سے منافق پہچانے جاتے تھے۔

۱۱۷- علی کی محبت عبادت ہے۔

۱۱۸- علی کے چہرہ پر نظر کرنا عبادت تھا۔

۱۱۹- علی کے بچوں کے لئے جنت سے لباس عید آیا۔

۱۲۰- علی کی بی بی کے لئے جنت سے کھانا آیا۔

۱۲۱- علی ایسی زرہ پہنتے تھے جس میں پشت کی طرف کا حصہ نہ ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ نے کبھی دشمن کی طرف پیٹھ پھیری ہی نہیں۔

۱۲۲- رسول کی طرح آپ بھی پس پشت سے اس طرح دیکھتے تھے جیسے آگے سے

۱۲۳- علی جبرئیل کے استاد تھے۔

۱۲۴- علی نے سب سے زیادہ رسول کی حفاظت کی۔

۱۲۵- تزکیہ نفس علی سے زیادہ کسی کو حاصل نہ ہوا۔

۱۲۶- علی کا علم وہبی تھا۔ رسول کے سوا علی نے کبھی کسی سے ایک حرف نہ سیکھا

۱۲۷- علی کی امامت منصوصہ تھی۔

۱۲۸- علی نے رسول کی تجہیز و تکفین کی جب کہ امت کے لوگ خلافت کے معاملہ میں الجھے ہوئے تھے۔

۱۲۹- علی کی خلافت کے متعلق رسول مرتے وقت وصیت لکھنا چاہتے تھے۔

۱۳۰- قرآن کے بعد علی کے ان خطبات کا مرتبہ ہے جو فصاحت و بلاغت میں

میں اپنا نظیر نہیں رکھتے اور ایک ایک جملہ ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

۱۳۱۔ علی کو خدا نے روحانیت کا ملک عظیم عطا کیا۔

۱۳۲۔ علی کی ولایت کا اقرار جزو ایمان قرار پایا۔

۱۳۳۔ صلوات میں آل رسول کو شامل نہ کرنا دم بریدہ صلوات قرار پایا۔

۱۳۴۔ علی کی محبت کے بغیر کوئی عبادت قبول نہ ہوگی۔

۱۳۵۔ رسول کے اکیلے داماد علی تھے۔

۱۳۶۔ علی کی بی بی نساء عالمین و نساء اہل جنت کی سردار ہیں۔

۱۳۷۔ علی کے دونو لڑکے حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔

۱۳۸۔ علی مفسر قرآن ہیں۔

۱۳۹۔ علی راسخون فی العلم ہیں۔

۱۴۰۔ علی اہل ذکر ہیں۔

۱۴۱۔ علی خطیب منبر سلونی ہیں۔

۱۴۲۔ تمام انبیاء کی صفات مخصوصہ علی میں پائی جاتی ہیں۔

۱۴۳۔ علی مستجاب الدعوات تھے۔

۱۴۴۔ علی نے کسی مسئلہ میں یہ نہیں کہا کہ میں نہیں جانتا۔

۱۴۵۔ علی کے اعمال کو مقابل میں رکھ کر لوگوں کے اعمال جانچے جائیں گے۔

۱۴۶۔ علی نے میدان جنگ میں بھی اصول اسلام کی ذراسی بھی خلاف ورزی نہیں کی

۱۴۷۔ علی کی سلطنت حکومت الہیہ اور ریاست نبویہ تھی۔

۱۴۸۔ علی دینی سیاست کے سب سے بہتر جاننے والے تھے۔

۱۴۹۔ علی نے کسی قوم پر جنگ کی ابتدا اپنی طرف سے نہیں کی۔

۱۵۰۔ علی نے منافقوں سے زبان اور تلوار دونوں سے جہاد کیا۔

۱۵۱۔ علی کے دل میں کبھی آنحضرت کی نبوت میں ہلکا سا شک بھی پیدا نہیں ہوا۔

۱۵۲۔ علی نے ظالموں کی سرکوبی میں کبھی غفلت نہیں برتی۔

۱۵۳۔ علی پر کبھی شیطان کا غلبہ نہیں ہوا۔

۱۵۴۔ علی و نبی دونو کا گھر جنت میں ایک ہی ہوگا۔

۱۵۵۔ علی ساقی تسنیم و کوثر ہیں۔

۱۵۶۔ روز قیامت منبر نور پر رسول کے ساتھ علی بھی بیٹھے ہوں گے۔

۱۵۷۔ شب معراج خدا نے علی کے لہجہ میں رسول سے بات چیت کی۔

۱۵۸۔ علی کاتب وحی تھے۔

۱۵۹۔ رسول پر جو وحی ہوتی تھی۔ سب سے پہلے رسول حضرت علی سے بیان کرتے تھے۔

۱۶۰۔ قرآن کو موافق تنزیل جمع کرنے والے علی تھے۔

۱۶۱۔ علی نے تمام عمر خدمت اسلام کی۔

۱۶۲۔ علی خدا کے گھر میں پیدا ہوئے اور خدا ہی کے گھر میں شہادت پائی۔

۱۶۳۔ علی نے راہ خدا میں شہید ہونے کو اپنے لئے کامیابی قرار دیا اور فرمایا فزت برب الکعبہ (رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا)

۱۶۴۔ علی نے ہمیشہ حق بجانب فیصلہ کیا۔

۱۶۵۔ اہل کسا میں علی کا شمول ہے۔

۱۶۶۔ علی کو روز مباہلہ نفس رسول لے کر نکلے۔

۱۶۷۔ علی سے ملائکہ کلام کرتے تھے۔

۱۶۸۔ علی نے یہودیوں، نصرانیوں اور زندیقوں سے مناظرے کر کے ان کو لاجواب کیا۔

۱۶۹- حج آخر میں رسول نے اپنی قربانی میں علی کو شامل کیا۔

۱۷۰- علی اسد اللہ الغالب تھے۔

۱۷۱- علی ید اللہ تھے۔

۱۷۲- علی لسان اللہ تھے۔

۱۷۳- علی عین اللہ تھے۔

۱۷۴- علی وجہ اللہ تھے۔

۱۷۵- علی جنب اللہ تھے۔

۱۷۶- علی نفس اللہ تھے۔

۱۷۷- علی ولی اللہ تھے۔

۱۷۸- علی مجد اللہ تھے۔

۱۷۹- علی موضع سر اللہ تھے۔

۱۸۰- علی عیبۃ علم اللہ تھے۔

۱۸۱- کہف کتب اللہ تھے۔

۱۸۲- حافظ حدود اللہ تھے۔

۱۸۳- امام الاولین والآخرین تھے۔

۱۸۴- قائد الغر المحجلین تھے۔

۱۸۵- کہف الوریٰ تھے۔

۱۸۶- کنز الہدیٰ تھے۔

۱۸۷- صاحب اللوا تھے۔

۱۸۸- تاریکیوں میں نور تھے۔

۱۸۹- لقائے الٰہی کے شوق میں موت کے اتنے مشتاق تھے جتنا ایک بچہ

maablib.org

اپنی ماں کی پستان کا۔

۱۹۰- صدیق اکبر اور فاروق اعظم تھے۔

۱۹۱- علی جن وانس کے امام ہیں۔

۱۹۲- علی حسن وحسین جیسے نبی زادوں کے باپ ہیں۔

۱۹۳- ہدایت کا مرکز ہیں۔

۱۹۴- علی میں خدا نے ہر شے کا احصا کر دیا ہے۔

۱۹۵- علی امام مبین ہیں۔

۱۹۶- علی اہل زمین کے لئے اسی طرح امان ہیں جیسے ستارے آسمان والوں کے لئے

۱۹۷- علی عالم علم منایا و بلایا ہیں۔

۱۹۸- علی فاتح خندق و خیبر ہیں۔

۱۹۹- علی کی محبت گناہوں کو اس طرح کھاتی ہے جیسے سوکھی لکڑی کو آگ۔

۲۰۰- علی کی محبت نار دوزخ کی ہے۔

علی علیہ السلام کے فضائل لاتعداد لاتحصی ہیں کس کی طاقت ہے کہ ان کو شمار کرسکے ہم نے حصول خیر و برکت کے لئے قلم برداشتہ یہ چند خصوصیات لکھ دی ہیں۔

علی کے دشمن لاکھ ان کے فضائل مٹانا چاہیں ان کی خصوصیات کو دبانے کی کوشش کریں مگر سمندر پر خاک ڈالنے سے اس کے تموج کو کون روک سکتا ہے۔

ابن ابی الحدید نے سچ کہا ہے کہ علی کے فضائل کو سب ہی نے چھپانا چاہا۔ دوستوں نے اس لئے کہ قتل و غارت سے محفوظ رہیں۔ دشمنوں نے اس لئے کہ ان کو علی کے فضائل سے نفرت تھی۔ رسول نے اس لئے چھپایا کہ لوگ ان کے بارے میں وہ نہ کہنے لگیں جو نصاریٰ عیسےٰ کے بارے میں کہتے ہیں۔ خدا نے اس لئے در پردہ کہا کہ لوگ فتنہ و فساد پر آمادہ نہ ہو جائیں مگر باوجود اس قدر چھپانے

کے اب بھی علی کے فضائل اتنے ہیں کہ ضخیم ضخیم کتابیں ان سے چھلک رہی ہیں اور ہر زمانہ والے ان کو لکھتے ہی چلے آرہے ہیں۔ یہ خدا کا فضل ہے اسے کون روکے۔

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

حصّہ چہارم

اقتباس :

خطباتِ امیر المومنینؑ

از

نہج البلاغہ

maablib.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس حصہ میں امیر المومنین علیہ السلام کے خطبات سے بعض حصے اخذ کر کے لکھے جاتے ہیں، پورے خطبات نہج البلاغہ میں جس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ شائقین ملاحظہ فرمالیں۔

حمد باری تعالیٰ

الحمد للہ الذی لا یبلغ مدحتہ القائلون

(حمد ہے اس خدا کے لئے جس کی تعریف کو بیان کرنے والے نہیں پہنچ سکتے)

اللہ کی کیا تعریف کریں گے کرنے والے جب کہ اس کی قدرت کے ان گنت کرشمے انسان پوری طرح سمجھ ہی نہیں سکتا۔ ایک درخت کے پتہ میں اس کی صنعت کے ہزار نمونے ہیں۔ آغاز آفرینش سے آج تک عقل انسانی اس طلسم خانہ عجائبات میں پھنسی ہوئی ہے ہر پتہ کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی ہے مگر اس کی سمجھ اب تک اس کی رگوں کا تناسب اور اس کے رنگوں کی گوناگونی ہی اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔ ایسی صورت میں کیوں کر تعریف ممکن ہے

۲۔ ولا یحصی نعماءہ العادون (اس کی نعمتوں کو شمار کرنے والے شمار ہی نہیں کر سکتے) شمار تو جب کریں کہ اس کی نعمتوں کی حقیقت سمجھ میں آئے ایک نعمت میں ہزار نعمتیں شامل ہیں۔ سب باتوں کو چھوڑئیے قدرت نے سینکڑوں قسم کے پھل پیدا کئے ہیں۔ ہر پھل بجائے خود اس کی کثیر نعمتوں کا مجموعہ ہے سب کی ساخت رنگ جدا جدا، وزن جدا، اوپر کا چھلکا جدا، اندر کا گودا

اس کا بیج جدا۔ ان میں ہر شے کی تاثیر جدا۔ ہر چیز ایک مرض کی دوا ہے۔ صحت انسانی کا مکمل نسخہ ہے۔ علم نباتات کے ماہر ہزاروں پیدا ہوئے اور مر گئے اطبا نے سالہا سال اس سمندر میں غوطے لگائے مگر چند موتیوں کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آیا۔ گہری باتوں کو چھوڑیے۔ آئیے ذرا پھلوں کے ذائقہ پر قوت ناطقہ کو گدگدائیں دیکھے وہ کیا کہتی ہے۔

آم کھایا زبان نے چکھ کر بتایا میٹھا ہے۔ انگور کھایا زبان نے کہا میٹھا ہے سنترہ کھایا زبان نے کہا میٹھا ہے۔ گنا کھایا زبان نے کہا میٹھا ہے۔ گڑ کھایا زبان نے کہا میٹھا ہے۔ شکر میٹھی ہے۔ جامن میٹھی ہے۔ بھلا غور تو کرو یہ زبان کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہے۔ سوائے میٹھے کے اس کے پاس کوئی دوسرا لفظ ہی نہیں۔ کیا ان مٹھائیوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور بہت بڑا فرق ہے۔ پھر دماغ انسانی ان کے درمیان امتیازی خط کیوں نہیں کھینچتا۔ کیا بڑے سے بڑا زبان دان، ادیب کامل ایسا کر سکتا ہے۔ کیا یہ بتا سکتا ہے کہ گنے اور شکر کی مٹھائی میں کیا فرق ہے زبان فرق کو محسوس تو کرتی ہے مگر بتا نہیں سکتی۔ پس جب نعمات الہٰی کی یہ شان ہو تو کس کی طاقت ہے کہ انہیں شمار کر سکے۔

۳۔ لا یودی حقہ ..... جہدون کوشش کرنے والے اس کے حق تک پہنچ ہی نہیں سکتے تو کیا طاقت ہے انسان کی کہ اس کا حق ادا کر سکے۔ غالب نے خوب کہا ہے

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی ۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اللہ تعالیٰ نے اپنی بیشمار نعمتیں بغیر کسی حق کے انسان کے قدموں پر لا ڈالی ہیں بلکہ یوں کہوں اٹھارہ ہزار عالم اس کی زندگی کی بقا کے لئے اس کے چاروں طرف گھوم رہا ہے اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا کہ اس کی کونسی مخلوق اس کے لئے کیا کیا کر رہی ہے۔ جب نعمت سمجھ میں نہیں آتی تو شکر یہ کیا خاک ادا کرے گا

چھوڑو سب باتوں کو ایک سانس ہی پر نظر کر لو ایک آرہا ہے ایک جا رہا ہے آنے
والا بھی نعمت جانے والا بھی نعمت اگر آنے والا دم پھر نہ آئے ذرا سا رکا تو موت
انسان اگر صرف اپنے سانس کا شکریہ ادا کرنا چاہے تو ساری زندگی ختم ہو جائیگی
اور عہدہ برآنہ ہوگا۔ مثلاً ایک سانس اندر آیا اس نے کہا الحمد للہ دوسرا سانس باہر نکلا
اس نے کہا شکر للہ۔ لیجیے ساری عمر ختم۔ فرمائیے اور چیزوں کے شکریہ کے لئے
کہاں سے وقت ملے گا۔ الغرض کوشش کرنے والے کتنی ہی کوشش کریں۔ اس کے
حق کا ایک شمہ بھی ادا نہ ہوگا۔

کچھ سمجھا آپ نے تین جملوں میں امیر المومنین نے کیا کمال دکھایا ہے تمام دنیا کے
ذکر کو کس طرح سمیٹ کر کس طرح صرف چند لفظوں میں بند کر دیا ہے ایسے بیان طاقت بشری
سے خارج ہیں۔

۴- الذی لایدرکہ بعد الھمم ولا ینالہ غوص الفطن
وہ وہ ہے کہ انسانی ہمتیں چاہے کتنی ہی بلندی تک کیوں نہ پہنچ جائیں آدمی عقل کا
پتلا ہی کیوں نہ بن جائے خدا کا ادراک کر ہی نہیں سکتا۔ وہ ذات پاک ادراک کے احاطہ
میں سمانے والی ہی نہیں اس تک رسائی ہو کیسے۔

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم　　　وز ہرچہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم
دفتر تمام گشت و بپایان رسید عمر　　　ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

جو ذات حواس سے محسوس نہ ہو۔ عقل کیا گمان و وہم بھی نہ آئے بتائیے اس کا
ادراک ہو تو کیوں کر عقل تحقیق کے سمندر میں کتنے ہی گہرے غوطے لگائے یہ ذات
اس کے ادراک سے باہر ہی رہے گی۔ دیکھ رہے ہیں آپ خدا کی حمد کس شان سے
ہو رہی ہے اور اس کی معرفت کیسے بے نظیر الفاظ میں کرائی جا رہی ہے۔

۵- الذی لیس لصفتہ حد محدود　وہ ایسی پاک ذات ہے کہ اس کی

صفت کے لئے کوئی معین حد نہیں) مثلاً آپ کہیں وہ رازق ہے لیکن کوئی عقل نہیں بتا سکتی کہ کس کس شان سے وہ رازق ہے۔ کہاں کہاں رزق پہنچاتا ہے۔ کس مقدار میں پہنچاتا ہے۔ کس مخلوق کو کیا رزق دیتا ہے پس اس صورت میں ہم اس کی رازقیت کی کیا تعریف کر سکتے ہیں اور اس کی آخری حد کیا بتا سکتے ہیں۔

۶۔ ولا نعتٌ موجود: (اس کی تعریف کے لئے الفاظ ہی نہیں) رسول نے فرمایا ہے۔ لا اُحصی ثناءً علیک الّا کما اثنیتَ علی نفسکَ میں تیری تعریف کا احصا ہی نہیں کر سکتا مگر جتنی تو نے خود کی ہے) حقیقت یہ ہے کہ اس کی تعریف کرنے کے لئے ہمیں الفاظ ڈھونڈے نہیں ملتے نہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بس یہی اس کی تعریف ہے)

۷۔ لا وقت معدود:۔ (اس کے لئے کوئی وقت ہی نہیں) یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ کب سے ہے وہ مکان و زمان کی قید سے بالکل آزاد ہے یہ چیزیں تو مخلوق کے لئے ہیں خالق کے لئے نہیں)

یہاں تک امیر المومنین نے اپنے انداز خاص میں خدا کی تعریف کی ہے اسی خطبہ میں آگے چل کر اس کی معرفت یوں کراتے ہیں۔

۱۔ اول الدین معرفتہ (دین میں پہلی چیز اس کی معرفت ہے اگر معرفت صحیح نہیں تو کتنی ہی عبادت کیے جاؤ سب بیکار جس کی عبادت بندہ کرتا ہے جب اس کو پہچانا ہی نہیں تو وہ عبادت کرتا کس کی ہے۔

۲۔ و کمال معرفتہ التصدیق بہ (معرفت کی اعلیٰ منزل یہ ہے کہ اس کے وجود کی تصدیق کرو کہ ایک ذات واجب الوجود ہے جو تمام کائنات کی خالق ہے۔

۳۔ و کمالُ التصدیق بہ توحیدہ (اور تصدیق کا کمال اس میں ہے کہ اُسے ایک مانو) یعنی صرف اس کے وجود کا اقرار کافی نہیں یعنی اگر کسی کو اس کا شریک بنا

کہ اس کے وجود کی تصدیق کی تو ایسی تصدیق بیکار۔ بت پرست بھی اس کے وجود کا اقرار تو کرتے ہیں مگر بتوں کو اس کا شریک بھی مانتے ہیں تو ایسی تصدیق کس کام کی ہاں یہ تصدیق قابل قبول اسی وقت ہوگی جب اس کو وحدہٗ لاشریک لہٗ مانا جائے۔

۴۔ وکمال توحیدہ الاخلاص لہٗ (اور سچی توحید تو یہ ہے کہ اس کے سوا دوسرے کا خیال ہی دل میں نہ آئے) یعنی اسے ایک تو مانا لیکن اس کے ساتھ زائکھر اخلوص ہوا تو یہ توحید باعث نجات نہ ہوگی) غالب نے کہا ہے :-

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہوگئیں

اگر خدا کے ساتھ دل میں ہوائے نفس کے بھوت بھی کود پھاند کرتے رہے تو پھر توحید کہاں۔ اللہ سے بھی لو لگی ہے اور بندوں کی صفتیں بھی اس میں سمجھی جا رہی ہیں تو پھر توحید کا نام نہ لو۔

۵۔ وکمال الاخلاص لہٗ نفی الصفات عنہ۔ سچا اخلاص تو یہ ہے کہ مخلوق کی صفات میں سے کسی صفت سے اس کو موصوف نہ کرو ورنہ وہ خدا کہاں رہے گا مخلوق بن جائے گا۔

۶۔ لِشَہَادَۃِ کُلِّ صِفَۃٍ اَنَّہَا غَیْرُ الْمَوْصُوْفِ (یعنی ہر صفت اس پر گواہ ہے کہ اپنے موصوف کا غیر ہے) مطلب یہ ہے کہ اگر مخلوق کی صفات سے اسے متصف کرو گے تو اس کی ذات وصفات دو جدا گانہ چیزیں ہو جائیں گی اور اس کی صفتیں عین ذات نہ رہیں گی بلکہ مخلوق کی طرح زائد بر ذات ہو جائیں گی۔ مثلاً ہم اس کو عالم بالذات ماننے کی بجائے ایسا عالم ماننے لگیں جیسے ہم ہیں تو ہم میں علم بعد میں آیا ہے ہماری ذات پہلے تھی۔ ہم علم کے محتاج تھے اگر خدا کو ایسا ہی عالم مان لیں تو وہ بھی بعد میں عالم ماننا پڑے گا اور محتاج علم قرار پائے گا اور محتاج خدا نہیں ہو سکتا۔ پس ہمارے اندر جتنی صفتیں حادث شان سے ہیں۔ خدا کو اس سے بری سمجھیں اور

اپنی تمام صفات کی اس سے نفی کریں۔

۷۔ وشھادۃ کلّ موصوف انہ غیر الصفۃ (اور ہر موصوف اس کا گواہ ہے کہ وہ صفت کا غیر ہے۔) خدا کے لئے ایسا نہیں ہر صفت اس کی ذات ہے ذات وصفت الگ الگ دو چیزیں نہیں۔

آگے چل کر حضرت اس کی مزید توضیح فرماتے ہیں۔

۸۔ من وصف اللہ سبحانہ فقد قرنہ (جس نے اللہ کی توصیف زائد بر ذات صفات سے کی تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ایک اس کا ساتھی بنا لیا یعنی ایک اس کی ذات جو موصوف ہے دوسرے اس کی صفت جو ذات سے الگ ہے اور بعد میں اس سے ملی۔

۹۔ ومن قرنہ فقد ثناہ (اور جس نے اس کا ساتھی مان لیا اس نے دو خدا مان لئے ایک موصوف دوسرے صفت۔

۱۰۔ ومن ثناہ فقد جزاہ (اس نے خدا کے جزء بنا دیئے یعنی اسے مرکب مان لیا۔ ایک ذات دوسرے صفت۔

۱۱۔ ومن جزاہ فقد جھلہ (جس نے جزء مانے وہ اس کی معرفت سے جاہل رہ گیا۔

۱۲۔ ومن جھلہ فقد اشار الیہ (اور جب جاہل رہا تو اس کی طرف اشارہ کرنے لگا) یعنی یوں کہنے لگا۔ ایک تو یہ اللہ ہے دوسرے یہ اس کی صفت ہے

۱۳۔ ومن اشار الیہ فقد حدّہ (اور جس نے اس کی طرف اشارہ کر دیا تو اس کی حد بنا دی۔ یعنی یہاں تک اللہ ہے اور یہاں تک اس کی صفت ہے۔

۱۴۔ ومن حدّہ فقد عدّہ (جس نے حد بندی کر دی اس نے شمار کر لیا) یعنی اس نے کہا ایک موصوف دوسرے صفت اس صورت میں جب کہ دو ذاتیں الگ

ہوگئیں تو وحدت کہاں رہی۔

۱۵۔ ومن قال فیم فقد ضمنہ (جس نے کہا وہ فلاں چیز کے اندر ہے تو اسے کسی چیز میں شامل کر لیا) یعنی اس کے لئے مکان تجویز کر لیا جیسے بت پرست کہتے ہیں خدا بتوں کے اندر سمایا ہوا ہے۔

۱۶۔ ومن قال علام فقد اخلیٰ منہ (اور جس نے کہا فلاں شے کے اوپر ہے تو اس نے دوسری جگہ کو اس سے خالی کر دیا) یعنی جب ایک جگہ اس نے معین کر دی تو پھر وہ دوسری جگہ میں نہ پایا جائے گا یہ تو مخلوق کی صفت ہوئی۔

۱۷۔ موجودٌ لاعن عدمٍ (وہ ہے مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا)

۱۸۔ مع کلِّ شیءٍ لا بمقارنۃ (ہر شے کے ساتھ ہے مگر مخلوق کی طرح کسی سے ملا جلا نہیں) یعنی اپنی قدرت سے ہر جگہ موجود ہے۔

۱۹۔ غیرُ کلِّ شیءٍ لا بمزایلۃ (ہر شے کا غیر ہے لیکن اس سے بالکل الگ بھی نہیں۔

۲۰۔ فاعلٌ لا بمعنی الحرکات والآلۃ (کام کرنے والا ہے لیکن نہ اسے حرکت کی ضرورت نہ کسی آلے کی) اپنی قدرت سے ہر چیز کو پیدا کرتا ہے نہ اسے آلہ کی ضرورت ہے نہ اٹھنے بیٹھنے اور ہاتھ پیر ہلانے کی۔

۲۱۔ بصیرٌ اذ لا منظورَ الیہ من خلقہ (وہ اپنی مخلوق کا قبل وجود نگران تھا)

۲۲۔ متوحدٌ اذ لا سکنَ یستانس بہ (وہ اکیلا ہے کسی سے انس پیدا کرنے کی اسے ضرورت نہیں)

۲۳ ولا یستوحشُ بفقدہٖ (کسی چیز کے نہ ہونے سے اسے وحشت نہیں ہوتی)

ہم نے حضرت کے پورے خطبہ کی توضیح کر دی ہے اور اہل انصاف بتائیں۔

اصحاب ہوں یا تابعین۔ امام ہوں یا علماء کسی نے اس طرح معرفت خدا کرائی ہے۔ ناقص معرفت والا اس طرح بیان کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ہے امیرالمومنین کی وہ گراں قدر خدمت اسلام جس کی نظیر نہیں ملتی۔ لوگوں نے موتیوں کے برابر سنگریزے رکھ کر ان خدمات کو جھٹلانے کی کوشش کی مگر چاند پر خاک ڈالنے سے چاند اٹھتا نہیں۔

آپ اس خطبہ کے ایک ایک جملہ پر غور کریں۔ مذاہب عالم کے جن عقیدوں سے دنیا میں گمراہیاں پھیلی ہیں ان سب کی تردید اس خطبہ میں موجود ہے خواہ وہ زندیق ہوں یا بت پرست دو خدا ماننے والے ہوں یا تین مشبہ ہوں یا مجسمہ۔

۲۔ تعریف رسولؐ

مَضَتِ الدُّهُورُ وَسَلَفَتِ الْآبَاءُ اِلٰی اَنْ بَعَثَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ مُحَمَّدًا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ لِاِنْجَازِ عِدَتِهٖ وَتَمَامِ نُبُوَّتِهٖ مَاْخُوذًا عَلَى النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقُهٗ مَشْهُوْرَةً سِمَاتُهٗ كَرِيْمًا مِيْلَادُهٗ

زمانے گزرتے چلے گئے اور آباواجداد ختم ہو گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ کو بھیجا تاکہ وہ اپنا وعدہ پورا کرے اور اپنی نبوت کو تمام کرے نبیوں سے ان کی نبوت کا عہد لیا۔ ان کی علامات کو مشہور کیا ان کی ولادت باعزت طریقہ سے ہوئی۔

۲۔ وَاَهْلُ الْاَرْضِ يَوْمَئِذٍ مِلَلٌ مُتَفَرِّقَةٌ وَاَهْوَاءٌ مُنْتَشِرَةٌ وَطَوَائِفُ مُتَشَتِّتَةٌ بَيْنَ مُشَبِّهٍ لِلّٰهِ بِخَلْقِهٖ اَوْ مُلْحِدٍ فِي اسْمِهٖ اَوْ مُشِيْرٍ اِلٰى غَيْرِهٖ فَهَدَاهُمْ بِهٖ مِنَ الضَّلَالَةِ وَاَنْقَذَهُمْ بِمَكَانِهٖ مِنَ الْجَهَالَةِ

زمین والے اس وقت متفرق ملتوں میں تقسیم تھے اور ان کی خواہشات گوناگوں تھیں

ان کے متفرق گروہ تھے ان میں وہ بھی تھے جو اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دیتے تھے اور خدا سے انکار کرنے والے بھی تھے اس کے غیر سے اس کو مشابہ کرتے تھے۔ پس اللہ نے اپنے رسول کی وجہ سے ان کو گمراہی سے بچنے کے لئے ہدایت کی اور جہادسے ان کو بچا لیا)

۳- ثُمَّ اخْتَارَ سُبْحَانَهُ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ لِقَاءَهُ وَرَضِيَ لَهُ مَا عِنْدَهُ وَاكْرَمَهُ عَنْ دَارِ الدُّنْيَا وَرَغِبَ بِهِ عَنْ مُقَارَنَةِ الْبَلْوَى فَقَبَضَهُ اِلَيْهِ كَرِيماً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَخَلَّفَ فِيكُمْ مَا خَلَّفَتِ الْاَنْبِيَاءُ فِي اُمَمِهَا اِذْ لَمْ يَتْرُكُوهُمْ هَمَلاً بِغَيْرِ طَرِيقٍ وَاضِحٍ وَلَا عَلَمٍ قَائِمٍ

(پھر اللہ نے ان سے ملاقات کرنا چاہی اور جو کچھ انہوں نے کیا تھا اس پر راضی ہوا اور دار دنیا میں ان کو عزت سے رکھا اور اس پر راضی ہوا کہ وہ دنیا کی سختیوں میں رہیں پس تعظیم کے ساتھ ان کی روح کو قبض کیا گیا اور انہوں نے اپنے بعد وہی چھوڑا جو انبیاء اپنی امتوں میں چھوڑ تے چلے آئے تھے انہیں مہمل نہیں چھوڑا بغیر کسی واضح راستہ کے بتائے یا بغیر کوئی نشان قائم کئے۔

۴- تعریف قرآن

كِتَابَ رَبِّكُمْ فِيكُمْ مُبَيِّناً حَلَالَهُ وَحَرَامَهُ وَفَرَائِضَهُ وَفَضَائِلَهُ وَنَاسِخَهُ وَمَنْسُوخَهُ وَرُخَصَهُ وَعَزَائِمَهُ وَخَاصَّهُ وَعَامَّهُ وَعِبَرَهُ وَامْثَالَهُ وَمُرْسَلَهُ وَمَحْدُودَهُ وَمُحْكَمَهُ وَمُتَشَابِهَهُ مُفَسِّراً مُجْمَلَهُ وَمُبَيِّناً غَوَامِضَهُ

(اللہ کی یہ کتاب کھول کر بیان کرنے والی ہے اس میں حلال و حرام کا بھی بیان ہے اور فرائض و فضائل کا بھی۔ اس میں کچھ آیتیں ناسخ ہیں کچھ منسوخ۔ کچھ ایسی ہیں جن پر عمل کا اختیار دیا گیا ہے کچھ پر عمل

واجب ہے کچھ خاص لوگوں کے متعلق ہیں کچھ عام لوگوں سے کچھ عبرت کے لئے ہیں کچھ بطور مثال ہیں کچھ مرسل ہیں کچھ محدود ہیں کچھ محکم ہیں کچھ متشابہ ہیں کچھ مفسر ہیں کچھ مجمل ہیں ان میں غوامض واسرار کا بیان بھی ہے۔

۳۔ رسولؐ کے زمانہ میں عرب کی حالت

وَالنَّاسُ فِي فِتَنٍ انْجَذَمَ فِيهَا حَبْلُ الدِّينِ
وَتَزَعْزَعَتْ سَوَارِي الْيَقِينِ وَاخْتَلَفَ
النَّجْرُ وَتَشَتَّتَ الْأَمْرُ وَضَاقَ الْمَخْرَجُ وَ
عَمِيَ الْمَصْدَرُ فَالْهُدَى خَامِلٌ وَالْعَمَى شَامِلٌ
عُصِيَ الرَّحْمٰنُ وَنُصِرَ الشَّيْطَانُ وَخُذِلَ الْإِيمَانُ
فَانْهَارَتْ دَعَائِمُهُ وَتَنَكَّرَتْ مَعَالِمُهُ
وَدَرَسَتْ سُبُلُهُ وَعَفَتْ شُرُكُهُ
أَطَاعُوا الشَّيْطَانَ فَسَلَكُوا مَسَالِكَهُ
وَوَرَدُوا مَنَاهِلَهُ۔

لوگ فتنوں میں پھنسے تھے دین کی رسی ٹوٹ گئی تھی
یقین کے ستون لرز رہے تھے اصلیں مختلف ہو چکی تھیں
اور امر الٰہی میں تفرقہ پڑ گیا تھا نکلنے کی جگہ تنگ تھی
اور آنے کی جگہوں میں اندھیرا تھا ہدایت کے چراغ
خاموش تھے اندھیرا چھایا ہوا تھا خدا کی نافرمانی
کھلے عام ہو رہی تھی شیطان کی مدد کی جا رہی تھی
ایمان ذلیل ہو رہا تھا اور اس کے ستون گر رہے تھے
اس کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس
کے راستے بے نشان بن رہے تھے۔

اس کے دھرے مٹ گئے تھے اور لوگ شیطان کی اطاعت کرتے تھے اس کے بتائے
راستے پہ چلتے تھے اس کے گھاٹ پر اترتے تھے

بِهِمْ سَارَتْ أَعْلَامُهُ
وَقَامَ لِوَاؤُهُ فِي فِتَنٍ دَاسَتْهُمْ
بِأَخْفَافِهَا وَوَطِئَتْهُمْ بِأَظْلَافِهَا
وَقَامَتْ عَلَى سَنَابِكِهَا فَهُمْ

لوگ شیطانی جھنڈے لے کر بڑھے اور فتنوں
میں اس کے جھنڈے کھڑے ہو گئے انہوں نے
اپنے پیروں سے روند ڈالا اور ان کی کوہانوں
پر کھڑے ہو گئے پس وہ حیران و سرگرداں تھے

فيها تابعون جائرون جاهلون
مفتونون في خير دار وشرّ
جيران نومهم سهود وكحلهم
دموع بأرض عالمها ملجم
وجاهلها مكرّم

جاہل تھے فتنوں میں پھنسے ہوئے تھے
بہترین گھر (مکہ) میں بدترین پڑوسی تھے
ان کا جاگنا سونا تھا ان کا سرمہ آنسو تھے
ایسی سرزمین پر جہاں عالم کے منہ میں لگام
تھی اور جاہل عزت والا تھا۔

۴۔ اہل بیت کی مدح

هم موضع سرّه ولجأ أمره وعيبة علمه وموئل حكمه وكهوف كتبه وجبال دينه بهم أقام انحناء ظهره وأذهب ارتعاد فرائصه

اہلبیت رسول سرّ الٰہی کے ٹھہرنے کی جگہ ہیں اس کے علم کی گٹھڑی ہیں اس کی حکمتوں کی پناہ گاہ ہیں اس کی کتابوں کے غار ہیں اس کے دین کے پہاڑ ہیں ان کی وجہ سے دین کی ٹیڑھی کمر سیدھی ہوئی اور اس کے کندھوں کی کپکپی دور ہوئی۔

maablib.org

۵۔ عام لوگوں کا اہل بیت سے کیا مقابلہ

زرعوا الفجور وسقوه الغرور وحصدوا الثبور لا يقاس
بآل محمد صلى الله عليه وآله من هذه الامة احد و
لا يسوى بهم من جرت نعمتهم عليه ابدا
هم اساس الدين وعماد اليقين اليهم يفيء الغالي

وَبِهِمْ يَلْحَقُ التَّالِي وَلَهُمْ خَصَائِصُ حَقِّ الْوِلَايَةِ وَفِيهِمُ الْوَصِيَّةُ وَالْوِرَاثَةُ الْآنَ إِذْ رَجَعَ الْحَقُّ إِلَى أَهْلِهِ وَنُقِلَ إِلَى مُنْتَقَلِهِ۔

(ان لوگوں نے بدکاریوں کا بیج بویا اور غرور کے پانی سے اسے سینچا اور ہلاکت کو کاٹا آل محمد کا قیاس اس امت میں سے کسی پر نہیں کیا جا سکتا اور ان لوگوں میں سے کوئی ان کی برابری نہیں کر سکتا۔ وہ وہ ہیں جن پر اللہ کی نعمتیں ہمیشہ جاری رہیں وہ دین کی بنیاد ہیں وہ یقین کے ستون ہیں۔ انہی کی طرف حد سے تجاوز کرنے والا پلٹتا ہے اور پیچھے رہنے والا ان سے آملتا ہے۔ حق ولایت کی خصوصیات انہی کے لیے ہیں اور انہی میں وصیت اور وراثت ہے اب حق نے اپنے اہل کی طرف رجوع کی ہے (یعنی خلافت اپنے اصلی مقام پر آئی ہے) اور اپنے نقل ہونے کی جگہ منتقل ہوتی ہے)

۳۔ خطبہ شقشقیہ

أَمَا وَاللّٰهِ لَقَدْ تَقَمَّصَهَا فُلَانٌ وَإِنَّهُ لَيَعْلَمُ أَنَّ مَحَلِّي مِنْهَا مَحَلُّ الْقُطْبِ مِنَ الرَّحَى يَنْحَدِرُ عَنِّي السَّيْلُ وَلَا يَرْقَى إِلَيَّ الطَّيْرُ فَسَدَلْتُ دُونَهَا ثَوْبًا وَطَوَيْتُ عَنْهَا كَشْحًا وَطَفِقْتُ أَرْتَئِي بَيْنَ أَنْ أَصُولَ بِيَدٍ جَذَّاءَ أَوْ أَصْبِرَ عَلَى طَخْيَةٍ عَمْيَاءَ يَهْرَمُ فِيهَا الْكَبِيرُ وَيَشِيبُ

خدا کی قسم فلاں نے بہ تکلف قمیص خلافت کو پہنا ہے بیشک وہ جانتا ہے کہ خلافت کے لیے میں ایسا ہی ضروری ہوں جیسے چکی کے لیے کیلی۔ علم کا سیلاب مجھ سے ابلتا ہے اور میرے مرتبہ کی بلندی تک طائر بھی پر پرواز نہیں مار سکتا۔ میں نے معاملہ خلافت سے چشم پوشی کی اور میں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

فیها الصغیر و یکدح
فیها مومن حتی
یلقی ربه۔
فرایت ان الصبر علی
هاتا احجی فصبرت
و فی العین قذی
و فی الحلق شجا اری
تراثی نهبا۔

میں سوچ رہا تھا کیا میں اپنے کٹے
ہاتھ (بے مددگار) سے حملہ کر دوں یا صبر کروں
ضلالت کے اُس گھٹا ٹوپ اندھیرے پر
ایسی سخت ضلالت کہ بوڑھا اس میں کھوسٹ
بن جائے اور بچہ صدمہ سے بوڑھا ہو جائے
اور مومن کتنی ہی کوشش بلیغ کرے مگر اپنے
رب سے ملنے تک اس کو اس مصیبت سے چھٹکارا نہ ملے
پس میں نے دیکھا کہ اس حالت میں صبر ہی قرین
عقل ہے پس میں نے اس حالت میں صبر کیا گویا
میری آنکھ میں کوئی شے پڑ جانے سے کھٹکی تھی اور حلق
میں اچھو لگا ہوا تھا اور یہ دیکھ رہا تھا کہ میری میراث
لٹ رہی ہے۔

اس خطبہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ص کے بعد کیسا پُر آشوب زمانہ تھا کہ اس کی سختیاں بچہ کو بوڑھا اور بوڑھے کو اور زیادہ بوڑھا بنا دینے والی تھیں امیر المومنین ایسی صورت میں سوائے صبر کیا کر سکتے تھے کیونکہ ناصر و مددگار نہ ہونے کی وجہ سے جنگ کرنا ناممکن تھا۔ آپ نے صبر کیا مگر سخت کرب و بے چینی میں۔ آپ کی میراث کا لٹنا یعنی فدک سے محروم اور خلافت سے علیحدہ کیا جانا معمولی صدمے نہ تھے دوسرا ہوتا تو نہ معلوم کیا کر گزرتا مگر سچ یہ ہے کہ ان کے صبر ان ہی کے ساتھ تھے۔

۷۔ رسول ؐ کے مرنے بعد لوگوں کی حالت

لعمر الله بخبط و شماس و تلون و اعتراض فصبرت علی

طولِ المدۃ وشدۃ المحنۃ۔ خدا کی قسم لوگ گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے راستے بدل گئے اور لوگ بھٹک گئے میں نے مدت دراز تک سخت تکلیف کے ساتھ صبر و ضبط سے کام لیا، یعنی ایک مدت دراز کے بعد مجھے خلافت ملی اور اس عرصہ میں جو ذہنی اور نفسیاتی تکالیف مجھے پہنچیں میں نے ان پر صبر کیا۔

۸- عہد ثالث میں بنی امیہ کی حالت

وقام معہ بنو امیۃ یخضمون مال اللہ خضمۃ الابل نبتۃ الربیع

(حضرت عثمان کی خلافت میں بنی امیہ اٹھ کھڑے ہوئے وہ اللہ کے مال اس طرح لپ لپ کھا رہے تھے جیسے فصل ربیع میں اونٹ ہری ہری گھاس کو کھاتا ہے

۹- چوتھی خلافت کے وقت امیر المومنین پر ہجوم

فما راعنی الّا والناس کعرف الضبع الیّ ینثالون علیّ من کل جانب حتی لقد وطئ الحسنان وشق عطفای مجتمعین حولی کربیضۃ الغنم فلمّا نہضت بالامر نکثت طائفۃ ومرقت اخریٰ وقسط اخرون کانّہم لم یسمعوا کلام اللہ حیث یقول تلک الدار الآخرۃ نجعلہا

اس وقت مجھے نہیں ڈرایا مگر اس حالت نے کہ لوگ ہر طرف سے میرے اوپر اس طرح ٹوٹ پڑے مجھ پر جیسے بجو کی گردن پر کثرت سے بال ہوں یہاں تک کہ حسن و حسین کچلے گئے اور میرے پہلو چھل گئے وہ میرے گرد اس طرح جمع تھے گویا بھیڑوں کا گلہ جمع ہو گیا ہے پس جب میں امر خلافت کے لئے اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت کر کے توڑ دی طلحہ و زبیر اور ایک گروہ خونریزی پر

لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ
وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ)
بَلَى وَاللهِ لَقَدْ سَمِعُوهَا وَوَعَوْهَا
وَلَكِنَّهُمْ حَلِيَتِ الدُّنْيَا فِي
أَعْيُنِهِمْ وَرَاقَهُمْ زِبْرِجُهَا

آمادہ ہوگیا (اہل نہروان) اور تیسرے نے ظلم پر کمر
باندھی یہ سب ایسے معلوم ہوتے تھے گویا
انہوں نے یہ کلام سنا ہی نہیں (یہ دار آخرت
ہے ہم اس کو انہی لوگوں کے لئے قرار دیں
گے جنھوں نے روئے زمین پر نہ تو اپنے
کو بلند رتبہ جانا اور نہ فساد برپا کیا۔)

(اور اچھا انجام تو متقیوں کا ہے) خدا کی قسم ان سب نے خدا کا یہ کلام سنا تھا اور
اسے یاد بھی رکھا تھا لیکن ان کی آنکھوں میں یہ دنیا آراستہ دکھائی دے رہی تھی اور
اس کی سجاوٹ پر مرمٹے تھے۔

۱۰۔ آلِ رسول کے احسانات

بِنَا اهْتَدَيْتُمْ فِي الظَّلْمَاءِ
وَتَسَنَّمْتُمُ الْعَلْيَاءَ
بِنَا انْفَجَرْتُمْ عَنِ السِّرَارِ
وُقِرَ سَمْعٌ لَمْ يَفْقَهِ الْوَاعِيَةَ
كَيْفَ يُرَاعِي النَّبْأَةَ مَنْ
أَصَمَّتْهُ الصَّيْحَةُ
رُبِطَ جَنَانٌ لَمْ يُفَارِقْهُ
الْخَفَقَانُ
مَا زِلْتُ أَنْتَظِرُ بِكُمْ عَوَاقِبَ الْغَدْرِ

تم نے ہماری وجہ سے تاریکیوں میں ہدایت
پائی اور ہمارے سبب سے بلند مرتبے کو پہنچے
ہماری وجہ سے تمہیں اندھیرے میں اجالا دکھائی
دیا وہ کان بہرے ہو جائیں جو وعظ کو نہ سن لیں۔
دھیمی آواز کو کیسے سن سکتا ہے وہ جسے سخت
آواز نے بہرا بنا دیا ہو۔
خدا اس دل کو مضبوط رکھے جو خوف الٰہی
سے لرز رہا ہو۔
مجھے تو ان دھوکہ بازوں کی امید تھی اور میں انکا انتظار
کر رہا تھا۔

وَاتوسّمکُم بحلیۃِ المغترّ
میری فراست تمہارے فریب خوردہ اوصاف کو محسوس کر رہی تھی۔

سترنی عنکم جلباب الدّین و
دین کی ظاہری چادر نے مجھے تم سے چھپائے رکھا

بصّرنیکم صدق النیّۃِ اقمتُ
میری بے لوث نیت نے تمہاری مخفی حالت دکھادی

لکُم علیٰ سُنَنِ الحق
گمراہ کرنے والے راستوں پر تمہیں بچانے کے لئے راہ حق اور صراط

فی جوادِ المضلّۃِ
مستقیم پر کھڑا ہو گیا۔

حیثُ تلتقون ولا دلیل
جبکہ تم بغیر رہنما کے راستوں پر چلتے پھرتے تھے

وتحتفرون ولا تمیھون
تم پیاس بجھانے کو کنوئیں کھود تے تھے اور پانی نہیں نکلتا تھا۔

الیوم انطِقُ لکم العجماءُ
آج میں تمہارے گونگوں کو گویا کر رہا ہوں

ایّھا الناسُ شقّوا امواج الفتن سُفن النجاۃ
لوگو فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر پار ہو جاؤ۔

وعرِّجوا عن طریق المنافرۃ
منافرت کا تاج سر سے اتار دو۔

افلحُ من نھض بجناحٍ
مددگاروں کے ساتھ جو کسی کام کو اٹھا کامیاب ہوا

او استسلم فاراح
جس نے کاموں کو ان کے حال پر چھوڑا راحت پائی

ھذا ماءٌ اجنٌ بھا اکلھا
یہ دنیا ایک سڑا ہوا پانی ہے اور ایسا لقمہ ہے کہ کھانے والے کے حلق میں جس سے پھندا لگتا ہے

ومجتنی الثمرۃ لغیرِ وقتِ
اور اس کا پھل چننے والا ایسا ہے جو پکنے کی فصل سے پہلے ہی توڑ لے۔

ابناعصنا کزارعٍ بغیرِ ارضہٖ
یا اس کسان کی طرح ہے جو غیر کی زمین میں تخم ریزی کرے

وَاِنْ اَقُلْ یَقُوْلُوْا
حَرِصَ عَلَی الْمُلْکِ
وَاِنْ اَسْکُتْ یَقُوْلُوْا
جزِعَ مِنَ الْمَوْت
هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ بَعْدَ اللَّتَیَّا وَالَّتِیْ
وَاللّٰهِ لَابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اٰنَسُ
بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْیِ اُمِّهٖ

اگر میں کچھ کہتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ ملک کے حریص ہیں اور اگر چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں موت سے ڈر گئے۔
افسوس صد افسوس باوجود چھوٹے بڑے معرکے فتح کرنے کے (بعد اب یہ حال ہے)
واللہ ابوطالب کا بیٹا موت سے اتنا ہی مانوس ہے جتنا ایک بچہ اپنی ماں کی چھاتی کا۔

۱۱۔ محمد حنفیہ کو آداب جنگ کی تعلیم

جنگ جمل میں جب حضرت نے اپنا علَم محمد حنفیہ کو دیا کہ جا کر لڑیں تو فرمایا۔

یَا بُنَیَّ تَزُوْلُ الْجِبَالُ وَلَا تَزُلْ
عَضَّ عَلٰی نَاجِذِکَ
اَعِرِ اللّٰهَ جُمْجُمَتَکَ تِدْ
فِی الْاَرْضِ قَدَمَکَ اِرْمِ
بِبَصَرِکَ اَقْصَی الْقَوْمِ
غُضَّ بَصَرَکَ
وَاعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ

بیٹا چاہے پہاڑ جگہ سے ہٹ جائیں تم نہ ہٹنا دانت پر دانت جمائے رہنا۔
اپنا سر راہ خدا میں دینے پر آمادہ رہنا۔
میخ کی طرح زمین پر اپنے قدم جمائے رہنا۔
دشمن کی آخری صف پر نگاہ رہے کہ دہاں تک جاتا ہے۔
اپنی نگاہ کو خیرگی سے بچانا۔
اور یہ جان لینا کہ مدد حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

۱۲۔ عدل

فَاِنَّ فِی الْعَدْلِ سَعَۃً وَمَنْ ضَاقَ عَلَیْہِ الْعَدْلُ فَالْجَوْرُ عَلَیْہِ اَضْیَقُ

عدل میں بڑی گنجائش ہے جس پر عدل تنگ ہو گیا وہ ظلم سے کیا کام نکالے گا۔

۱۳۔ مدینہ میں اپنی بیعت کے بعد

ذِمَّتِیْ بِمَا اَقُوْلُ رَھِیْنَۃٌ وَاَنَا بِہٖ زَعِیْمٌ

میں جو کچھ کہتا ہوں میں اس کی سچائی کا ضامن ہوں۔

اِنَّ مَنْ صَرَّحَتْ لَہُ الْعِبَرُ عَمَّا بَیْنَ یَدَیْہِ مِنَ الْمَثُلَاتِ حَجَزَتْہُ التَّقْوٰی عَنْ تَقَحُّمِ الشُّبُھَاتِ

جس کی آنکھوں کے سامنے کھلی ہوئی عبرتیں ہوتی ہیں اور بلائیں اور عقوبتیں سامنے ہوتی ہیں اسے اللہ کا خوف شبہوں میں پڑنے سے روکتا ہے۔

اَلَا وَاِنَّ بَلِیَّتَکُمْ قَدْ عَادَتْ کَھَیْئَتِھَا یَوْمَ بَعَثَ اللّٰہُ نَبِیَّکُمْ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

تمہاری پہلی بلا آج پھر لوٹ آئی ہے اس دن کی طرح جب اللہ نے تمہارے نبی کو مبعوث کیا تھا یعنی تم پھر رسوم جاہلیت کی طرف پلٹ آئے ہو

وَالَّذِیْ بَعَثَہٗ بِالْحَقِّ لَتُبَلْبَلُنَّ بَلْبَلَۃً وَلَتُغَرْبَلُنَّ غَرْبَلَۃً

اس ذات کی قسم جس نے رسول کو مبعوث بہ رسالت کیا۔ تم لوگ بری طرح خلط ملط کر دیئے جاؤ گے اور یقیناً تم اچھی طرح زمانہ کی چھلنی میں چھانے جاؤ گے۔

ولتساطُنّ سَوط القدور
حتی یعود اسفلکم اعلاکم
واعلاکم اسفلکم۔
ولیسبقنّ سابقون کانوا قصّروا
ولیقصّرنّ سبّاقون کانوا
سبقوا واللہ ما کتمت
وشمۃ ولاکذبت کذبۃ

تم ابلتی دیگ کی طرح تلے اوپر کیے جاؤ گے
جو نیچے ہے وہ اوپر آجائے گا اور جو اوپر ہے
وہ نیچے جائے گا۔
جنہوں نے پہلے کمی کی تھی وہ پیچھے رہ گئے تھے
وہ آگے بڑھ جائیں گے۔
جو پہلے آگے بڑھ گئے تھے پیچھے رہ جائیں گے
(خدا کی قسم میں نے ظاہر کرنے والی چیز چھپائی نہیں
اور نہ کوئی جھوٹ بولا ہے۔)

۱۳- امر خلافت میں نزاع نہ کرنے کا سبب

فنظرت فاذا لیس لی
معین الّا اهل بیتی
فضننت بھم عن
الموت واغضیت
علی القذی وشربت
علی الشجی
وصبرت علی اخذ الکظم وعلی
امرّ من طعم العلقم

میں نے دیکھا کہ میرے خاندان والوں کے سوا
کوئی میرا مددگار نہیں۔
میں نے ان کو موت کے حوالے کرنے سے
بخل کیا اور اپنی حالت کو پوشیدہ رکھا درانحالیکہ
میری آنکھوں میں خس وخاشاک کھٹک رہا تھا اور
حلق میں ہڈی پھنسی ہوئی تھی۔
میں نے غصہ کو پینے پر صبر کیا حالانکہ وہ میرے
لیے حنظل سے زیادہ کڑوا تھا۔

۱۴۔ صبح شب ضربت ارشاد فرمایا

مَلَكَتْنِي عَيْنِي وَأَنَا جَالِسٌ
فَسَنَحَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ فَقُلْتُ
يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَاذَا لَقِيتُ مِنْ
أُمَّتِكَ مِنَ الْأَوَدِ وَاللَّدَدِ
فَقَالَ ادْعُ عَلَيْهِمْ
فَقُلْتُ أَبْدَلَنِي اللّٰهُ بِهِمْ
خَيْراً مِنْهُمْ وَأَبْدَلَهُمْ
بِي شَرّاً لَهُمْ مِنِّي

میں بیٹھا تھا کہ مجھے نیند آ گئی ۔ حضرت رسولخدا میرے سامنے ظاہر ہوئے میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کی امت کے ہاتھوں کیسی کیسی عداوتوں کا سامنا کرنا پڑا طرح طرح کے جھگڑے قضیئے ۔

فرمایا ان کے لیے بددعا کرو

میں نے دعا کی یا اللہ مجھے ان کے بدلے ان سے بہتر لوگ دے اور میرے عوض انہیں مجھ کو چھوڑ کر بدترین سردار دے ۔

۱۵۔ اپنے حقوق کا اظہار

يَا أَيُّهَا النَّاسُ خُذُوهَا عَنْ
خَاتَمِ النَّبِيِّينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
لَيْسَ مَنْ مَاتَ مِنَّا وَلَيْسَ بِمَيِّتٍ وَيَبْلَى
مَنْ بَلِيَ مِنَّا وَلَيْسَ بِبَالٍ ۔
فَلَا تَقُولُوا بِمَا لَا تَعْرِفُونَ فَإِنَّ
أَكْثَرَ الْحَقِّ فِيمَا تُنْكِرُونَ

حضرت رسولخدا کی اس حدیث کو سنو اور سمجھو ۔

ہم میں سے جو مرتا ہے وہ مردہ نہیں ہوتا اور جو ہم میں سے شہید ہوتا ہے وہ گلتا سڑتا نہیں جس چیز کو تم نہیں جانتے اس کے متعلق کچھ کہو اکثر چیزوں سے تم انکار کرتے ہو حالانکہ وہ حق ہوتی ہیں ۔

maablib.org

وأعذروا من لا حجة
عليه
وأنا هو إلّا أعمل فيكم
بالثقل الأكبر
وأترك فيكم الثقل الأصغر
وركزت فيكم راية الإيمان
ووقفتكم على حدود الحلال
والحرام وبستكم العافية
من العدل
وفرشتكم المعروف من
قولي وفعلي
وأريتكم كرائم الأخلاق
من نفسي

تم انکار کر دیتے ہو اس چیز سے جس کے متعلق
تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ۔
کیا میں وہی نہیں ہوں کیا میں نے تمہارے
درمیان مطابق قرآن عمل نہیں کیا ۔
اور تمہاری ہدایت کے لئے اپنے اہلبیت کو نہیں چھوڑا
میں نے تم میں ایمان کے جھنڈے گاڑے
اور تمہیں حلال و حرام کی حدود سے واقف کیا
اور تمہیں اپنے عدل و انصاف کی بنا پر امن و
امان سے رکھا ۔
اور اپنے قول و فعل سے نیکیوں کی طرف تم
کو رغبت دلائی ۔
اور میں نے اپنا نفس پیش کر کے تمہیں مکارم
اخلاق کو نہیں دکھایا ۔

---

۱۴ - اہل بیت کے متعلق

نحن شجرة النبوة ومحط الرسالة
ومختلف الملائكة ومعادن
العلم وينابيع الحكم ناصرنا
ومحبنا ينتظر الرحمة و
عدونا ومبغضنا ينتظر السطوة

ہم درخت نبوت ہیں رسالت کے نزول کی جگہ ہیں
ملائکہ کے آنے جانے کا مقام ہیں
علم کی کانیں ہیں حکمت کے سرچشمے ہیں
ہمارے ناصر اور دوست منتظر رحمت رہتے ہیں
اور ہمارے دشمن منتظر عذاب ۔

maablib.org

۱۷- عہد امیر المومنین میں لوگوں کی حالت

قد خاضوا بحار الفتن
وأخذوا بالبدع دون
السنن وأرز المؤمنون
ونطق الضالون المكذبون
نحن الشعار والأصحاب
والخزنة والأبواب
لا تؤتى البيوت إلا من أبوابها
فمن أتاها من غير أبوابها
سمي سارقا

انہوں نے فتنوں کے سمندروں میں غوطے لگائے
اور سنتوں کو چھوڑ کر بدعتوں پر ٹوٹ پڑے مومنوں
کو دل گرفتہ کیا۔
اور جھوٹے گمراہوں کو بولنے کی اجازت دی
ہم لباس اسلام ہیں ہم اصحاب رسول ہیں ہم علم
کے خزانے اور اس کے دروازے ہیں گھروں
میں نہیں آتے مگر دروازوں سے جو گھروں
میں دروازوں کو چھوڑ کر آئے گا اس کو
چور سمجھا جائے گا۔

۱۸- آل محمد کی تعریف

فیهم کرائم القرآن وهم کنوز الرحمن
ان نطقوا صدقوا وان صمتوا لم یسبقوا

ان کے بارے میں آیات کریمہ نازل ہوئیں
وہ علوم الہیہ کے خزانے ہیں جب بولتے
ہیں سچ بولتے ہیں۔ جب خاموش ہوں تو کوئی ان پر کلام میں سبقت نہیں کرتا۔

۱۹- قرآن کے متعلق اختلاف عمل

ترد علی احدهم القضیة فی حکم من
الاحکام فیحکم فیها برأیه

ایک قاضی کے پاس ایک قضیہ کسی حکم الٰہی کے
متعلق لایا جاتا ہے وہ اس میں اپنی رائے

ثم ترد تلک القضیة بعینها علی غیرہ فیحکم فیہا بخلافہ

سے حکم دیتا ہے پھر وہی قضیہ بعینہٖ دوسرے قاضی کے سامنے آتا ہے

وہ پہلے قاضی کے خلاف

ثم یجتمع القضاۃ بذلک عند الامام الذی استقضاہم فیصوب اٰراہم جمیعاً

حکم دیتا ہے پھر یہ سب اس امام القضاۃ کے پاس جمع ہوتے ہیں جس نے ان کو قاضی بنایا ہے۔

وہ ان سب کی رائے پر صاد کر دیتا ہے

والٰہہم واحد و نبیہم واحد و کتابہم واحد افامرہم اللہ بالاختلاف فاطاعوہ

ان کا خدا ایک ہے نبی ایک ہے کتاب ایک ہے۔ کیا اللہ نے ان کو اختلاف کا حکم دیا ہے جس کی وہ اطاعت کر رہے ہیں یا انہیں اختلاف سے منع کیا ہے اور اس کی نافرمانی کر رہے ہیں۔

ام نہاہم عنہ فعصوہ ام انزل اللہ دیناً ناقصاً فاستعان بہم

یا خدا نے دین ناقص نازل فرمایا ہے اور ان سے کامل بنانے مدد چاہی ہے۔

ام کانوا شرکاؤہم فلہم ان یقولوا وعلیہ ان یرضیٰ

یا وہ اللہ کے شریک ہیں کہ جو چاہیں کہیں اور خدا پر لازم ہے کہ ان سے راضی ہو جائے

ام انزل اللہ دیناً تاماً فقصر الرسول صلی اللہ علیہ والہ عن تبلیغہ وادائہ

یا اللہ نے دین کامل کیا تھا مگر رسول نے اس کی تبلیغ اور ادائیگی میں کوتاہی کی

واللہ سبحانہ یقول ما فرطنا فی الکتاب من شیئ وقال فیہ تبیان کل شیئ

اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ ہم نے کتاب میں کوئی شے بیان کرنے سے نہیں چھوڑی اس میں ہر شے کا بیان ہے۔

وذکر ان الکتاب یصدق بعضہ بعضاً وانہ لا اختلاف فیہ فقال سبحانہ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً وان القرآن ظاھرہ انیق وباطنہ عمیق لا تفنی غرائبہ ولا تکشف الظلمات الا بہ

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کتاب کی بعض آیات بعض کی تصدیق کرتی ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اگر اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتی تو اس میں سے اختلاف کثیر پاتے۔ قرآن کا ظاہر خوشنما ہے باطن بہت گہرا ہے اس کے نوادر فنا نہیں ہوتے اور اس کی گتھیاں اسی سے سلجھتی ہیں۔

۲۰۔ دنیا کی مذمت

ما اصف من دارٍ اولھا عناء واخرھا فناء فی حلالھا حساب وفی حرامھا عقاب من استغنی فیھا فتن ومن افتقر فیھا حزن ومن ساعاھا فاتتہ ومن قعد عنھا واتتہ ومن ابصر الیھا اعمتہ

میں ایسے گھر کی کیا تعریف کروں جس کا اول رنج ہے اور جس کا آخر فنا ہونا ہے جس کے حلال کا حساب ہونا ہے اور حرام پر سزا ملنی ہے جو اس میں غنی ہوا وہ ہزاروں بلاؤں میں مبتلا ہو گیا اور جو فقیر ہوا وہ رنج و غم میں گھر گیا جو اس کے حصول کے لیے دوڑا یہ اسے ملتی نہیں جو اس کی طلب سے بیٹھ رہا اس کی طرف آتی ہے جو اس کے ذریعہ سے احوال عالم کو دیکھے اسے بینا بنا دیتی ہے اور جو خود اسے دیکھے اسے اندھا بنا دیتی ہے۔

maablib.org

حصّہ پنجم

امیر المومنینؑ

کے

پند و نصائح

(کلمات قصار)

MAAB 1431
maablib.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۔ البخلُ عارٌ والجبنُ منقصةٌ والفقرُ یخرِسُ الفطنَ عن حُجتہٖ والمقِلُّ غریبٌ فی بلدتہ والعجزُ آفةٌ والصبرُ شجاعةٌ والزہدُ ثروةٌ والورعُ جُنّةٌ

(بخل باعث رسوائی ہے بزدلی نقصان دہ ہے فقیری عقل کو دلیل بیان کرنے سے روک دیتی ہے۔ مفلس اپنے شہر میں بھی پردیسی ہے۔ عاجزی آفت ہے۔ صبر بہادری ہے۔ زہد مالداری۔ پرہیزگاری سپر ہے۔

۲۔ من ضیّعہُ الاقربُ اُتیحَ لہُ الابعدُ

جس کا رشتہ دار چھوڑ دیتے ہیں دور کے لوگ اس کی مدد کرتے ہیں)

۳۔ من ابطاءَ بہٖ عملہُ لم یُسرِعْ بہٖ نسبُہٗ

(جو عمل میں سست ہے نسب سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا)

۴۔ من کفّاراتِ الذُنوبِ العظامِ اغاثۃُ الملھوفِ والتنفیس عن المکروب بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ یہ ہے کہ مصیبت زدوں کی فریاد رسی کرو اور دکھ درد والے کو تسلّی دو)

۵۔ انفضل الزُھدِ اخفاءُ الزّھد بہترین زہد یہ ہے کہ اس کو چھپایا جائے

۶۔ الایمان علیٰ اربع دعائم علی الصبر والیقین والعدل والجھاد

(ایمان چار ستونوں پر قائم ہے رصبر، یقین، عدل اور جہاد)

۷ اشرف لغنی ترکُ المنیٰ بہترین مالداری آرزوؤں کا ترک ہے

۸۔ طوبیٰ لمن ذکرَ المعادَ وعملَ للحسابَ وقنعَ بالکفافِ ورضیَ عن اللہ

خوشخبری ہو اس شخص کے لئے جو قیامت کو یاد کرے اور روز حساب کے لئے عمل کرے

قوت لایموت پر کفایت کرے اور اللہ سے راضی رہے۔

۹- المرأة عقرب حلوة اللبسة — عورت بہترین لباس میں بچھو ہے۔

۱۰- اهل الدنیا کرکب یسار بهم وهم نیام

دنیا والے ایک سواری پر ہیں جو چل رہی ہے اور وہ سو رہے ہیں۔

۱۱- فقد الاحبة غربة — دوستوں کا فقدان پردیس ہے۔

۱۲- فوت الحاجة اهون من طلبها الی غیر اهلها

نااہلوں سے نہ مانگنا بہتر ہے اس سے کہ حاجت پوری نہ ہو۔

۱۳- العفاف زینة الفقر — پاک دامنی فقیری کی زینت ہے۔

۱۴- لاتری الجاهل الا مفرطا او مفرطا — جاہل آدمی کوتاہی کریگا یا زیادتی

۱۵- اذا تم العقل نقص الکلام — جب عقل کامل ہوتی ہے تو کلام کم ہوجاتا ہے

۱۶- نفس المرء خطاہ الی اجله — آدمی کا ہر سانس موت سے قریب کرتا ہے

۱۷- الحکمة ضالة المومن فخذ الحکمة ولو من اهل النفاق

(دانائی مومن کی گمشدہ چیز ہے حکمت کو لے لو چاہے منافق ہی سے ملے)

۱۸- لایقل عمل مع التقوی — تقوی کے ساتھ تھوڑا عمل بھی بہت ہے

۱۹- رب عالم قد قتله جهله — بعض عالم ایسے ہیں کہ ان کو قتل کرتی ہے جہالت عمل

۲۰- لامال اعود من العقل — مال سے زیادہ فائدہ مند عقل ہے

۲۱- هلک فی رجلان محب غال ومبغض قال

میرے بارے میں دو شخص ہلاک ہوئے ایک محبت میں غلو کرنے والا دوسرے عداوت میں غلط گوئی کرنے

۲۲- شتان ما بین عملین عمل تذهب لذته وتبقی تبعته

وعمل تذهب مؤنته ویبقی اجره — کس قدر فرق ہے دو عملوں میں ایک وہ عمل ہے کہ اس کی لذت ختم ہوجائے اور اس کی پریشانی باقی رہے دوسرے وہ عمل جس کی محنت ختم ہوجائے اور

اور اجر باقی رہے۔

۲۳- ان للہ ملکاً ینادی فی کل یوم لِدُوا للموت واجمعوا للفناء وابنوا للخراب اللہ کا ایک فرشتہ ہر روز ندا کرتا ہے۔ موت سے قریب ہو جاؤ فنا ہونے کے لئے جمع کرو اور خراب ہونے کے لئے عمارت بناؤ۔

۲۴- استنزلوا الرزق بالصدقۃ صدقہ دے کر رزق کو نازل کرو۔

۲۵- تنزل المعونۃ علی قدر المؤونۃ خرچ کے بقدر مدد ملتی ہے۔

۲۶- قلۃ العیال احد الیسارین عیال کا کم ہونا دو مالداریوں میں سے ایک ہے

۲۷- الھم نصف الھرم غم آدھا بڑھاپا ہے۔

۲۸- ینزل الصبر علی قدر المصیبۃ ومن ضرب یدہ علی فخذہ عند مصیبتہ حبط عملہ صبر بقدر مصیبت نازل ہوتا ہے جو مصیبت میں اپنی ران پر ہاتھ مارے گا اس کا عمل ضبط ہو جائے گا۔

۲۹- سوسوا ایمانکم بالصدقۃ (صدقہ سے ایمان کی حفاظت کرو)

۳۰- کم من صائم لیس لہ من صیامہ الا الظماء بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ انہیں روزہ سے سوائے پیاس کچھ حاصل نہیں ہوتا یعنی بے اجر رہتے ہیں۔

۳۱- وادفعوا امواج البلاء بالدعاء دعاؤں سے مصیبتوں کی موجوں کو اپنے سے ہٹاؤ

۳۲- الناس ثلاثۃ فعالم ربانی ومتعلم علی سبیل نجاۃ وھمج رعاع اتباع کل ناعق یمیلون مع کل ریح لم یستضیئوا بنور العلم ولم یلجاوا الی رکن وثیق۔ (آدمی تین قسم کے ہیں ایک عالم ربانی دوسرے نجات کے راستہ پر چلنے والا تیسرے خس و خاشاک ہر آواز کے پیچھے لپکنے والا اور ہر ہوا کے رخ پر چلنے والا وہ نور علم سے روشنی نہیں پاتے اور مضبوط ستون کو نہیں پکڑتے)

۳۳۔ لِکُلِّ امرِءٍ عاقبۃٌ حُلوۃٌ او مُرّۃ — ہر آدمی کا ایک انجام ہے یا شیریں یا تلخ

۳۴۔ من کتم سِرّہ کانتِ الخیرۃ بیدہٖ — جس نے اپنا بھید چھپایا نیکی اس کے ہاتھ میں رہی

۳۵۔ الفقرُ موتُ الاکبر — فقیری سب سے بڑی موت ہے

۳۶۔ لاطاعۃ لمخلوقٍ فی معصیۃِ الخالق — اللہ کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت حرام ہے

۳۷۔ الاعجاب یمنعُ من الازدیاد — تکبیر کرنا رزق کی زیادتی کو روکتا ہے۔

۳۸۔ الامرُ قریبٌ والاصطحابُ قلیل — آخرت قریب ہے اور دنیا کی صحبتیں تھوڑے دن کی ہیں۔

۳۹۔ قد اضاء الصبح لذی عینین — صبح کی روشنی تو دو آنکھوں والے ہی کو نظر آتی ہے۔

۴۰۔ ترکُ الذنبِ اھونُ من طلبِ التوبۃ — توبہ سے بہتر گناہوں کا ترک کرنا ہے

۴۱۔ کم من اکلۃٍ منعت اکلات — اکثر ایک لقمہ بہت سے لقموں کے روکنے کا باعث ہو جاتا ہے۔

۴۲۔ الناس اعداءٌ لما جھلوا — آدمی جس چیز کو نہیں جانتا اسی کا دشمن بن جاتا ہے

۴۳۔ آلۃُ الریاسۃِ سعۃُ الصدر — اصلی ریاست سینہ کی کشادگی ہے۔

۴۴۔ الطمع رقٌ مؤبّد — لالچ ہمیشہ کی غلامی ہے۔

۴۵۔ ثمرۃُ الحزمِ السلامۃ — عقلمندی کا ثمرہ سلامتی ہے۔

۴۶۔ من لم ینجہِ الصبرُ اھلکہُ الجزع — (جس کو صبر سے تسکین نہیں ہوتی وہ بیقراری سے ہلاک ہو جاتا ہے)

۴۷۔ حسدُ الصدیقِ من سُقمِ المودّۃ — دولت پر حسد محبت کے لئے بیماری ہے۔

۴۸۔ بئس الزادُ الی المعادِ العدوانُ علی العباد — قیامت کے دن سب سے برا زادِ راہ خدا کے بندوں پر ظلم کرنا ہے۔

۴۹- مَن کَسَاہُ الحیاءُ ثوبہٗ لم یرالناسُ عیبہٗ ـــــــ جس کو حیا کے لباس نے چھپالیا ہے لوگ اس کے عیب نہیں دیکھتے۔

۵۰- یومُ المظلومِ علی الظالمِ اشدّ من یومِ الظّالمِ علی المظلومِ
مظلوم کے بدلہ کا دن ظالم کے ظلم کے دن سے بہت زیادہ سخت ہوگا۔

۵۱- افضلُ الاعمال ما اکرھتَ نفسکَ علیہ
افضل اعمال وہ ہیں جسے کرنے کو تیرا دل نہ چاہتا ہو۔

MAAB 1431
maablib.org

حصہ ششم

سیاست علویہ

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ و آلہ نے اسلامی حکومت کے لیے جو قوانین مقرر کیے ہیں وہ بادشاہان دنیا کے ملکی قوانین سے بہت کچھ مختلف ہیں۔ دنیوی قوانین میں حقوق اللہ اور حقوق الناس کی حفاظت کا چونکہ بڑا بندوبست نہیں ہوتا اس لئے پبلک کو ہمیشہ اس سے شکایت رہتی ہے اور آج تک دنیا میں کوئی ایسا قانون نہیں بنا جس میں کچھ دن بعد ترمیم و تنسیخ کی ضرورت محسوس نہ ہوئی ہو۔ جب کوئی نئی سلطنت بنتی ہے تو اس کا قانون بھی بدل جاتا ہے بلکہ ایک ہی سلطنت کے قوانین میں بار بار ترمیم و تنسیخ ہوتی رہتی ہے۔

لیکن حکومت الٰہیہ اور ریاست نبویہ میں ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ قرآن نے جو کچھ نظام سلطنت بنایا ہے وہ قیامت تک چلے گا کسی کو اختیار نہیں کہ اس میں کوئی اصلاح کر سکے اس کی جہت یہ ہے۔

۱۔ حکومت الٰہیہ کے قانون کی ہر دفعہ فطرت انسانی کو پیش نظر رکھ کر بنائی گئی ہے۔ چونکہ اس قانون کا بنانے والا خالق فطرت ہے لہٰذا غلطی کا امکان نہیں۔

۲۔ دنیوی قانون بنانے والے حکمرانوں کے حقوق کا تحفظ آگے رکھتے ہیں اور رعایا کا بعد میں۔ ان اغراض ذاتیہ کے تحت رعایا ظلم سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اسلامی حکومت کا قانون بنانے والا خدا ہے جو اغراض ذاتیہ سے منزہ و مبرا ہے۔ لہٰذا اس میں کسی پر ظلم کا شائبہ کیوں پایا جائے۔

۳۔ دنیوی سلاطین اس طرز جہانبانی کو اپنے لئے طرہ امتیاز سمجھتے ہیں جس سے

حدود حکومت میں روز بروز توسیع ہو۔ اس غرض کو مدّ نظر رکھ کر ظلم و جور، تشدّد، فریب و دجل، مکاری و خود غرضی، جعلسازی، دروغ گوئی، خلف وعدہ۔ غرض ہر ایک حربہ سے کام لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے الحرب خدعۃ لڑائی دھوکہ دہی کا نام ہے

۴۔ شاہی خزانے کو برابر بڑھاتے رہنا بادشاہ وقت کی دانشوری کا ثبوت ہوتا ہے۔ انہی ناپاک خیالات کے تحت آج دنیا کے ملکوں میں زور شور سے کام ہو رہا ہے۔ جس طرح بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو اگلنا چاہتی ہے۔ اسی طرح ہر بڑی سلطنت چھوٹی سلطنت کو ہڑپ کرنا چاہتی ہے۔ چاہے انسانیت کے دائرہ سے کتنی ہی دور ہو جائے اسلامی نظام حکومت میں ان شیطانی امور کو دخل نہیں

وہاں انسانی جان و مال کا تحفظ پہلی شرط ہے وہاں ملکی توسیع یا خزانوں کی زیادتی کے لئے جنگ کی اجازت نہیں۔ اسلام نے جارحانہ جنگ کی کسی صورت میں اجازت نہیں دی۔ حملہ کی پہل اپنی طرف سے نہ کی جائے بلکہ حسب ذیل صورتوں میں اسلام جنگ کی اجازت دیتا ہے۔

۱۔ جب کفار و مشرکین نشر و اشاعت قوانین اسلام میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہوں۔

۲۔ جب کفار و مشرکین مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے ہوں یا ان کے املاک پر حملہ کرتے ہوں یا ان کے امن و امان میں خلل ڈالتے ہوں۔

۳۔ جب اسلامی حکومت کے حلیف ہونے سے انکار کرتے ہوں۔

۴۔ جب اسلامی حکومت پر حملہ کی تیاری کر رہے ہوں۔ تو ایسی صورتوں میں ان سے مدافعانہ جنگ کی جائے گی نہ کہ جارحانہ جو کفار و مشرکین تحت حکومت اسلام ہوں ان کے تحفظ کی ذمہ داری کی یہ صورت ہے کہ پہلے ان پر اسلام کو پیش کیا جائے اگر نہ مانیں تو ان سے جزیہ دینے کو کہا جائے اگر نہ مانیں تو ان کو جلاوطنی کا حکم دیا جائے اور اگر اس پر بھی نہ مانیں تو ان سے جنگ کی جائے اور ان کو قتل کیا جائے تاکہ وہ اسلامی ترقی میں سد راہ نہ ہوں اور کسی سازش کا شکار ہو کر اسلامی

حکومت کو نقصان نہ پہنچائیں۔

یہ ہے اسلامی حکومت کا قانون بیرونی سلطنتوں کے متعلق صرف توسیع سلطنت کے لئے کسی ملک پر یلغار کرنا جارحانہ حملہ کرنا۔ بے قصور رعایا کو قتل کرنا، لوٹ مار کرنا، گھروں کو جلانا کھیتوں کو برباد کرنا حکومت الہٰیہ کے قوانین کے قطعاً خلاف ہے۔

یہ تو تھے بیرونی معاملات اب داخلی معاملات پر غور کیجیے۔

۱- بادشاہ ایسا ہونا چاہیے جو احکام اسلام سے اچھی طرح واقف ہو اور ان پر سب سے زیادہ عمل کرنے والا ہو۔

۲- دشمن کے حملہ کو رد کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

۳- رعایا کے معاملات کو بے رو رعایت فیصل کرتا ہو۔

۴- ظالم کو اس کے ظلم کے مطابق سزا دینے میں تامل نہ کرے کسی کی سعی و سفارش پر حق فیصلہ سنانے سے باز نہ رہے۔

۵- ہر مظلوم کی فریاد کو کان لگا کر سنے۔

۶- اپنے ارکان سلطنت کو اتنی آزادی نہ دے کہ وہ رعایا کا خون چوسیں۔

۷- مجرموں کے لئے اسلام نے جو سزائیں مقرر کی ہیں ان سے واقف ہو۔

۸- صاحب اخلاق حسنہ ہو۔ تشدد پسند اور سخت دل نہ ہو۔

۹- اسلامی خزانے پر دست تصرف دراز نہ کرے۔

۱۰- ہوس رانی اور عیش پسندی سے کوسوں دور رہے۔

۱۱- صاحب عزم راسخ ہو۔ کچے کانوں کا نہ ہو۔

۱۲- صاحب عقل فہم اور صائب رائے رکھنے والا ہو۔

۱۳- رعایا سے اس طرح مل جل کر رہے کہ رعایا اس کو اپنوں ہی سے ایک سمجھے۔

۱۴- عدل گستر اور انصاف پسند ہو۔

۱۵- رعایا کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہو۔

یہ ہیں شرائط اسلامی بادشاہت کی۔

دنیوی بادشاہ بننا بہت آسان ہے کیونکہ وہاں راستے بہت کشادہ ہیں جس طرح چاہے حکومت کا رخ موڑ دے لیکن اسلامی حکومت کا دائرہ بڑا تنگ ہے قواعد بڑے سخت ہیں۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔

حکومت الٰہیہ کا مقصد بھی سمجھ لیجئے

۱- تمدن اسلامی میں امن و امان قائم ہو تاکہ زندگی کے فرائض ہر شخص پورے اطمینان کے ساتھ انجام دے سکے۔

۲- ہر شخص کی جان و مال کا تحفظ ہو۔

۳- فتنہ و فساد کی راہیں بند کی جائیں۔

۴- ہر شخص کو بلحاظ اس کے جرم کے سزا دی جائے۔

۵- نیکوکاروں کو وقعت کی نظر سے دیکھا جائے

۶- بادشاہ رعایا کے لئے نمونہ عمل بنے۔

۷- معاشرہ میں مواسات و ہمدردی کا جذبہ پایا جائے۔

۸- پڑوسیوں کے حقوق کا لحاظ رکھا جائے

۹- لوگوں پر اخلاقی محاسن پیدا کرنے پر زور دیا جائے

۱۰- اصول و فروع کی تعلیم کا پورا بندوبست ہو۔

۱۱- مسلمان اللہ کے عبادت گزار بندے بنیں۔

۱۲- معاش و معاد دونوں کی فلاح و بہبود کے ذرائع اختیار کریں۔

۱۳- دنیا کو دین پر ترجیح نہ دیں۔

۱۴- اعمال صالحہ کی طرف متوجہ رہیں۔

maablib.org

غور کیجیے جس تمدن میں یہ سب باتیں پائی جائیں گی وہ دنیا کا بہترین تمدن و بہترین معاشرہ سمجھا جائے گا۔ آنحضرت ص یہی چاہتے تھے کہ اسلامی حکومت دنیا کی تمام حکومتوں سے ممتاز ہو۔ اعراض عن الدنیا اور انہماک فی الدنیا کے دونو راستے چھوڑ کر ایک درمیانی راستہ قائم کیا گیا۔ یعنی حضور نے دین و دنیا کو ایسا سمویا کہ وہ سلطنت کی ایک نئی تصویر نظر آنے لگی۔ مقصد یہ تھا کہ معاش و معاد دونوں کی تکمیل ہوتی رہے۔

ایسا نظام حیات قائم کرنا۔ ایسی عدل پرور جہانبانی کے نمونے دکھانا دین کی تمام ضروریات کو دنیا ہی میں پورا کرنا ایک حکمران کے لئے ایسے راستے پر چلنا ہے جو بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہو۔

قیصر و کسریٰ کی حکومتوں کے اصول پر جو حکومتیں اسلام میں قائم ہوئیں ان میں وہی سب کچھ تھا جو دنیوی حکومتوں میں ہوا کرتا ہے۔ ایسی حکومتوں پر صرف اسلام کا لیبل لگا ہوا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ جو نظام حکومت میں نے قائم کیا ہے اس کے چلانے والے کچھ خاص ہی لوگ ہو سکتے ہیں۔ آپ نے اس کام کے لئے اپنی نظر انتخاب میں حضرت علی علیہ السلام کو لیا اور دینی و دنیوی، سیاسی و شرعی تمام امور کا ذمہ دار ان کو بنانا چاہا۔ آپ کو یقین تھا کہ یہ کام علی سے بہتر کوئی نہیں انجام دے سکتا

یہ زمانہ کی ستم ظریفی تھی کہ رسول کے بعد نظام حکومت کی باگ ڈور سب سے پہلی جس کے ہاتھ میں آنی چاہیئے تھی وہ پچیس سال بعد آئی اور ایسی حالت میں آئی کہ تصویر کا رخ بہت کچھ بدل چکا تھا۔ خصوصاً بنی امیہ کے دور حکومت میں آئین جہانبانی جیسے کچھ بدلے ان کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ روح فرسا داستان جناب امیر علیہ السلام کے ایک جملہ میں آجاتی۔ یخضمون مال اللہ خضمۃ الابل نبتۃ الربیع یعنی وہ اللہ کے مال کو اس

طرح لپ لپ کھا رہے تھے۔ جیسے اونٹ فصل بہار میں ہری ہری پتیاں کھاتا ہے اس الجھے ہوئے سُوت کو سلجھانا اور بگڑی بات کو بنانا آسان کام نہ تھا۔ ذہنی صلاحیتیں طبیعتوں کے رنگ حکومت کا طرز حکمران دنیا میں معاملات کے ساتھ مسائل دین میں تغیر و تبدل سب باتیں اپنے اپنے مقام سے ہٹی ہوئی تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ باوجود مسلمانوں کے شدید اصرار کے آپ عنان سلطنت اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہتے تھے مگر جیسا کہ آپ نے ایک خطبہ میں فرمایا ہے جب لوگوں کو ہر طرف سے اتنا ہجوم ہوا کہ حسن و حسین کچلے گئے اور آپ کے پہلو چھل گئے اور لوگوں نے قتل کی دھمکی دی تو آپ نے یہ ذمہ داری اپنے ہاتھ میں لی مگر یہ کہہ کر کہ میں کتاب وسنت کے مطابق عمل کروں گا خواہ کوئی مجھ سے خوش ہو یا ناخوش۔

باجماع امت علی کا خلیفہ منتخب ہو جانا چند وجہ سے لوگوں کو سخت ناگوار ہوا۔

۱۔ جن لوگوں کے مشرک عزیزوں کو مختلف غزوات میں حضرت علی نے قتل کیا تھا۔

۲۔ جن لوگوں کے دل میں علی کی عداوت کے شعلے اس لئے بھڑک رہے تھے کہ آنحضرتؐ علی کو سب سے زیادہ دوست رکھتے تھے۔

۳۔ وہ لوگ جو سابقہ حکومت میں تمام کلیدی عہدوں کو اپنی موروثی جاگیر سمجھے ہوئے تھے اور یہ جانتے تھے کہ علی کے زمانہ میں ان کی چودھراہٹ نہیں چلے گی

۴۔ وہ لوگ جو عیش پرستی اور ہوس رانی کی فضا میں سانس لیتے چلے آرہے تھے اور جن کو یقین تھا کہ علی کی حکومت میں پلاؤ قورمے کی جگہ سوکھی روٹیاں کھانا پڑیں گی نہ علی لقمہ تر خود کھائیں گے نہ دوسروں کو کھانے دیں گے۔

۵۔ ارکان سلطنت کو من مانی کارروائیاں کرنے کا موقع نہ ملے گا۔ چنانچہ خلافت کا عہدہ سنبھالتے ہی ہر طرف سے بغاوت کی آندھیاں اٹھنے لگیں جن سے ایک دن بہ اطمینان تمام

حکومت کرنے کا آپ کو موقع نہ ملا۔

سب سے پہلے جنگ جمل کا ہولناک واقعہ پیش آیا۔ پھر جنگ صفین کا پھر نہروان کا خیال کرو تخت سلطنت پر جس کے پیر جمنے بھی نہ پائے تھے اس کو کن مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ یہ صرف علی ہی کے تدبر اور بہترین سیاست دانی کا ثبوت ہے کہ آپ نے ہر معرکہ میں دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ایسا سخت مقابلہ کیا کہ دشمنوں کو ناک چنے چبوا دیئے یہ سب دفاعی معرکے تھے۔

لوگ کہتے ہیں کہ علی سے سیاست نہ آتی تھی اگر نہ آتی ہوتی تو کیا ان ہولناک گردابوں میں پھنسنے کے بعد علی اپنی جان بچا سکتے تھے کیا اس سیاسی ہڑبونگ میں پوری سلطنت کی رعایا پر کنٹرول کر سکتے تھے کیا اتنی فوج جمع کر سکتے تھے کہ جن سے جمل و صفین و نہروان کے میدان چھلک اٹھے تھے۔ ان سے پہلے حکمرانوں نے جو ترقی دکھائی وہ اطمینانی فضا میں دکھائی۔ داخلی بغاوت سے بے نیاز ہو کر دکھائی۔ اندرونی خلفشار سے محفوظ ہو کر دکھائی۔ اگر ان کے لئے ایسے پر آشوب زمانے ہوتے اور پھر پورا پورا کنٹرول کرتے تو بیشک قابل تعریف ہوتے۔

علی علیہ السلام نے صرف چار سال حکومت کی اس مدت میں ایک سال کیا ایک ماہ بھی اطمینان سے حکومت کرنے کا موقع نہ ملا۔ پھر بھی داخلی معاملات پر ایسی کڑی نظر رکھی کہ ایسے نازک وقت میں دوسرے سے ممکن نہ تھی۔

کہا جاتا ہے کہ علی کے زمانہ میں ملکی فتوحات نہیں ہوئیں اسلامی سلطنت کا دائرہ نہیں بڑھا۔ ہاں ایسا نہیں ہوا۔ اس کی چند وجوہات ہیں۔

۱۔ جب رات دن اندرون ملک لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہے تو بیرونی ممالک کی فتوحات کا خیال کیسے آسکتا ہے۔ فوج صرف ایک ہی محاذ پر لڑ سکتی ہے۔

۲۔ اگر داخلی خلفشار نہ ہوتا تب بھی علی کسی ملک پر جارحانہ حملہ نہیں کر سکتے تھے وہ کسی کے گلے پر تلوار رکھ کر بہ جبر لا الٰہ الا اللہ نہیں کہلوانا چاہتے تھے۔

۳۔ ان کو فتوحات ملکی کا شوق نہ تھا بلکہ مسلمانوں کو مسلمان بنانے رکھنے کا شوق تھا۔

۴۔ تاہم حضرت عثمان کے زمانہ میں بعض صوبے مطلق العنان ہو گئے تھے آپ نے فوج بھیج کر ان کی بغاوت کو فرد کیا۔

سندھ کا راجہ ششنصب باوجود اسلامی سلطنت کے تحت ہونے کے حضرت کے وقت تک اسلام نہ لایا تھا۔ آپ نے اس کو طلب کیا اور فرمایا کیا وجہ ہے کہ تم اب تک اسلام نہیں لائے اس نے کہا اپنے دین کو چھوڑنا آسان نہیں جب تک میں اسلام کی تعلیم سے واقف نہ ہوں کیسے مسلمان ہو جاؤں۔ آپ نے کئی روز اس کو اپنے پاس رکھ کر ہدایت کی چنانچہ وہ مسلمان ہو کر واپس گیا۔

اب یہ بھی سن لیجیے کہ حضرت علی نے اپنے دور خلافت میں اسلام کی کیا گراں قدر خدمات انجام دیں۔ سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت نے اسلامی حکومت میں جو ستم شعار بدکردار، رشوت خور لوگ کلیدی عہدوں پر تھے۔ یک قلم ان کو برخاست کر دیا۔ تاکہ آپ کی سلطنت میں حکومت الٰہیہ کے قوانین کی خلاف ورزی نہ ہو۔ جب آپ نے معاویہ کو جو اس وقت شام کے گورنر تھے معزول کرنے کا خط لکھا تو ابن عباس نے کہا امیر المومنین ابھی آپ اسے برخاست نہ کریں وہ بااثر انسان ہے اور ملک شام پر اس کا قبضہ جما ہوا ہے اگر آپ نے اسے علیحدہ کیا تو وہ آپ کے حکم پر عمل نہ کرے گا اور فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھے گی۔ فرمایا اے ابن عباس تم نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں علی ہوں ایسے لوگوں کی حکومت ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ جو اسلامی قوانین پر عمل نہیں کرتی۔ میں نے زمام حکومت اسی لئے ہاتھ میں لی ہے کہ ایسے نااہل لوگوں کی سرکوبی کروں۔ چنانچہ اس کے

نتیجہ میں آپ کو بہت سی مصیبتوں کا سامنا ہوا مگر آپ نے حدود اللہ کی حفاظت کو پیش نظر رکھ کر ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ یہ بھی علی کی دین نوازی اور قوانین الہٰیہ کی پابندی۔ دنیوی حکمران تو عجیب وغریب پالیسیاں بنایا کرتے تھے اور لوہے کو موم بنانے اور سرکشوں کو زیر کرنے کے لئے جادو کے سو کھیل کھیلا کرتے ہیں لیکن علی علی تھے رسول کے جانشین تھے۔ اسلام کے محسن تھے وہ ایسے ناپاک ارادوں کو اپنے دل و دماغ میں کہاں جگہ دے سکتے تھے اور کسی کی بد کرداری میں کیوں کر مددگار ثابت ہو سکتے تھے وہ اپنے لئے کچھ نہیں چاہتے تھے جو چاہتے تھے اسلام کی بہبودی کے لئے۔ معاویہ نے صفین میں قرآن نیزوں پر بلند کر گئے اور تحکمین کے فیصلہ کو سازش کے جال میں پھانس کر جو کچھ کیا وہ معاویہ ہی سے ہو سکتا تھا علی نہیں کر سکتے تھے۔ صفین میں دریا پر قبضہ کر کے فوج علی پر پانی معاویہ بند کر سکتا تھا علی نہیں کر سکتے۔ سازشوں کے جال بچھا کر علی کی حدود حکومت میں معاویہ تہلکہ ڈال سکتا علی سے ممکن تھا

بزمانہ سلطنت علی کی زندگی

اسلامی بادشاہ کی زندگی کا بہترین نمونہ حضرت علی کی زندگی تھی۔

۱۔ اس بادشاہ اسلام کے گھر میں دنیا کا کوئی سازو سامان نہ تھا۔ جو کچھ تھا وہ یہ تھا ایک بوریا۔ ایک اونٹ کی کھال۔ ایک مشکیزہ۔ ایک مٹی کا لوٹا۔ ایک پیالہ ایک کاسہ کھانے کا

۲۔ ایک کھیس جو مدینہ سے لے کر گئے تھے موسم سرما میں اسی کو اوڑھے رہتے تھے ایک روز اس سوتی کپڑے کو پہنے سردی سے تھر تھرا رہے تھے کسی نے کہا اے امیر المومنین آپ بیت المال سے پیسہ لے کر سرمائی لباس کیوں نہیں بنواتے۔ فرمایا۔ بیت المال حق مسلمین ہے اس نے کہا آپ کا بھی تو اس میں حق ہے۔ فرمایا میں اس وقت اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔ جب میرے ارد گرد کوئی برہنہ تن مسلمان نہ رہے۔

۳- آپ کی غذا جو کی روٹی تھی جو نمک کے پانی میں ڈبو کر کھاتے تھے کبھی وہ سوکھ جاتی تو گھٹنے سے دبا کر توڑتے اور پانی میں بھگوتے جب نرم ہو جاتی تو نمک اور سرکہ سے کھاتے

۴- ایک روز پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے کسی نے کہا۔ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ فرمایا۔ کیف اشبع و حولی بطون غرثی (میں شکم سیر ہو کر کیسے کھاؤں درانحالیکہ میرے گرد کچھ بھوکے بھوک سے تڑپ کر مر رہے ہوں۔

۵- ایک روز قنبر کو ساتھ لے کر قمیص خریدنے بازار گئے ایک دو درہم کی خریدی دوسری پانچ درہم کی۔ دو درہم والی خود پہنی اور پانچ درہم والی قنبر کو دے دی۔

کوفہ میں جا کر پہلا کام

جب آپ نے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا تو مدینہ سے کوفہ منتقل ہوئے مسجد کوفہ کے پاس ایک کچے مکان میں جس کا نشان آج تک موجود ہے قیام کیا۔ اس بادشاہ دین و دنیا نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ کوفہ میں جا کر مسکینوں، محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں کی فہرست بنا کر لاؤ۔ اس کے بعد سے معمول ہوا کہ رات کو روٹیاں اور خرمے دو تھیلوں میں بھر کر اور دونوں کندھوں پر رکھ کر ہر ایک کے گھر جاتے، دستک دیتے جب لینے کو کوئی آتا تو اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر کر ہاتھ بڑھا کر اس کو کھانا دیدیتے۔

ایک روز امام حسن نے کہا آج آپ آرام کریں میں یہ خدمت انجام دوں گا۔ فرمایا۔ بیٹا خلافت کا بار میرے کندھوں پر رکھا گیا ہے تمھارے نہیں روز قیامت مجھ سے باز پرس ہوگی تم سے نہیں۔

فروتنی وانکساری

ایک پیوند دار قمیص اور ایک لنگی پہنے ہوئے بازار میں جاتے اگر لوگ تعظیماً راستہ چھوڑتے تو فرماتے ایسا نہ کرو۔ علی بھی تم ہی جیسا خدا کا بندہ ہے۔ ایک روز ایک ضعیفہ کو دیکھا۔ کندھے پر ایک گٹھری لیے جاتی ہے مگر کمزوری کے باعث چلا نہیں جاتا۔ اس کے پاس جا کر کہا۔ اے ضعیفہ لا تیرا بار میں تیرے گھر تک پہنچا دوں۔ چنانچہ اس کے گھر تک پہنچا دیا۔

ایک روز ایک کنیز کو دیکھا ایک دکان پر کھڑی رو رہی ہے۔ آپ نے پاس جا کر سبب پوچھا اس نے کہا یہ سودا لے کر میں گئی تھی میری مالکہ کو پسند نہیں آیا۔ میں واپس کرنے آئی ہوں یہ دکاندار واپس نہیں کرتا۔ آپ نے کہا اے بھائی یہ کنیز ہے اگر تو واپس نہ کرے گا تو اس کی مالکہ اس کو سزا دے گی وہ حضرت کو پہچانتا نہ تھا اس نے سختی سے کہا تو کون ہے اس کی حمایت کرنے والا۔ کسی نے اس سے کہا۔ کم بخت تو جانتا نہیں یہ امیر المومنین ہیں یہ سنتے ہی وہ تھر تھر کانپنے لگا اور پیروں پر گر کر کہنے لگا۔ امیر المومنین میرا قصور معاف کر دیجئے۔ فرمایا۔ اے بھائی خریداروں سے ایسا برتاؤ نہ کیا کرو۔

امیر المومنین قاضی شریح کی عدالت میں

جنگ صفین میں آپ کی زرہ چوری ہو گئی۔ ایک روز بازار کوفہ میں ایک نصرانی کے کے پاس آپ نے اس کو دیکھا اسے پکڑ لیا اور اپنے ساتھ لئے ہوئے قاضی شریح کی کچہری میں پہنچے۔ وہ حضرت کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ فرمایا اے شریح اپنی جگہ پر بیٹھو میں اس وقت ایک مقدمہ میں مدعی کی حیثیت آیا ہوں۔ جہاں سب کھڑے ہوتے ہیں وہیں کھڑا ہوں گا اس کے بعد قاضی سے واقعہ بیان کیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ زرہ امیر المومنین کو دی جائے۔

اور اس نصرانی کو ہاتھ چوری کی سزا میں کاٹے جائیں۔ یہ سُن کر آپ قاضی پر غصہ ہوئے اور فرمایا تم نے بغیر مجھ سے گواہ لیئے یہ فیصلہ کر دیا۔ میں بغیر گواہی اس سے لینے کا حق دار نہیں۔ جب کچہری سے نکلے تو نصرانی پیروں پر گر پڑا اور کہا امیرالمومنین یہ زرہ آپ ہی کی ہے۔ میری خطا معاف فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اب میں نے تجھی کو دی۔ وہ مسلمان ہو گیا۔

فوجیوں کو ہدایات

جب آپ کسی جنگ کے لیے لشکر روانہ کرتے تو ان سے فرماتے۔

۱۔ راستہ میں دشمن کے باغات اور کھیتیاں پامال نہ کرنا۔

۲۔ جب تک دشمن حملہ نہ کرے اپنی طرف سے جنگ کی ابتدا نہ کرنا۔

۳۔ جو پیٹھ پھیر کر بھاگے اسے قتل نہ کرنا۔

۴۔ جو عاجز و ناتوان ہو اس پر تلوار نہ اٹھانا۔

۵۔ جو زخمی پڑا ہو اسے مت مارو۔

۶۔ عورتوں کو اذیت نہ دو۔ اگر وہ تم کو یا تمھارے امرا کو گالیاں بھی دیں تو ان سے رُوگردانی کرو کیونکہ وہ ضعیف القویٰ اور ضعیف العقل ہیں۔

۷۔ دشمن کی لاش برہنہ نہ کرو۔

۸۔ بچوں کو قتل نہ کرو۔

۹۔ جو تارک الدنیا لوگ ہوں ان پر تلوار نہ اٹھاؤ۔

۱۰۔ اپاہج اور بہت بوڑھے لوگوں کو قتل نہ کرو۔

۱۱۔ اگر دشمن پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو

maablib.org

جرنیلوں اور گورنروں کو ہدایات

۱- اشعث بن قیس عامل آذر بائیجان کے نام امیر المومنین کا خط دیکھو۔ تمہیں جو حاکم بنایا گیا ہے ظلم و ستم کرنے کے لئے نہیں ۔ یہ عہدہ ایک امانت الہیہ ہے ۔ جو کرو یہ سمجھ کر کہ تم پر بھی کوئی حاکم ہے۔ دیکھو تمہارے ہاتھ میں اللہ کا مال ہے تم اس کے خزانچی ہو۔ جب تک اس کو میری سپرد نہ کرو اس کی حفاظت تم پر لازم ہے ۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میرے نزدیک بدترین حکمران ثابت ہو ۔

۲- معقل بن قیس ریاحی کو نصیحت ۔ جب آپ نے اسے شام کیطرف تین ہزار فوج دیکر روانہ کیا دیکھو اللہ سے ڈرتے رہو کیونکہ ایک دن تم کو اس سے ملنا ہے تمہاری انتہا اس کی طرف ہے ۔ اس سے لڑو جو تم سے لڑنا چاہے کوچ کرو صبح و شام ٹھنڈے وقت میں اور دوپہر کو کسی منزل پر پہنچ کر آرام کرو ۔ اپنے جسموں کو راحت پہنچاؤ ۔ اول شب میں نہ چلو کیونکہ اللہ نے اسے آرام کا وقت بنایا ہے ، سفر کرنے کا نہیں ۔ اس میں راحت پہنچاؤ اپنے بدن اور اپنی پشت کو صبح ہونے تک ۔ صبح ہوتے ہی کوچ بول دو ۔

جب دشمن سے مقابلہ ہو تو فوج کے درمیان اپنی جگہ قرار دو ۔ دشمن کے کیمپ سے زیادہ قریب نہ رہو اور زیادہ دور بھی نہیں ۔ جب تک میرا حکم نہ پہنچے حملہ نہ کرو ۔ کسی قوم کی عداوت تمہارے حملہ کا باعث نہ ہو ۔ جب وہ جنگ کو بلائیں تو جنگ کرو ۔ ابتداءِ جنگ کرنے کا الزام انہی پر ہوگا ۔

لشکر کے سرداروں کو انتباہ :-

۳- میں نے تم پر مالک بن الحارث الاشتر کو حاکم بنایا ہے پس اس کی بات سنو اور

اس کی اطاعت کرو۔ اس کو اپنی زرہ اور اپنی سپر سمجھو۔ وہ ایسا شخص ہے کہ نہ سستی کرنے والا ہے نہ شکست کھانے والا اور نہ ڈھیل ڈالنے والا۔ ایسے معاملہ میں جس میں جلدی کرنا قرین عقل ہو اور نہ جلدی کرنیوالا ایسے معاملہ میں جہاں ڈھیل دینا بہتر ہو۔

۴۔ عبداللہ بن عباس حاکم بصرہ کے نام۔

اے ابن عباس یہ سمجھ لو کہ بصرہ شیطان کے رہنے کی جگہ ہے اور فتنوں کے اگنے کا مقام ہے ان کے باشندوں پر احسان کرو اور ان کے دلوں سے خوف کو دور کرو

۵۔ ایک اپنے عامل کو تحریر فرمایا:۔

تمہارے شہر کے باشندوں نے تمہاری تشدد پسندی اور سخت گیری کی شکایت کی ہے اور یہ کہ تم انکو ذلیل و حقیر سمجھتے ہو میں نے ان کے حال پر غور کیا۔ وہ مشرک ہونے کی وجہ سے نہ تو اس قابل ہیں کہ انہیں سر چڑھایا جائے اور معاہدہ کی رو سے اس لائق ہیں کہ ان کو دور دور رکھا جائے ان سے نرمی کا برتاؤ کرو کچھ تھوڑی سی شدت کے ساتھ۔ یعنی سختی اور مہربانی ملی جلی ہوں۔ نہ ان سے بہت قریب رہو نہ بہت دور۔

۶۔ ابن عباس کے نام۔

دیکھو ابن عباس کبھی آدمی کو خوشی اس چیز سے ہوتی ہے جو خود بخود اس سے ملنے والی ہے اور برا جانتا ہے اس چیز کو جو نہ ملنے والی ہوتی ہے۔ تمہاری خوشی اس چیز پر ہو جو آخرت میں تم کو ملنے والی ہے اور اس پر تمہیں افسوس نہ ہونا چاہیئے جو تمہیں حاصل نہ ہو۔ دنیا میں جو کچھ تمہیں ملا ہے اس پر اتراؤ مت، تکبر نہ کرو اور جو تمہیں نہیں ملا اس کے لئے بے چین نہ ہو۔ موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے تمہاری نظر اس پر رہے۔

۷- ایک عامل صدقات کے نام :-

میں تم کو پوشیدہ معاملات میں خدا سے ڈراتا ہوں۔ خدا تمہارے ہر عمل کو دیکھنے والا ہے۔ تمہارا ظاہر و باطن ایک ہونا چاہیئے۔ جس کا ظاہر و باطن اور قول و فعل ایک ہوگا اور وہ حق امانت ادا کرے گا اور یہ اس کی خالص عبادت ہوگی۔

۸- محمد بن ابی بکر کے نام۔ جب انہیں مصر کا حاکم بنایا۔

محمد! لوگوں سے تواضع پیش آؤ اور نرمی سے کام لو اور شگفتہ پیشانی سے ملو ان سے ہمدردی کا اظہار کرو اس طرح رہو کہ زبردستوں کو یہ طمع نہ رہے کہ تم ان کی خاطر کسی پر ظلم کرو گے اور نہ کمزور تمہارے عدل سے مایوس ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے چھوٹے بڑے ظاہری و باطنی اعمال کی باز پرس ضرور کرے گا۔ اب اگر وہ سزا دے تو تمہارے ظلم کے مقابلے میں کم ہوگی اور اگر درگزر کرے تو اس کا کرم اس درگزر سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

اے محمد ابن ابی بکر۔ میں نے تم کو مصر کا حاکم مقرر کیا ہے لہذا تمہارا فرض ہے۔

۱- اپنی خواہش نفس کی مخالفت کرو۔
۲- اپنے دین کی مدافعت کرو (چاہے ایک گھڑی ہی کے لئے مالک کیوں نہ ہو)
۳- خلق خدا کو راضی رکھنے کے لئے اللہ کو ناراض نہ کرو۔
۴- نماز اس کے مقررہ وقتوں پر ادا کرو۔
۵- تمہارا ہر چھوٹا بڑا کام نماز کے تابع ہے۔

۹- مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی عامل اردشیر خرہ کے نام۔

مجھے تمہارے متعلق ایک ایسے کام کی اطلاع ملی ہے کہ اگر واقعی تم نے کیا ہے

تو سمجھ لو کہ تم نے اپنے خدا کو ناراض اور اپنے امام کو غضب ناک کر دیا ہے وہ یہ کہ تم مسلمانوں کے مال فے کو جن کی خاطر خون بہائے گئے اپنی قوم کے بادیہ نشینوں پر تقسیم کر رہے ہو جس کے تم منظور نظر ہو تو خدا کی قسم اگر یہ بات ٹھیک نکلی تو اپنے کو ذلت سے میرے سامنے کھڑا پاؤ گے اور میرے یہاں قدر و قیمت میں ہلکے رہ جاؤ گے۔ لہٰذا اپنے پروردگار کے حق کو حقیر نہ سمجھو اور دین کو بگاڑ کر دنیا نہ سنوارو۔ ورنہ عمل کے لحاظ سے تمہارا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو سب سے زیادہ گھاٹا اٹھانے والے ہیں۔ یاد رکھو جو مسلمان تمہارے پاس ہیں اور جو ہمارے پاس ہیں اس مال فے کی تقسیم میں سب کا مساوی حق ہے۔

بنام عثمان بن حنیف حاکم بصرہ۔

۱۰۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بصرہ کے کسی بڑے آدمی نے تمہیں دعوت عروسی میں بلایا تو تم بے سوچے سمجھے فوراً وہاں پہنچ گئے۔ جہاں تمہارے لیے رنگ برنگ کے نفیس کھانے رکھے گئے۔ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ تم ایسے لوگوں کی دعوت قبول کر لو گے۔ جن کے یہاں غریبوں کو پاس پھٹکنے نہیں دیا جاتا اور امیروں کو بلایا جاتا ہے۔

یاد رکھو تمہارا امام وہ ہے جس نے دنیا کے مال و متاع سے اپنی دو پھٹی چادروں اور اپنی کمائی ہوئی دو روٹیوں پر اکتفا کی ہے اگرچہ ایسا کرنا تمہارے بس کا روگ نہیں مگر اتنا تو کر سکتے ہو کہ پرہیزگاری، جفاکشی اور پاکبازی میں میرا ہاتھ بٹاؤ کیونکہ قسم بخدا میں نے تمہاری دنیا سے نہ تو سونے چاندی کے خزانے بھرے ہیں نہ اس کے مال غنیمت کی ذخیرہ اندوزی کی ہے نہ اتنا ہی کیا کہ اپنے دو بوسیدہ کپڑے بدلنے کے لیے ایک پھٹی پرانی چادر تو تیار رکھتا۔ الی آخرہ

۱۱۔ ایک عامل کے نام۔

ہر مہم کا سامنا کرتے ہوئے اللہ سے مدد مانگو سختی کے ساتھ نرمی سے بھی برتاؤ

کرو۔ ہاں جب دیکھو کہ سختی کے سوا چارہ کار نہیں رہا تو پوری سختی سے کام لو۔ رعایا کی ناز برداری کرو اور ان سے بخندہ پیشانی ملو۔ اپنے پاس آنے میں آسانیاں بہم پہنچاؤ۔ سب کو ایک آنکھ سے دیکھو۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرو تاکہ بڑے آدمیوں کو تم سے بیجا طرفداری کی امید نہ ہو اور لوگ تمہارے عدل سے ناامید نہ ہو جائیں۔

۱۲۔ عاملین خراج کے نام۔

کسی سے ایسی چیز نہ لو جس کی اسے ضرورت ہو۔ کسی کو اپنا مطالبہ پیش کرنے سے نہ روکو۔ خراج کے ضمن میں لوگوں کے سردیوں اور گرمیوں کے کپڑے ایسے جانور جس سے وہ کام لیتے ہوں نہ لو۔ کسی کا غلام فروخت نہ کرو۔ ایک درہم کی خاطر کسی کو کوڑا نہ مارو۔ کسی مسلمان یا معاہد (ذمی) کے مال کو ہاتھ نہ لگاؤ۔ ہاں ایسا گھوڑا یا ہتھیار لے لو جو اسلام کے خلاف جنگ کرنے کے لئے رکھے گئے ہیں۔

مالک اشتر کے نام جب انہیں حکومت مصر کا پروانہ دیا گیا تو حضرت نے ایک فرمان میں ان کو لکھا۔ حسب ذیل امور کا خیال رکھیں۔

اللہ کی گرفت سے ہر وقت ڈرتے رہیں اس کی اطاعت کو ہر بات پر ترجیح دیں۔ جن فرائض و سنن پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کا اتباع کریں کیونکہ اس کے بغیر آدمی سعادتمند نہیں ہو سکتا۔ دل ہاتھ اور زبان سے اللہ کی نصرت کرتے رہیں کیونکہ اس نے یہ ذمہ لیا ہے کہ وہ اپنی نصرت کرنے والوں کی نصرت کرے گا جو اس کی عزت کا خیال رکھے گا وہ اس کو عزت عطا کرے گا۔

اے مالک میں نے تمہیں ان علاقوں کی طرف روانہ کیا ہے جن پر تم سے پہلے عدل اور ظلم

دونوطرح کی حکومتیں گزرچکی ہیں یقین رکھو لوگ تمہارے طرزعمل کوبھی اسی نظر سے دیکھیں گے جس سے وہ تم سے پہلے حکمرانوں کے طرزعمل کو دیکھتے رہے ہیں۔ تمہارے بارے میں بھی وہی کہیں گے جوتم دوسروں کے بارے میں کہتے رہے ہو۔

نیک لوگوں کی پہچان اس ذکر خیر سے ہوتی ہے جسے خدا اپنے بندوں کی زبان پر جاری کردیتا ہے لہٰذا تمہارے پاس پسندیدہ ترین ذخیرہ اعمال صالحہ کا ہونا چاہیئے اپنی نفسانی خواہشات کوقابو میں رکھو اور جوچیز حلال نہ ہو اس سے نفس کوروکو۔

رعایا سے رحم، محبت اور مہربانی کرنے کواپنا مقصد سمجھو۔ ان کے لئے خونخوار درندہ نہ بنو۔ لوگوں کی دو قسمیں ہیں ایک تو تمہارے دینی بھائی ہیں دوسرے ہم ہی جیسی مخلوق ہیں ان سے اکثر لغزشیں ہوجاتی ہیں اور انہیں بیماریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان سے جان بوجھ کر یا بھول چوک سے غلطیاں بھی ہوجاتی ہیں توتم ان سے اس طرح درگزرکرو جیسے تم چاہتے ہو اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر کرے۔

بیشک تم کوان پر بالادستی حاصل ہے لیکن تمہارے امام کوتم پر فوقیت ہے اور تمہارے امام پر جس نے تمہیں حاکم بنایا ہے۔ اللہ حکمران ہے اس نے چاہا کہ تم ان پر حکومت کرو۔ ان کے ذریعہ سے تمہاری آزمائش ہوگی۔

دیکھو اس کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرنا کیونکہ تمہارے لئے وہ ہاتھ ہی نہیں جو اس کے غضب کوروک سکیں۔ اس کے عفو اور رحمت سے بے نیاز رہنا تمہارے بس کی بات نہیں۔ درگزر کرکے پشیمانی اور سزا دے کر شادمانی کا اظہار نہ کرو۔ غصہ کی حالت

میں جلد بازی نہ کرو جب کہ تاخیر کی گنجائش ہو ۔

دیکھو کبھی یہ نہ کہنا کہ میں فرماں روا ہوں جو حکم دوں فوراً تعمیل ہو جائے کیونکہ ایسا کہنا دل میں بگاڑ کو راہ دینے ، دین میں کمزوری لانے اور حکومت میں افراتفری کے قریب ہونے کے برابر ہے ۔ حکومت کے نشہ میں جب کبھی تمھارے سر پر تکبّر یا خود پسندی کا بھوت سوار ہونے لگے تو اپنے اوپر خدا کی سلطنت کی عظمتوں کو نگاہ میں رکھو اور خیال کرو کہ اسے تم پر وہ اقتدار حاصل ہے جو خود تمہیں حاصل نہیں ۔ ایسا سمجھنے سے تمہاری سرکشی دب جائے گی اور چڑھتا نشہ اتر جائے گا اور تمہارے گمشدہ ہوش و حواس ٹھکانے لگ جائیں گے ۔

خبردار ! خدا کی عظمت کی بلندی کو نظر میں رکھ کر خدا سے مقابلہ آرائی نہ کرنا نہ طاقت میں اس جیسا بننے کی کوشش کرنا ۔ کیونکہ اللہ ہر بڑے بڑے جابر کو نیچا دکھا دیتا ہے اور ہر متکبّر کا سر جھکا دیتا ہے ۔

اللہ کے حقوق اللہ کو اور مخلوق کے مخلوق کو ادا کرو (خواہ رعایا ہو یا تمہارے متعلقین) اگر انصاف نہیں کرو گے تو ظلم کر بیٹھو گے اور جو خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو بندوں کی بجائے خود خدا اس کا مخالف بن جاتا ہے اور خدا جس کے بھی خلاف ہو جائے تو اس کے دلائل توڑ کر رکھ دیتا ہے اور خدا سے اس کی لڑائی جاری رہتی ہے یہاں تک کہ وہ ہتھیار ڈال کر توبہ کرے ۔ ظلم سے بڑھ کر کوئی چیز ایسی نہیں جو خدا کی نعمت کو بدلنے اور غضب خدا کے نازل ہونے کا سبب ہو ۔ کیونکہ وہ ہمیشہ مظلوموں کی پکار سنتا اور ظالموں کی گھات میں رہتا ہے ۔

تمہارا محبوب ترین عمل وہ ہونا چاہئیے جو عدل کی رُو سے ہمہ گیر اور رعیّت کی

خوشنودی کا زیادہ سے زیادہ جامع ہو۔ عام کی ناراضی خواص کی خوشنودی کو ختم کر دیتی ہے اور عوام کی خوشنودی سے خواص کی ناراضگی نظر انداز ہو جاتی ہے۔ رعیت میں خواص سے بڑھ کر ایسا کوئی نہیں جو خوشحالی میں تو حکمران کے خزانے پر بوجھ ہو اور مصیبت میں خبر تک نہ لے۔ انصاف کو پسند نہ کرے اسے جتنا دیا جائے اتنا ہی کم شکریہ ادا کرے نہ دیا جائے تو عذر تک سننے کا روادار نہ ہو۔ قدرتی آفات کے وقت ضعف صبر کا شکار ہو جائے۔ دین کا سہارا اور مسلمانوں کی مجموعی قوت توامت کے عوام ہی ہوتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ تم ان کے سامنے جھکو اور جس طرف ان کا میلان ہو اس طرف مائل ہو جاؤ۔

تمہاری رعایا میں سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو لوگوں کی نکتہ چینی کرنے میں سب سے زیادہ ہو۔ لوگوں میں کچھ ایسے عیوب ضرور ہوتے ہیں جن پر حاکم کو پردہ ڈالنا چاہیئے جو عیب تم سے پوشیدہ ہوں ان کی پردہ دری نہ کرو۔ تمہارا فرض ان برائیوں کو دور کرنا ہے جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوں اور جو تمہاری نظروں سے پوشیدہ ہیں ان کا فیصلہ خدا پر چھوڑ دو۔

لوگوں کے دل سے کینہ کی گرہ کھول دو کہ کوئی تم سے کینہ نہ رکھے۔ ہر عداوت کی رسی کاٹ دو تاکہ کسی سے تم کو عداوت نہ رہے۔ پرائے قول و فعل سے جو تمہارے شایان شان نہ ہو، بے خبری کا اظہار کرو، چغل خور کو سمجھنے میں جلد بازی سے کام نہ لو۔ کیونکہ چغل خور دغا باز ہوتا ہے اگرچہ خیر خواہوں کے بھیس میں ہو۔

اپنے مشورہ میں کسی بخیل کو شامل نہ کرنا جو داد و دہش سے روکے۔ فقر و فاقہ سے ڈرائے نہ کسی بزدل سے مشورہ کرنا جو مہمات میں تمہیں کمزوری کا احساس

دلائے اور نہ کسی حریص سے مشورہ لو جو تمہیں ناجائز ذرائع سے حریصانہ شکم پروری کی چکنی چپڑی باتیں سنائے کیونکہ بخل بزدلی اور حرص ہیں تو الگ الگ طبیعتیں مگر اللہ سے بدگمان رکھنے میں تینوں ایک ہیں۔ سب سے بُرا وزیر تمہارا وہ ہے جو تم سے پہلے بدکرداروں اور غلط کاروں کا وزیر رہ چکا ہو۔ خیال رکھنا اس قماش کے وزیر تمہارے وزیر نہ بننے پائیں کیونکہ وہ غلط کاروں کے مددگار اور ظالموں کے طرفدار ہیں۔ نااہل مشیروں کے بدلے ان سے بہتر کام کرنے والے تمہیں مل جائیں گے۔ جو معاملہ فہمی اور کارگزاری میں تو ان کے برابر ہوں گے مگر غلط کاروں کی طرح ان کے سروں پر غلط کاریوں کا بوجھ نہ ہوگا۔ انہوں نے نہ تو کسی ظالم کی ظلم کرنے میں نہ کسی گناہ گار کی گناہ کرنے میں مدد کی ہوگی ایسے لوگوں کے خرچ کا بوجھ تم پر ہلکا رہے گا اور وہ تمہارے بہترین معاون ثابت ہوں گے انتہائی محبت سے تم پر جھکے رہیں گے اور تمہارے دشمن سے دوستی نہ رکھیں گے۔ لہٰذا اپنی خلوتوں اور محفلوں میں انہی کو اپنا خاص بناؤ۔ ان میں بھی تمہارے نزدیک قابل ترجیح وہ ہونے چاہئیں جو تمہارے منہ پر حق کی کڑوی بات کہہ دیتے ہیں دوسروں سے بڑھے ہوئے ہوں اور ان کاموں میں تمہارا بہت کم ساتھ دیتے ہوں۔ جنہیں اللہ نے اپنے دوستوں کے لیے ناپسند فرمایا ہے تم انہیں مقبول خاطر سمجھ کر رکھو۔

پرہیزگاروں اور حق پسندوں کے ساتھ رابطہ قائم رکھو اور انہیں اس بات کا خوگر بناؤ کہ نہ تمہاری خوشامد کریں نہ کسی ناکردنی کام سے تمہیں خوش کریں۔ کیونکہ حد سے زیادہ مدح سرائی انسان کو خود پسند بنا دیتی ہے اور تکبر کے قریب لے جاتی ہے۔ ہاں یہ خیال رہے کہ نکوکار و بدکار درجہ میں برابر نہ ہونے پائیں کیونکہ ایسا کرنا نکوکاروں کو نیکی سے بردashتہ خاطر کرنا ہے اور بدکاروں کو بدی کا عادی بنانا ہے۔ نیک و بد سے وہی سلوک رکھو جس کا وہ مستحق ہے۔

یعنی نیکوں کی عزت کرو اور بدوں کو سزا دو۔

حکمران کے لئے ضروری ہے کہ وہ رعایا سے حسن سلوک رکھے ان کا معاشی بوجھ ہلکا کرے اور اس کے پاس دینے کے لئے جو چیز نہ ہو اس کو جبراً نہ لے۔ اس سلسلے میں تمہارا طرز عمل ایسا ہونا چاہیئے کہ رعایا کا خیال تمہاری طرف سے اچھا ہو جائے یہ حسن ظن تمہیں طویل زحمت سے بے نیاز کر دے گا۔ تمہارے حسن ظن کا وہی مستحق ہے جس کے نزدیک تمہارا طرز عمل پسندیدہ ہوگا اور بدظن وہی ہوگا جو تمہارے طرز عمل کو ناپسند کرے گا اس سنت صالحہ کو مٹانا نہیں جس پر اس امت کے اولین بزرگوار عمل پیرا رہ چکے ہیں جس کی بدولت یکجہتی کا سر انجام ہو اور کاربند رہنے پر رعیّت کا سدھار ہو۔

کوئی نئی راہ نہ نکالنا جو ان سنتوں کو ذرا سا بھی نقصان پہنچائے ورنہ ان کے جاری کرنے والے کا اجر تو برقرار رہے گا اور ان کے مٹانے کا گناہ تمہاری گردن پر ہوگا۔

اپنے شہری سدھار کی بنیادیں مضبوط رکھنے اور لوگوں کی استقامت کے وسائل کو برقرار رکھنے کے لئے اکثر اوقات علماء سے سوال وجواب اور حکماء سے گفت وشنید کرتے رہا کرو۔

یاد رکھو رعیّت نام ہے مختلف طبقات کا ان میں سے ایک دوسرے کے بغیر کام نہیں چلا سکتا نہ ایک طبقہ دوسرے سے بے نیاز رہ سکتا ہے۔

ان میں سے پہلا طبقہ افواج خدا کا ہے دوسرا عوام اور خواص کے کاتبوں کا (سیکرٹریٹ) تیسرے عدل کے قاضیوں کا (عدلیہ) چوتھا انصاف و رواداری کے قاضیوں کا (پولیس) پانچواں جزیہ ادا کرنے والے ذمیّوں اور خراج گزار مسلمانوں کا۔ چھٹا تاجروں اور صنعت کاروں کا۔ ساتواں سب سے نچلا طبقہ محتاجوں اور مسکینوں کا اور اللہ نے ہر طبقہ کا حصہ معین کر دیا ہے اور اپنی کتاب اور نبی کی سنت میں اس کے فرائض کی حد مقرر کر دی ہے جو اسکے دستور کی صورت

ہمارے پاس محفوظ ہے۔

افواج بحکم خدا رعیت کے قلعے، حکمرانوں کی زینت، دین کی قوت اور امن کی شاہراہیں ہیں اور رعیت صرف انہی کے دم سے اپنے پاؤں پر کھڑی رہ سکتی ہے پھر افواج کے اخراجات کا دارومدار صرف اس حصہ خراج پر ہے جو اللہ ان کے لئے مخصوص کر کے نکال لیتا ہے جس کے بل بوتے پر وہ دشمن سے جہاد کرتے ہیں اور اپنے فوجی لوازم اور ہنگامی ضرورتیں پورا کرنے کے لئے اسی حصہ خراج پر بھروسہ رکھتی ہیں۔

فوج اور خراج کی ان دو قسموں کا نظام برقرار نہیں رہ سکتا۔ جب تک قاضیوں، عالموں اور کاتبوں کا وجود نہ ہو۔ یہ لوگ معاہدوں کا استحکام کرتے ہیں۔ ضروریات زندگی فراہم کرتے ہیں اور سرکاری اور غیر سرکاری معاملات میں امین سمجھے جاتے ہیں اور ان کے سب کے نظم و ضبط کا انحصار تاجروں اور صنعت کاروں پر ہے کیونکہ یہ دونوں روزمرہ کے کام آنے والی چیزیں بہم پہنچانے کے لئے متفق ہو جاتے ہیں۔ بازار کی رونق برقرار رکھتے ہیں اور جو چیزیں دوسروں کے بس میں نہیں ہوتیں انہیں اپنی ہنرمندی سے مہیا کر کے دوسرے لوگوں کو زحمت سے بچا لیتے ہیں۔

maablib.org

ان کے بعد سب سے نچلا طبقہ ان محتاجوں اور مسکینوں کا ہے جن کی دستگیری اور مدد کرنا ضروری ہوتا ہے اور خدائی نظام میں ہر ایک اپنے مقدور بھر حصہ لیتا ہے اور حکمران کا فرض ہے کہ وہ ہر ایک کو اتنے حقوق مہیا کرے جن سے اس کی دینی و دنیوی حالت سدھر جائے

اس سلسلے میں اللہ نے جو فرائض حکمران پر عائد کئے ہیں۔ حکمران ان سے پوری طرح

عہدہ برآنہیں ہوسکتا۔ جب تک ان کے ادا کرنے میں ہمت سے کام نہ لے اور اللہ سے مدد کا خواستگار نہ ہو۔ اسے چاہیئے کہ دل و جان سے حق کے ساتھ وابستہ رہے اور ہلکا یا بھاری بوجھ اٹھانے میں حق پر ثابت قدم رہے۔

اپنی فوج کا سالار اس کو مقرر کرو جو تمہاری نظر میں خدا و رسول اور تمہارے امام کا سب سے زیادہ خیر خواہ ہو۔ جس کا دامن سب سے زیادہ بے لوث ہو۔ بردباری میں سب سے بالاتر ہو جسے غصہ دیر سے آتا ہو جو عذر کو ٹھنڈے دل سے قبول کر لیتا ہو زیر دستوں پر مہربان ہو۔ زبردستوں کی سختی سے گوشمالی کرتا ہو۔ ایسا درشت مزاج بھی نہ ہو کہ چھوٹتے ہی بھڑک اٹھے اور نہ دل کا اتنا کمزور ہو کہ بیٹھ ہی رہے۔

ایسے لوگوں سے برابر کا ربطہ قائم رکھو جو خاندانی شرافت کے حامل ہوں۔ نیک گھرانوں کے چشم و چراغ ہوں۔ حسن خدمات کے مالک ہوں اور ساتھ ہی بلند ہمتی، شجاعت اور سخاوت کے اوصاف سے متصف ہوں کیونکہ یہی لوگ درحقیقت مجموعہ کرم اور جود و عطا کی ثمرداشت خلیں ہیں پھر ان کے اس طرح پرسان حال رہو جیسے ماں باپ اپنی اولاد کے پرسان حال رہتے ہیں اور اپنے دل میں یہ خیال بھی نہ لانا کہ انہیں حقوق کی قوت بہم پہنچا کر تم نے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور ان کی دیکھ بھال کے لئے اگر تمہاری ذرا سی بھی مہربانی درکار ہو تو اسے حقیر سمجھ کر نہ چھوڑ دینا کیونکہ یہ تمہارے حق میں خیر سگالی اور حسن ظن کے جذبات میں اضافہ کا سبب بن جائے گا اور اس بات پر بھروسہ کر کے کہ ان کے بڑے بڑے کام تو چل ہی رہے ہیں ان کی چھوٹی چھوٹی ضروریات پوری کرنے سے ہاتھ مت اٹھاؤ۔ کیونکہ تمہاری چھوٹی چھوٹی مہربانیوں کا مقام یہ ہے کہ وہ ان کے لئے مفید ہوتی ہیں مگر بڑی ضروریات اپنی جگہ پر ہیں کہ وہ کسی حالت میں ان سے بے نیاز نہیں رہ سکے۔

تمہارے یہاں ان فوجی افسروں کا مرتبہ زیادہ بلند ہونا چاہیے جو الی مدد دینے میں فوجیوں سے برابر کا برتاؤ کریں اور اپنی تحویل میں رکھی ہوئی رقوم سے ان کی تنخواہیں اور دیگر فراخدلی سے ادا کرتے رہیں جن سے ان کی بھی گزر بسر ہوتی ہے اور ان کے اہل و عیال کا بھی پیٹ پلتا ہے جنہیں وہ اپنے گھروں پر چھوڑ آئے ہیں تاکہ فکر معاش سے آزاد ہو کر پوری یکسوئی سے دشمن سے جہاد کریں چنانچہ تمہارا ان پر مہربان ہونا ان کے دلوں کو تمہاری طرف مائل کر دے گا اور سچ یہ ہے کہ حکمرانوں کی بہترین کارروائی شہروں میں عدل کا قائم رہنا اور رعیت کی محبت کا ظاہر ہونا ہے اور رعیت کی محبت ظاہر نہیں ہوتی جب تک ان کا دل حکمران کی طرف سے صاف نہ ہو اور ان کی خیر خواہی ثابت نہیں ہوتی جب تک وہ اپنے حکام کی حفاظت نہ کریں اور ان کی حکومت کو وبال جان نہ سمجھیں اور ان کی مدت اقتدار کے ختم ہونے کی گھڑیاں گننا ترک نہ کر دیں۔ لہذا ان کی امیدوں کو بر لانے کے لئے اپنے یہاں جگہ کھلی رکھو ان کی مناسب تعریف کرنے میں کمی نہ آنے دو۔ اور جس نے بہادری سے شجاعت کے کارنامے دکھائے ہوں ان کی تعریف کرتے رہو کیونکہ حسن کارکردگی کا کثرت سے ذکر کرنا اگر اللہ چاہے تو شجاعوں کو جوش میں لے آتا ہے اور بزدلوں کو بھی شیر بنا دیتا ہے۔ پھر جو کارنامہ کسی نے انجام دیا ہو اسی کے لئے ہی مخصوص رکھو دوسرے سے منسوب نہ کرو اور اس کی کارکردگی پر جو صلہ مناسب ہو اس میں ہرگز کمی نہ کرو اور دیکھو ایسا نہ ہونے پائے کہ کسی رتبے کی بلندی اس کے چھوٹے سے کام کو تمہاری نظروں میں بڑا کارنامہ بنا دے اور نہ ایسا ہو کہ کسی کم مرتبہ شخص کے بڑے کارنامہ کو تم چھوٹا سمجھنے لگو۔

جو مسائل تمہیں مشکل معلوم ہوں اور جو امور تم پر مشتبہ ہوں انہیں خدا اور رسول کی بارگاہ میں پیش کرو کیونکہ اللہ نے جن لوگوں کو سیدھی راہ پر چلانا پسند کیا ان سے فرمایا ہے

اے گروہ مومنین اللہ کے ہر حکم کی تعمیل کرو اور رسول اور صاحبان امر جو تم میں سے ہیں ان کی اطاعت کرو پھر اگر کسی بات میں تمہارا باہمی جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کے پاس لے جاؤ،، یہاں اللہ کے پاس لے جانے سے مراد اس کی کتاب کی محکم آیتوں پر عمل کرنا ہے اور رسول کے پاس لے جانے کا مطلب آپ کے متفق علیہ ارشادات پر عمل کرنا ہے۔

لوگوں کے معاملات کو فیصل کرنے کے لئے ایسے شخص کو انتخاب کرو جو تمہارے نزدیک ساری رعایا میں افضل ہو۔ جو مسائل کی کثرت سے تنگ نہ آجائے فریقین کی باتوں سے تنگ دل نہ ہو۔ برافروختہ نہ ہو۔ اپنی لغزشوں پر اصرار نہ کرے اور جب حق اس کی سمجھ میں آجائے تو حق کی طرف رجوع کرنے میں تنگی محسوس نہ کرے۔ اس کا دل طمع کی طرف مائل نہ ہو۔ معاملہ کی تہہ تک پہنچنے میں معمولی غور و فکر پر اکتفا نہ کرے۔ وہ فیصلہ کرتے وقت شبہات کے موقعوں پر اچھی طرح غور و فکر کرنے والا ہو اور دلائل پر اچھی طرح اعتماد کرنے والا ہو۔ فریقین دوبارہ بحث کرنا چاہیں تو اکتاتے نہیں۔ حقائق میں دیر نہ کرے۔ زیادہ تعریف سن کر مغرور نہ ہو۔ خوشامد کی باتوں میں آکر کسی ایک جانب مائل نہ ہو۔ ایسے لوگ بہت کم ملتے ہیں۔

اس کے کئے ہوئے فیصلوں کی جانچ پڑتال کرتے رہو اور اسے اتنا کھلا معاوضہ دو کہ اس کی معاشی ضروریات کا ازالہ کر دے اور اسے دوسروں کا دست نگر نہ ہونا پڑے اپنے یہاں اسے وہ منزلت عطا کرو کہ تمہارے کسی اور مقرب خاص کو وہاں تک پہنچنے کا حوصلہ نہ ہو تاکہ اس طرح وہ تمہارے مصاحبوں کی ضرر رساں ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہے اس کام میں بالغ نظری سے کام لو کیونکہ یہ دین اشرار کے ہاتھوں میں

maablib.org

اس طرح اسیر رہ چکا ہے کہ اس پر خواہشات نفسانی کی فرمانروائی تھی اور دین کے نام پر دنیا کمائی جارہی تھی

پھر اپنے عمال کی حکومت کے معاملات پر نظر ڈالو۔ ان کی خوب آزمائش کر کے کام پر لگاؤ اور خصوصی رعایت اور اغراض کی بنا پر کسی کو ملازم نہ رکھو۔ کیونکہ یہ دونوں (رعایت اور غرض) ظلم و خیانت کی نہروں کا منبع ہیں (آزمائش کے بعد) ایسے لوگوں کا انتخاب کرو جو آزمودہ کار، غیرتمند، نیک گھرانوں کے چشم و چراغ اور اسلامی خدمات کے لحاظ سے پیش پیش ہوں۔ کیونکہ ان لوگوں کے اخلاق سب سے بلند عزت سب سے زیادہ بے داغ نگاہیں، لالچ کی پستیوں پر سب سے کم جھکنے والی اور نظریں انجام کار پر سب سے پہلے پہنچ جانے والی ہوں۔ ان کی تنخواہیں کھلے دل سے پوری پوری ادا کرو تاکہ اپنی ذاتی بہبود برقرار رکھنے کے لئے بے نیاز ہو جائیں اس کے باوجود اگر وہ تمہارے حکم کی خلاف ورزی کریں یا تمہاری امانت میں رخنہ ڈالیں تو ان پر تمہاری حجت قائم رہے گی۔ پھر ان کی کارگزاریوں کا جائزہ لیتے رہو اور ان پر صداقت شعار اور وفادار نگران مقرر کرو تاکہ خفیہ طور پر ان کے کاموں کی جانچ پڑتال ہوتی رہے۔ یہ ان کے لئے دیانت داری اور ایمانداری سے کام کرنے کے لئے ایک تازیانہ ہوگا۔

نوکروں کے ہتھکنڈوں سے بچ کر رہو۔ اگر ان میں سے کسی کا ہاتھ خیانت کی طرف بڑھے تو تمہارے جاسوسوں کا کسی اطلاع پر اتفاق تمہارے لئے کافی ہوگا اس بدعنوان نوکر کو جسمانی سزا بھی دو اور اپنے عہدہ سے اس نے جو ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اس کا مواخذہ بھی کرو اور اسے ذلت کے مقام پر کھڑا کر دو اس کے ماتھے پر خیانت

کا داغ لگا دو اور گلے میں تہمت کی بدنامی کا پٹہ ڈال دو۔

خراج کی وصولی کی ایسی دیکھ بھال کرو جس سے خراج گزاروں کی اصلاح ہوتی ہے کیونکہ خراج اور خراج گزاروں کی بہبودی میں دوسروں کی بہتری ہے کیونکہ سب لوگ خراج اور اہل خراج ہی کے محتاج ہوتے ہیں اور خراج کی فراہمی سے تمہاری نظر زیادہ تر زمین کی آبادکاری پر ہونی چاہیئے کیونکہ اس کے بغیر خراج حاصل نہیں ہوتا۔ جو آبادکاری بغیر خراج مانگے گا وہ شہروں کو ویران اور شہریوں کو ہلاک کر دے گا۔

اگر خراج دینے والا خراج کی گراں باری زمین کے زیر آب ہو جانے یا نہری اور بارانی کی کمی یا کسی آفت شماری یا بیج کے گل سڑ جانے یا قحط کے باعث برباد ہو جانے کی شکایت کرے تو خراج میں اتنی کمی کرو جس سے تمہیں امید ہو کہ اس کی حالت سدھر جائے گی مگر یہ خیال رہے کہ ان کا معاشی بوجھ ہلکا کرتے کرتے اپنے سر بوجھ نہ ڈال لینا۔ کیونکہ یہ تخفیف ایک ایسا ذخیرہ ہے جسے وہ لوگ شہروں کی آبادی اور تمہاری حکومت کی آراستگی کے لئے تمہیں واپس کر دیں گے اور ان کی تحسین اور ان میں عدل جاری کرنے کی مسرت بھی تمہیں حاصل ہو جائے گی اور انہیں پہلے سے دی ہوئی سہولتوں کی وجہ سے تمہیں ان کی قوت فاضلہ پر اعتماد ہو جائے گا اور تم نے جس عادلانہ برتاؤ کا انہیں خوگر بنا دیا ہے اس کی وجہ سے تم ان کے حسن اعتماد پر بھروسہ کر سکو گے اس کے بعد کئی واقعات ایسے رونما ہو سکتے ہیں جن میں تمہیں ان کی مدد پر بھروسہ کرنا پڑے تو اس وقت وہ تمہارا ڈالا ہوا بوجھ بطیب خاطر برداشت کر لیں گے کیونکہ آباد ملک پر جو بوجھ ڈالو گے وہ یقیناً اٹھا لیگا

اور زمین ویران ہوتی ہے تو محض اہل زمین کے فقر و فاقہ سے اور اس کا سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ حکمران اپنے دل کی نگاہیں مال و دولت کے ڈھیر لگانے پر جھکا دیتے ہیں

کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ یہ اقتدار ناپائیدار ہے اس لیے سابقہ حکومتوں کا انجام دیکھ کر بھی بہت کم سبق حاصل کرتے ہیں اور ہاتھ آئے موقع کو غنیمت سمجھ کر خوب ہاتھ رنگنا چاہتے ہیں

اب اپنے کاتبوں کے حالات پر نظر ڈالو اس طرح کہ اپنا دفتری کاروبار بہترین ہاتھوں کی تحویل میں رکھو اور اپنی وہ چٹھیاں جن میں تمہاری مخفی تدابیر اور رموز مملکت درج ہوں ان کاتبوں سے مخصوص کرو جو ہر لحاظ سے جامع اخلاق صالحہ ہوں جو اپنے بلند مرتبہ کے چاؤ میں تم سے بھی مجلس میں گستاخانہ بات نہ کریں اور تمہارے لیے لینے اور تمہاری طرف سے دینے کے ضمن میں تمہارے اہل کاروں کے خطوط تمہارے سامنے پیش کرنے اور ان کا جواب روانہ کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ معاملات کے ایسے ماہر ہوں کہ تمہارے حق میں معاہدہ کی کسی گرہ میں کمزوری نہ ہونے دیں اور جو گرہ تمہارے خلاف پڑتی ہو اسے کھولنے سے عاجز نہ ہوں اور کسی معاملے میں اپنی قدر و قیمت سے ناآشنا نہ ہوں کیونکہ جو قدر و قیمت نہیں پہچانتا وہ دوسروں کی قدر کیا جانے گا۔

ان کا انتخاب تمہاری فراست خصوصی میلان یا حسن ظن پر نہ ہونا چاہیئے کیونکہ لوگ حکام کی نظروں میں سمانے کے لیے تصنع اور حسن خدمت کی راہ سے شناسائی پیدا کر لیتے ہیں حالانکہ ظاہر داری کے سوا ان میں خیر خواہی اور ایمانداری کا نام تک نہیں ہوتا۔ ان کا امتحان کارگزاری سے کرو جو انہوں نے تم سے پہلے نیک حکام کے ماتحت انجام دی ہو۔ پس جو عوام میں ہر دلعزیز اور ایمان داری میں نیکنام رہ چکا ہو اس کا انتخاب کرو تو یہی تمہارا طرز عمل اس بات کی دلیل بن جائے گا کہ تم اللہ اور اپنے امام کے خیر خواہ ہو۔

اپنے دفتری امور کے ہر شعبہ کا ایک افسر اعلیٰ مقرر کرو جو کسی بڑے کام کے آگے

قلم نہ چھوڑ دے اور نہ کاموں کی کثرت سے گھبرائے اگر تمہارے کاتبوں میں کوئی عیب ہو
گا تو اس کے ملزم تم خود سمجھے جاؤ گے۔

تاجروں اور صنعت کاروں کا تم خود بھی خیال رکھو اور دوسروں کو بھی خیال رکھنے
کی ہدایت کرو۔ یہ تاجر و صنعت کار خواہ مقیم ہوں خواہ شہر بشہر یا گاؤں گاؤں مال بیچتے
ہوں۔ چاہے جسمانی مشقت سے روزانہ کے استعمال کی چیزیں بناتے ہوں یہی لوگ
منافع کا سرچشمہ اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں اور تمہارے ملک کی
خشکی تری، میدانی اور پہاڑوں کے طویل راستوں اور دور دراز مقامات سے ضروریات کی چیزیں
کشاں کشاں اندرون ملک لے آتے ہیں اور وہ بھی ان حالات میں کہ جہاں جہاں یہ چیزیں
پائی جاتی ہیں وہاں تک اور لوگ کا پہنچنا تو کیا اور ہر رخ کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتے
ان کا خیال رکھنا ضروری ہے یہ لوگ امن پسند ہوتے ہیں ان سے کسی قسم کی شورش
کا اندیشہ نہیں ہوتا اور بغاوت کا خدشہ دور رہتا ہے بہرحال یہ جہاں کہیں ہوں ان کی
خبر گیری کرتے رہو۔

مگر یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ ان میں بہت سے تنگ دل اور بری طرح سے کنجوسی کا شکار
ہوتے ہیں۔ نفع کمانے کے لئے ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں۔ فروختنی مال کی منہ مانگی قیمت لیتے
ہیں جس سے عوام کے نقصان اور احکام کی بدنامی کا دروازہ کھل جاتا ہے لہٰذا ذخیرہ اندوزی
کو ممنوع قرار دو کیونکہ آنحضرتؐ نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے خرید و فروخت میں ایسی نرمی ہونی
چاہیئے کہ ناپ تول اور بھاؤ تاؤ عادلانہ ہو جس سے نہ دکاندار گھاٹے میں رہے نہ خریدار۔
اگر تمہاری ممانعت کے بعد بھی کوئی ذخیرہ اندازی نہ چھوڑے تو اسے عبرت ناک سزا دو
مگر سزا دینے میں حد اعتدال سے تجاوز نہ ہو۔

سب سے نچلے طبقہ کا خیال رکھنے میں اللہ کو نہ بھولنا جس کا کوئی ذریعہ معاش نہیں اس طبقہ میں نادار، محتاج فقر و فاقہ میں مبتلا اور معذور لوگ شامل ہیں - ان کا خیال رکھنا اسلئے ضروری ہے کہ کچھ تو ان میں ہاتھ پھیلا کر مانگتے ہیں کچھ کم سوال ہوتے ہیں، جنہیں بے مانگے دینا ہوتا ہے اور ان کے بارے میں اللہ نے اپنا جو حق تمہارے سپرد کیا ہے اس کی حفاظت کرو اور ان کے لئے ایک حصہ بیت المال سے معین کردو اور ایک حصہ اسلامی غنیمت کی زمینوں کی پیداوار سے لے لو۔ کیونکہ اس میں دور رہنے والوں کا اتنا ہی حق ہے جتنا نزدیک رہنے والوں کا - تمہیں ہر ایک کے حق کا نگہبان بنایا گیا ہے لہٰذا حکومت کے نشہ میں اس سے غافل نہ ہو جانا - اس فرض کا اکثر و اہم حصہ ادا کر کے یہ نہ سمجھ لینا کہ باقیماندہ قلیل رقم کی فروگزاشت پر تمہارا عذر قبول کر لیا جائے گا - لہٰذا اس طرف سے بے فکر ہو جانا اور نہ تکبر میں آکر اس سے منہ پھیرنا اور ان میں سے جو تمہارے پاس نہیں پہنچ سکتے ان کے پرسان حال رہو جنہیں آنکھیں دیکھنا تک نہیں پسند کرتیں اور جو لوگوں کی نظروں میں حقیر سمجھے جاتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے خدا ترس اور متواضع معتمد کو مخصوص کردو جو ان کے حالات تمہارے سامنے پیش کرتا رہے ان کے بارے میں وہ طرز عمل اختیار کرو کہ قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں تمہارا عذر پہلے سے موجود ہو - کیونکہ ساری رعایا میں یہی وہ لوگ ہیں جنہیں دوسروں کے مقابلہ میں انصاف کی زیادہ ضرورت ہے اور یہ ہیئت مجموعی ہر ایک کا حق ادا کر کے اللہ کے سامنے بری الذمہ ہو جاؤ -

---

یتیموں اور پیرانِ سالخوردہ کی دیکھ بھال کرتے رہو جن کا کوئی سہارا نہیں اور سوال کرنے کے لئے اپنے آپ اٹھ بھی نہیں سکتے اور یہی وہ بوجھ ہے جو حکام پر دوبھر ہے اور کیوں نہ ہو حق کی ہر بات دوبھر ہو ہی جاتی ہے البتہ اللہ تعالیٰ ان اقوام کے لئے اس بوجھ کو ہلکا کر دیتا ہے جو عاقبت کی طلب میں اپنے دلوں کو مضبوط رکھتے ہیں اور اللہ

نے ان کے لئے جو وعدہ کر رکھا ہے اس وعدہ کی سچائی پر یقین رکھتے ہیں۔

اپنے اوقات کا ایک حصّہ حاجت مندوں کے لئے مخصوص کر دو اس میں ان کی خاطر ہر کام سے فارغ ہو جاؤ اور ایک مجلسِ عام میں ان کے سامنے بیٹھ جاؤ اور محض دکھاوے کو نہیں اللہ کی خوشنودی کے لئے تواضع اختیار کرو اور اس وقت اپنے فوجیوں ماتحتوں، حفاظتی دستے اور پولیس کو ان سے ہٹا کر دور بٹھا دو تاکہ کہنے والا تم سے جو کچھ کہنا چاہتا ہے بے خوف و ہراس کہہ سکے۔ میں نے حضرت رسولِ خدا کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جس قوم میں کمزور کا حق زبردست سے بے خوف و ہراس نہیں دلایا جاتا اس کی کوئی خوبی بیان نہیں کی جاسکتی۔ پھر ان حاجت مندوں کی درشت مزاجی اور قوت بیان کی کمزوری کو برداشت کرو اور ان سے تنگ آکر کج خلقی اور تکبّر کو پاس نہ آنے دو۔ اس کی وجہ سے اللہ اپنی رحمت کا دامن ہر طرف سے تمہارے اوپر پھیلا دے گا اور اپنی طاعت کا ثواب تمہارے اوپر واجب کر دے گا۔

جو کچھ انہیں دینا ہو کھلے دل سے دو اور نہ دینا ہو تو بعنوان شائستہ معذرت کرو۔

تمہارے کاموں کی انجام دہی لازمی طور پر تم ہی سے وابستہ ہے ان میں سے ایک کام ماتحتوں کے خطوط کا جواب دینا ہے جو تمہارے کاتبوں کے بس کا نہ ہو دوسرا یہ ہے کہ جس دن لوگوں کی درخواستیں تمہارے سامنے پیش ہوں اسی دن مناسب احکام صادر کرو۔ تمہارا معاون عملہ ان پر کارروائی کرنے میں تنگ دلی سے کام لے گا اور روز کا کام اسی روز انجام دو۔ کیونکہ ہر دن کے لئے اسی دن کا کام مخصوص ہوتا ہے اور اللہ سے عہد معبود کا رشتہ استوار رکھنے کے لئے مذکورہ اوقات، واقسام اللہ ہی کے ہیں بشرطیکہ ان کے صرف کرنے میں نیت نیک ہو اور ان کی بدولت رعایا امن میں رہے۔

وہ مخصوص دینی اعمال جو تم خالصتہً لوجہ اللہ بجا لاتے ہو ان میں ایسے فرائض کی
پابندی کو نمایاں خصوصیت حاصل ہونی چاہیئے جو اس کی ذات پاک سے مخصوص ہیں۔ لہٰذا
اپنے لیل و نہار کے مخصوص اوقات میں اپنے بدن کی طاقت کا کچھ حصہ اللہ کی عبادت میں
صرف کرو اور جو اعمال بجا لاؤ پوری توجہ سے اس طرح انجام دو کہ ان میں کوئی کسر نہ رہے
چاہے تمہیں کتنی ہی جسمانی کوفت برداشت کرنی پڑے اور جب نماز باجماعت پڑھانے
لگو تو اتنی طویل نہ کرو کہ لوگ نماز چھوڑ کر بھاگ جائیں اور نہ اتنی مختصر ہو کہ نماز نماز ہی نہ رہے
کیونکہ نمازیوں میں ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں کوئی بیماری یا ضروری کام ہو۔ جب حضرت
رسول خدا مجھے یمن بھیجنے لگے تو میں نے آپ سے پوچھا کہ نماز باجماعت کس طرح پڑھاؤں
فرمایا انہیں ایسی نماز پڑھاؤ جسے ضعیف ترین نمازی بھی پڑھ سکتا ہے ان مومنوں
پر مہربان بن کر رہو۔

یہ بھی خیال رہے کہ اپنی رعایا سے بہت زمانہ تک روپوش نہ رہو کیونکہ حکام کا
روپوش رہنا ایک قسم کی تنگ دلی اور امور حکومت سے لاعلمی کی دلیل ہے اور رعایا سے
چھپ کر رہنا انہیں ان باتوں سے بے خبر رکھتا ہے جو ان کے لئے پس پردہ کا حکم رکھتی ہیں
چنانچہ ان کی نگاہ میں ہر بڑی چیز چھوٹی اور ہر چھوٹی چیز بڑی ہر خوبی خامی اور ہر خامی خوبی
بن کر رہ جاتی ہے اور اس طرح حق و باطل کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور حکمران بھی تو آخر بشر ہی
ہوتا ہے اسے کیا خبر کہ لوگ اس کی لاعلمی میں پس پردہ کیا کچھ کر رہے ہیں اور حق کی پیشانی پر
کوئی چھپے بھوڑے لگے ہوتے ہیں کہ کھرے کھوٹے سکوں کے نقوش پہچانے جا سکیں
اور تم دو آدمیوں سے ایک ہی ہو سکتے ہو یا تو وہ آدمی ہو کہ دل کھول کر راہ خدا میں خرچ
کرتا ہو تو اس صورت میں لوگوں کے واجبی حقوق ادا کرنے یا ان سے حجاب کیا اور
افعال کی بجا آوری میں پردہ کی کیا ضرورت یا تم وہ آدمی ہو کہ نہ دینے کا خم کھائے ہو

بیٹھے ہو۔ اس صورت میں لوگ جب تمہاری داد و دہش سے مایوس ہو جائیں گے تو تم سے مانگنا خود ہی چھوڑ دیں گے۔ مزید برآں تمہارے پاس لوگوں کی زیادہ تر درخواستیں ایسی آتی ہیں جس کی وجہ سے تم پر مالی بوجھ نہیں پڑتا۔ مثلاً کسی ظلم کی شکایت یا کسی لین دین کے سلسلہ میں انصاف کا مطالبہ تو اسے پورا کرو۔

اس حکمران کے کچھ رازدار ہوتے ہیں جن میں خود غرضی، دست درازی اور بد معاملگی پائی جاتی ہے ایسے حالات پیدا ہونے کا رشتہ کاٹ کر ان لوگوں کی شرارت کے مادہ کا خاتمہ کر دو اور اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابتی رشتہ داروں میں سے کسی کو کوئی جاگیر ہرگز نہ دینا اور ان میں سے کسی کو تم سے یہ توقع ہونی چاہیئے کہ کوئی کسی ایسی سیر حاصل زمین پر قبضہ جما لے جس سے آس پاس کے لوگوں کی آب پاشی یا کسی مشترکہ کام (سڑک پل وغیرہ) کو جس کے خرچ کا بوجھ وہ دوسروں پر ڈالتے ہوں نقصان پہنچتا ہو کیونکہ اس دھاندلی سے گلچھرے تو وہ اڑائیں گے اور تمہیں یاد بھی نہ کریں گے مگر اس کا دھبہ دنیا و آخرت میں تمہارے دامن پر لگا رہے گا۔

اپنے اور بیگانہ میں سے (مظلوم کا) حق جس کے ذمہ ہو اس پر لاگو کر دو اور اس کارروائی پر صبر اور احتساب سے کام لو۔ چاہے اس کی زد میں تمہارا کوئی عزیز اور خاص آدمی ہی کیوں نہ آتا ہو اس وجہ سے جو بار خاطر تمہیں برداشت کرنا پڑے اس کے انجام کو پیش نظر رکھو کیونکہ اس کارروائی کا انجام یقیناً قابل تعریف ہے اور اگر رعیت کو بد گمانی ہو جائے کہ تم نے ان پر ظلم کیا ہے تو معذرت کے ساتھ اپنی صفائی پیش کر دو اور اپنا مافی الضمیر واضح کر کے ان کی بد گمانیاں دور کر دو کیونکہ ایسا کرنے میں جہاں تمہاری اخلاقی تربیت ہو گی وہاں رعیت پر تمہاری مہربانی بھی ثابت ہو گی اور اس عذر خواہی سے

maablib.org

رعیت کو حق پر قائم رکھنے کا مقصد بھی حاصل کر لو گے۔

اور دشمن اگر ایسی صلح کی پیش کش کرے جس میں اللہ کی خوشنودی کو دخل ہو تو اسے ٹھکرا دو مت کیونکہ صلح سے تمہاری افواج کا آرام تفکرات اور تمہاری آسودگی اور تمہارے شہروں کا امن وابستہ ہے لیکن خبردار صلح کے بعد دشمن سے پوری طرح ہوشیار رہنا ضروری ہے کیونکہ دشمن عموماً اس لئے قریب آتا ہے کہ تمہاری غفلت سے فائدہ اٹھائے لہٰذا محتاط رہو اور اس ضمن میں حسن ظن کا بھی اعتبار نہ کرو۔

اگر دشمن سے معاہدہ کر لیا ہے اسے اپنی امان میں لے لو اور اپنے عہد کی پوری پابندی کرو اور اپنی ذمہ داری کو ایمانداری سے نباہو اور اپنے دیئے ہوئے قول پر یوں قائم رہو کہ جان جائے مگر بات نہ جائے کیونکہ اللہ کے فرائض میں سے جس فریضہ پر عام لوگ الگ الگ خواہشات اور مختلف نظریات کے باوجود سب سے زیادہ متفق ہیں وہ ایفائے عہد کی تعظیم کے سوا اور کچھ نہیں اور مسلمان تو مسلمان، مشرکوں نے بھی عہد و پیمان کی پابندی کی ہے کیونکہ وہ عہد شکنی کے نتائج بھگت چکے تھے لہٰذا نہ تو اپنے قول و قرار کی خلاف ورزی کرو نہ اپنے عہد کو توڑ کر دشمن کو دھوکا دو۔ کیونکہ جاہل بدبخت کے سوا کوئی خدا کی نافرمانی نہیں کرتا۔ اللہ نے اپنے عہد و پیمان کو جائے امن قرار دے کر اپنی رحمت کو بندوں میں عام کر دیا ہے اور ایسی جائے امن بنایا ہے جس کے محفوظ و مضبوط قلعے میں وہ سکون پذیر ہوتے ہیں اور جس کے پڑوس میں آترنے کے لئے تیزی سے رواں دواں ہیں لہٰذا عہد و پیمان میں کوئی کھوٹ خیانت اور دھوکا جائز نہیں۔

ایسا کوئی معاہدہ نہ کرو جس میں حیلہ بہانہ کی راہ نکلتی ہو اور معاہدہ کی تاکید و توثیق

کے بعد قابل توجیہ الفاظ کا سہارا مت لو اور خبردار کسی ایسی بات کی ناگواری جس میں اللہ کا عہد تم پر لاگو ہو گیا ہو تمہیں اس بات کی دعوت نہ دے کہ تم ناحق معاہدہ ٹوٹ جانے کے بہانے تلاش کرنے لگو کیونکہ جس کام کی ناگواری سے تمہیں نجات پانے اور اس کا انجام بخیر ہونے کی امید ہو اس پر تمہارا صبر کرنا اس بدعہدی سے بہتر ہے جس کا خمیازہ بھگتنے سے تم ڈرتے ہو اور تمہیں اندیشہ ہے کہ اس بدعہدی کی پاداش میں اللہ کی بازپرس تمہیں چاروں طرف سے گھیرے گی اور اس بازپرس سے دنیا و آخرت کے گناہ بخشوا کر بھی وہاں نہ پا سکو گے۔

خبردار! لوگوں کا ناروا خون نہ بہانا کیونکہ ناحق خوں ریزی سے بدتر کوئی بات نہیں جو خدا کی ناراضی کو بلاوا دیتا ہے گناہ کی پاداش کو عظیم تر کرتا ہے۔ زوال نعمت اور انقطاع مدت کا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سب سے پہلے بندوں کی باہم خوں ریزیوں ہی کا فیصلہ کرے گا اور اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لئے ناحق خونریزی مت کرو کیونکہ یہ فعل اقتدار کو نہ صرف کمزور اور بودا کرتا ہے بلکہ اسے زائل کرکے دوسروں کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور کسی کو جان بوجھ کر قتل کر دینے کے بارے میں نہ خدا کے یہاں اور نہ میرے نزدیک ہی کوئی عذر سنا جائے گا۔ کیونکہ اس میں بدنی قصاص لازم ہے مگر تم سے یہ غلطی سرزد ہو جائے کہ سزا دیتے وقت تمہارا کوڑا یا تلوار حد اعتدال سے تجاوز کر جائے اور قتل واقع ہو جائے کیونکہ مکا بلکہ اس سے بھی خفیف ضرب قتل کا باعث ہو سکتی ہے تو ایسا نہ ہو کہ حکومت کا گھمنڈ تمہیں مقتول کے وارثوں کو حق ادا نہ کرنے دے۔

دیکھو خود پسندی اور اپنی دل پسند باتوں پر بھروسہ نہ کرو اور خوشامد پسندی سے بچ کر رہو کیونکہ نیکوں کی نیکیاں ملیا میٹ کرنے کے لئے شیطان کو زیادہ بھروسے کے مواقع ملتے ہیں۔

خبردار رعیت پر احسان کر کے احسان جتانے اپنے کئے ہوئے کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنے یا رعیت سے کوئی وعدہ کرنے کے بعد وعدہ خلافی کرنے کا خیال بھی نہ کرنا کیونکہ احسان جتانا نیکی کو برباد کر دیتا ہے اور اپنے کئے کو بڑھا چڑھا کر بیان کرنا چراغ حق کو بجھا دیتا ہے اور وعدہ خلافی خالق و مخلوق دونوں کی ناراضی کا موجب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کبر مقتاً عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون (تمہارے منہ سے وہ بات نکلنا جسے تم کرتے نہیں اللہ کے نزدیک بڑی ناراضی کی بات ہے)

اور خیال رہے کہ جب تک کسی کام کا وقت نہ آجائے اس کے کرنے میں جلد بازی سے کام نہ لینا اور جب اس کے ہونے کا وقت آجائے تو توقف نہ کرنا اور جب تک سمجھ میں نہ آجائے اس کے کرنے سے باز رہنا لیکن جب واضح ہو جائے تو سستی نہ کرنا۔ ہر کام کو اس کے مقام پر رکھو اور ہر عمل کو اس کے موقع پر بجا لاؤ۔

اور محتاط رہو کہ جس بات میں سب لوگ برابر کا حق رکھتے ہوں اسے اپنی ذات سے مخصوص نہ کر دو اور جو اہم باتیں سب کی آنکھوں کے سامنے ہوں ان سے جان بوجھ کر تغافل نہ کرو کیونکہ دوسروں کی جواب دہی تم ہی کو کرنا ہو گی۔ عنقریب تمہاری آنکھوں سے معاملات کے پردے ہٹ جائیں گے اور ہر مظلوم کا انصاف تم سے مانگ لیا جائے گا۔

اپنے غصہ کے جوش میں غضب کی باڑھ ہاتھ کی گرفت اور زبان کی تیزی قابو میں رکھو اور ان سب باتوں پر جلد بازی سے باز رہنے اور گرفت کرنے میں تاخیر کا پہرہ بٹھا دو یہاں تک تمہارا غصہ ختم ہو جائے اور تم صحیح رائے قائم کرنے پر قائم ہو جاؤ اور جب تک اپنے پروردگار کی بارگاہ میں لوٹ کر جانے کی یاد میں زیادہ سے زیادہ فکرمند نہ ہو گے تم ان باتوں کو اپنے دل میں مضبوطی سے جما نہ سکو گے۔

تم پر واجب ہے کہ ماضی کی ہر بات سے سبق حاصل کرو وہ تم سے پہلے کی حکومت عادلہ

ہو یا سنت فاضلہ ہمارے نبی کی حدیث ہو یا کتاب خدا میں آیا ہوا فریضہ ہو بہر حال جن باتوں پر ہمیں عمل کرتے دیکھ چکے ہو انہی کی پیروی کرو اور دل لگا کر ان ہدایات پر کاربند رہو جو میں نے تمھارے لئے اس فرمان میں درج کر دی ہیں تاکہ اگر تمہارا نفس اپنی خواہشات کی طرف تیزی سے بڑھنے لگے تو تم کوئی بہانہ نہ کر سکو۔

تبصرہ

امیر المومنین علیہ السلام کا منشور گرامی اور فرمان واجب الاذعان میں نے علامہ مرزا یوسف حسین صاحب قبلہ مدظلہ کے ترجمہ نہج البلاغہ سے نقل کر دیا ہے۔ ایک صاحب بصیرت انسان اس کو اول سے آخر تک پڑھ کر اس کا اندازہ کر سکتا ہے کہ حکومت الٰہیہ کے آئین و قوانین کیا ہیں۔ دنیا والوں کے ملکی قوانین پر ان کا سایہ بھی نہیں پڑا ان کی ساخت ہی کچھ اور ہوتی ہے وہاں قوانین چاہے کیسے ہی سوچ سمجھ کر بنائے جائیں مگر اپنے ذاتی اغراض سے محفوظ نہیں رہتے دوسرے ان کے نفاذ عمل پر کڑی نظر رکھی جاتی اور خلاف ورزی کرنے والوں سے بات بات پر مواخذہ نہیں ہوتا ہے۔ جرائم کی سزا بلحاظ جرم نہیں دی جاتی۔

امیر المومنین کے اس فرمان کو بغور پڑھیے اور غور کیجیے اس سیاست کی کوئی دفعہ آپ کو ڈھیلی تو نظر نہیں آتی کس قدر جامع ہے یہ تحریر قوانین الٰہیہ کی حضرت نے ملکی رعایا کو سات قسموں میں تقسیم کر کے ہر ایک کی ضروریات اور ان کے ساتھ عملی برتاؤ کے جو قواعد بیان فرمائے ہیں ان میں حقوق انسانی کا کس قدر تحفظ کیا گیا ہے گورنروں، عاملوں محصلین صدقات کو ان کے فرائض یاد دلا کر ان پر عمل کرنے کی کیسی سخت تاکید کی ہے اس پر بھی اگر کہا جائے کہ امیر المومنین

سیاست سے ناواقف تھے۔ تو ان پر کتنا بڑا ظلم ہے۔

اگر اسلامی حکومتیں ان پر عمل پیرا ہوتیں تو نہ تو بیگناہوں کا خون بہایا جاتا نہ ناکردہ خطاؤں کو تیرہ و تاریک زندانوں میں بری طرح ٹھونسا جاتا بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانوں میں جیسی جیسی قانون الٰہیہ کی خوفناک خلاف ورزیاں ہوئیں وہ تاریخ اسلام کے سیاہ اوراق کہے جاسکتے ہیں رعایا کی خوشحالی، انصاف پسندی، دین نوازی کا سارا دارومدار حسن عمل پر ہے اور یہ دولت عام لوگوں کو نصیب نہیں ہوسکتی جب تک ایک اچھا نمونہ عمل ان کے سامنے نہ ہو۔ قانون چاہے کتنا ہی اچھا ہو جب تک اس کے نافذ کرنے والے نکوکردار اور پسندیدہ رفتار، خدا اور رسول سے ڈرنے والے نہ ہوں۔ تمدن و معاشرہ میں فلاح و بہبود کے فرشتوں کا نزول نہیں ہوسکتا رسول خدا نے قوانین الٰہیہ کے اجرا کی ذمہ داری معصوم ہستیوں کے سپرد کی تھی تاکہ ان کے اسوہ حسنہ پر پبلک کا عمل ہو اور ان کا نمونہ عمل سامنے رکھ کر ہر شخص اپنے عمل کو پیش کرے لیکن ایسا ہوا نہیں بجائے اہلبیت رسول کے دوسروں کے عمل کو نمونۂ عمل بنایا۔ مثل مشہور ہے الناس علی دین ملوکھم۔ لوگ تو اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں لہٰذا وہی عمل رعایا کا بنا جو سلاطین وقت کا تھا۔

مسلمان بادشاہوں میں وہ خونریزیاں اور غارت گریاں ہوئیں جن کا اسلامی تعلیم سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ مسلمانوں کے گلے ۔ بے دھڑک کاٹے گئے انہیں زندہ آگ میں جلایا ان کی ناموس پر ڈاکہ ڈالا۔ ان کے املاک ضبط کئے گئے۔ بے گناہوں کو ظلم و ستم کے شکنجے میں کھینچا ان کی دیکھا دیکھی رعایا نے بھی عدل و انصاف، رحم و کرم، رواداری و مساوات و اخوت سے ہاتھ اٹھایا۔ دنیا میں فوقیت و برتری ان کی زندگی کا بہترین مقصد تھا اور آخرت

کی نجات کی طرف ان کی پشت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان رہ گیا اور اسلام غائب ہوتا چلا
گیا۔ آج کونسا شرعی، اخلاقی، سیاسی و معاشرتی تمدنی گناہ ایسا ہے جو
مسلمانوں سے دور ہے۔ سب کچھ ہو رہا ہے اور نیکی سمجھ کر ہو رہا ہے۔
خوف خدا دل سے نکال کر ہو رہا ہے اللہم سب مسلمانوں پر رحم کرے اور ان
کو یہ توفیق دے کہ بھائی بھائی بن کر رہیں ایک دوسرے کی تکلیف کا احساس
کریں باہمی جنگ و پیکار سے اجتناب کریں۔ آمین۔ ثم آمین۔

تمت بالخیر

راقم ناچیز

سید ظفر حسن امروہوی

MAAB 1431
مرکز احیاء آثار برصغیر
maablib.org